اللؤلؤ المکنون

جلد دہم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

● مدینہ منورہ میں وفود کی آمد اور قبول اسلام ● حجۃ الوداع کے پرمسرت لمحات اور تکمیل دین کا مژدہ
● رحمۃ للعالمین ﷺ کا سفرِ آخرت ● امہات المومنین اور اولاد نبوی ﷺ کا انمول تذکرہ اور چند روشن پہلو

دارالسلام
ریسرچ سنٹر
DARUSSALAM



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 10

اللؤلؤ المکنون
سیرت انسائیکلوپیڈیا
علی صاحبها الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

جلد 10

- عام الوفود میں توحید و رسالت کی بلند ہوتی صدائیں
- نبی ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی
- دین محمدی کی تکمیل کے بعد نبی ﷺ کی رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت
- رسولِ کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد کے مستند حالات و واقعات

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دینے والے مختلف وفود کے قبول اسلام کا ایمان افروز تذکرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لاتعداد مسلمانوں کا لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پکارنا اور فریضۂ حج ادا کرنا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود سے امت محمدیہ کا محروم ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تدفین، غم و اندوہ میں مبتلا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دین میں استقامت، خلیفۂ اول کا انتخاب اور مثالی اقدامات و فیصلے۔ مستند روایات کی روشنی میں خاندان نبوی کے ایمان افروز حالات و واقعات۔

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ محمد عثمان یوسف
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ،معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان وادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

محمد شعیب
(السٹریٹر)

دارالسلام DARUSSALAM
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • علیا فون 00966 1 4614483 فیکس 4644945 • الملز فون 00966 1 4735220 فیکس 4735221
• سویدی فون 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس 00966 1 2860422
جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس 6336270 • مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446، 8230038 فیکس 04 8151121
القصیم فون: 00966 3 8692900 فیکس 00966 3 8691551 • خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس 8691551 • ... فون: 0503417156 فیکس 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون 001 718 625 5925 • ہیوسٹن 001 713 722 0419 • کینیڈا • ٹورنٹو فون: 001 416 4186619

لندن • ... فون 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • برمنگھم 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس 0033 01 480 52997

انڈیا • ... فون 0091 44 45566249 موبائل 0091 98841 12041 • ... فون: 0091 22 2373 4180
• ... فون: 0091 40 2451 4897 موبائل: 0091 98493 30850 • ... فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • ... فون: 0094 115 358712 • ... فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس: 042 373 540 72
www.darussalampk.com
اردو بازار غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
ڈیفنس Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10
گلبرگ: دکان نمبر 2 گراؤنڈ فلور، بیک سی پلازہ، لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50
مین مارکیٹ: بالمقابل ایم سی بی بینک، مین مارکیٹ گلبرگ فون: 0092 42 357 882 67
ٹاؤن شپ: پیکو روڈ ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 0092 42 351 242 30

کراچی: مین طارق روڈ ڈولمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد: F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ روڈ ... فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان: 995-ایم گیس آفیسر کالونی، بوسن روڈ، ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد: کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٣٧ھ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية جزء ٨. / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٧ھ
ص: ٥٠٢ مقاس ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٨-٣٦٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (اللغة اردو)
١ - السيرة النبوية ٢ - الشمائل المحمدية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٧/١١٣٣
رقم الإيداع: ١٤٣٧/١١٣٣
ردمك: ٨-٣٦٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی

مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ

وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

صحیح البخاري : 3370 صحیح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذات اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



مضامین

باب 1

عام الوفود

باب 3

وفات النبی ﷺ

باب 4

رسول اکرم ﷺ کا خاندان

عام الوفود (9ہجری)

بارگاہ رسالت میں دینِ حنیف قبول کرنے کے لیے عرب قبائل کے وفود
کی پے در پے آمد کا سال، اس کی مکمل جزئیات وتفصیلات
اور احوال ونتائج کی بصیرت افروز سرگزشت

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

وَاسْتَغْفِرْهُ

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

”(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (النصر 110: 1-3)

اس باب میں

آپ کو ارشاد ربانی ﴿ يَدۡخُلُونَ فِى دِينِ ٱللَّهِ أَفۡوَاجًا ﴾ کی چلتی پھرتی، جیتی جاگتی، متحرک تفسیر نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے سے مختلف چھوٹے بڑے قبیلوں کے وفود دمبدم مدینہ منورہ آرہے ہیں۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اپنی باتیں گوش گزار کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سن رہے ہیں اور اسلام قبول کر رہے ہیں۔ حقائق و بصائر کے اس عجیب و غریب باب سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ دعوت اسلام سے پہلے عربوں کے توہمات، بوسیدہ خیالات اور فکر و نظر کی پستیوں کا کیا حال تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر کس نوعیت کی باتیں کرتے تھے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی دعوت دین، بھلائی اور خیر خواہی کے کاموں کی تلقین اور بُرے افکار و افعال سے بچنے کی تاکید کے نت نئے پہلو روشن ہوں گے۔ آپ ﷺ نے وفد مزینہ، بنو سعد بن بکر، عبدالقیس، دوس، ثقیف اور دیگر وفود سے جو گفتگو فرمائی، وہ دین حنیف کی تبلیغ و تکمیل اور الوہی نعمتوں کے اتمام سے عبارت تھی۔ اگلے اوراق میں پے در پے وفود کی حاضری اور اس کے ایمان افروز نتائج کی تفصیلات درج ہیں۔



وفود کی مدینہ میں حاضری

غزوۂ فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد وہ زمانہ تھا جب سرزمین حجاز اور اس کے مضافات میں اسلام کا بول بالا تھا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیے گئے وعدے کے مطابق غلبہ عطا فرما دیا تھا۔ لوگ اپنے قبائل سمیت فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے اور پے در پے وفود کی صورت میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 9 ھ کا سال ''عام الوفود'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ وفود کی آمد 5 ھ سے شروع ہو گئی تھی تاہم کثرت سے وفود آنے کا سلسلہ 9 ھ میں شروع ہوا، اس لیے یہی سال مشہور ہو گیا۔

عرب لوگ مسلمان کیوں نہیں ہوتے تھے؟

اسلام قبول کرنے کے معاملے میں تمام اہل عرب کی نظر قریش پر تھی کیونکہ قریش ہی عربوں کے لیڈر، بیت اللہ اور حرم کے متولی اور اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی اولاد تھے۔ قریش ہی نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ فتح مکہ کے بعد جب قریش سرنگوں ہو کر مسلمان ہو گئے تو عربوں نے یقین کر لیا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ کعبہ کے متولیوں کا اسلام قبول کرنا اس بات کی گواہی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آخری نبی کو مبعوث کرنے کا اعلان و وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا ہے، اب ہم رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ نہیں کر سکتے، نہ ان کی دشمنی مول لے سکتے ہیں، چنانچہ کم وبیش تمام عرب قبائل وقفے وقفے سے فوج در فوج اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر سورۂ نصر نازل فرمائی:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ (النصر 110:1-3)

''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے۔ بلاشبہ وہ بڑا توبہ

قبول کرنے والا ہے۔"[1]

صحیح بخاری میں سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جاہلیت میں ہم ایک چشمے کے قریب رہتے تھے۔ یہ عام لوگوں کی گزرگاہ تھی۔ قافلے گزرتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے اور ان کا کیا خیال ہے؟ اس شخص (محمد ﷺ) کا کیا معاملہ ہے؟ قافلے والے ہمیں جواب دیتے کہ وہ شخص (محمد ﷺ) کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف یہ یہ باتیں وحی کی ہیں۔ (وہ قرآن کی کوئی آیت سناتے) میں وہ باتیں یاد کر لیتا تھا۔ یہ باتیں میرے دل کو لگتی تھیں۔ ادھر سارے عرب نے اپنے اسلام کو فتح مکہ تک موقوف کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اس آدمی کو اور اس کی قوم قریش کو لڑنے کے لیے چھوڑ دو۔ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو یہ واقعی سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام عرب نے ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ میرے والد محترم نے بھی اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔ پھر جب وہ (مدینہ سے) واپس آئے تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں ایک سچے نبی ﷺ کے پاس سے آ رہا ہوں......۔[2]

محسن انسانیت ﷺ کے آبِ حیات بخش مکالمات

واقعات وفود سے متعلق روایات میں تعلیم و تربیت، گہری سوجھ بوجھ سے کام لینے، دلوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنے، افراد کو متحد کرنے اور اسلام سے وابستہ رکھنے کے اسوۂ نبوی کے علاوہ فقہ کا گراں قیمت سرمایہ بھی موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں نجی، اجتماعی، اقتصادی، تنظیمی و دفتری، سیاسی و عسکری اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے بہترین اصول و ضوابط موجود ہیں جو انھیں دیگر تمام باتوں سے مستغنی کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔[3]

نبی ﷺ مدینہ آنے والے وفود سے بڑے تپاک سے ملتے، ہر ایک کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے نہایت پُر حکمت اور دلپذیر گفتگو فرماتے۔ آپ ﷺ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ اوصاف و کمالات کا پیکر تھے۔ آنے والے وفود کی رہائش اور خوراک کا بہترین اور معیاری انتظام فرماتے۔ آپ کے انھی کمالات کی بدولت اسلام ان کی رگوں رگوں میں رچ بس جاتا اور وہ سچے موحد اور پکے متبع سنت بن کر لوٹتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان وفود کو بڑی اہمیت دی اور ان کی تعلیم و تربیت کا بے حد خیال رکھا۔ یہ وفود خود بھی اسلام کو سمجھنے، اس کی تعلیمات و احکام جاننے اور انھیں عملی شکل دینے کے آرزو مند تھے۔ انھی اوصاف جمیلہ نے انھیں بے مثال شخصیات بنا دیا۔ ان میں سے اکثر کے حوالے سے

1 البداية والنهاية: 37/5، السيرة لابن هشام: 205/4. 2 صحيح البخاري: 4302. 3 الأساس في السنة للسعيد حوى: 1014/2

ایسے سوالات منقول ہیں جو وہ اپنے مقامی بود و باش کے متعلق مسائل و معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے تھے تاکہ وہ حلال و حرام کو پہچان سکیں۔ رسول گرامی ﷺ بھی ان کی دین میں سمجھ بوجھ کے بے حد خواہش مند تھے۔ ان میں سے جس کے متعلق معلوم ہوتا کہ اسے قرآن پاک سیکھنے کی زیادہ لگن ہے، اسے آپ ﷺ اپنے قریب تر کر لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی فرماتے: ''اپنے بھائی کو (دین) سکھاؤ۔''

جب یہ وفود اپنے علاقوں کو واپس جانے کا ارادہ ظاہر کرتے تو رسول اللہ ﷺ انھیں حق پر ثابت قدم رہنے اور صبر کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین فرماتے، انھیں قیمتی تحائف سے نوازتے اور مساوات کا خیال فرماتے، چنانچہ یہ وفود نور ہدایت سے منور دلوں کے ساتھ لوٹتے۔ جو سیکھا ہوتا، وہ آگے لوگوں کو سکھاتے اور رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور اوصافِ عالیہ کا خوب چرچا کرتے۔ ان میں سے بعض وفود ایسے بھی تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور عیسائیت ہی پر رہنے کو پسند کیا، جیسے نجران کا وفد۔[1]

وفود کی تعداد و روایات

وفود کی تعداد کے بارے میں علمائے سیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے بقول وفود کی کل تعداد ساٹھ ہے جبکہ دیگر کے نزدیک یہ تعداد سو سے بھی زائد ہے۔ ممکن ہے بعض نے صرف مشہور وفود کا تذکرہ کیا ہو جس کی وجہ سے تعداد تھوڑی معلوم ہوتی ہو۔[2]

علمائے سیرت و تاریخ بالخصوص ابن سعد رحمہ اللہ نے وفود کے متعلق کافی معلومات جمع کی ہیں اور ان کی ضروری تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ وفود میں شریک افراد کے حالات اور شرف صحابیت سے مشرف ہونے والوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سیرت نگاروں اور مؤرخین کی اکثر و بیشتر روایات محدثین کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں، تاہم ان وفود کے متعلق خاصی تعداد میں صحیح روایات موجود ہیں۔ کئی وفود کا تذکرہ تو صحیح بخاری میں بھی ہے۔

یاد رہے کہ اس باب میں صرف ان وفود کا تذکرہ ہے جو مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قبل ازیں مکہ مکرمہ میں بھی کچھ وفود آپ سے ملاقات کے لیے آئے تھے، جیسے جنوں کے دو وفد مختلف موقعوں پر نخلہ کے مقام پر آئے اور آپ سے قرآن سن کر ایمان کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ غفار قبیلے سے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح ازدشنوءہ سے ضماد بن ثعلبہ ازدی رضی اللہ عنہ اور دوس قبیلے سے طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں آپ سے ملاقات کی اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں آنے والے ان

1 السيرة النبوية للصلابي :638/3. 2 البداية والنهاية :38,37/5.

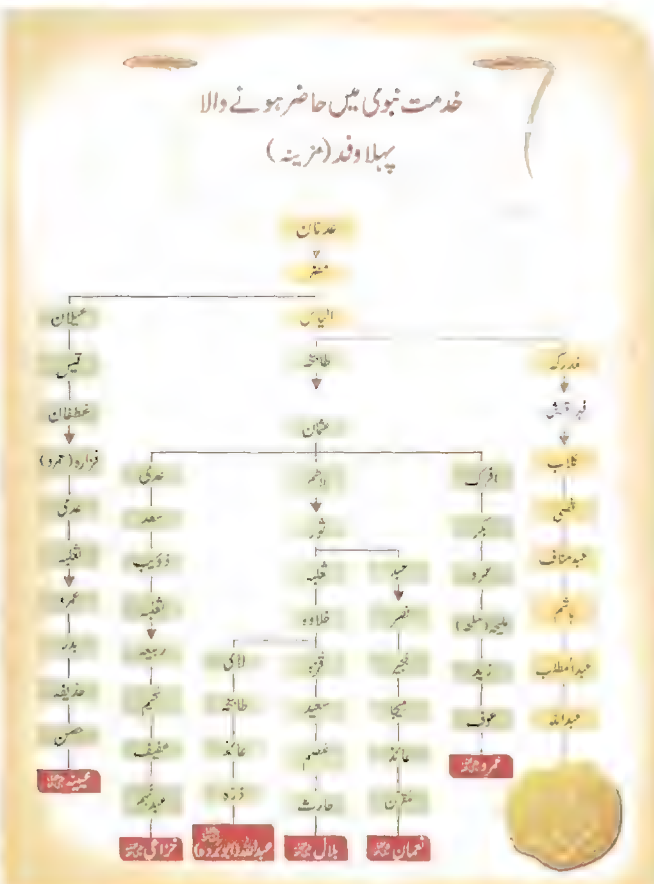
چند وفود کا تذکرہ پہلے اپنے اپنے مقام پر ہو چکا ہے، اس لیے اس باب میں انھیں دہرایا نہیں گیا۔

خدمت نبوی میں حاضر ہونے والا اولین وفد

سب سے پہلا وفد جو رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، وہ مضر قبیلہ کی شاخ مزینہ کا تھا۔ یہ رجب 5 ھ کی بات ہے۔ اس وفد میں کل چار سو افراد تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے علاقے ہی کو ان کے لیے دار ہجرت قرار دے دیا اور فرمایا:

"تم وہاں رہ کر بھی مہاجر ہی ہو (تمھارا مدینہ میں رہنا ضروری نہیں)، لہٰذا تم اپنے مال (وعیال) کے پاس لوٹ جاؤ۔"

چنانچہ یہ سب لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔[1]



ایک دوسری روایت میں ہے کہ مزینہ سے سب سے پہلے آنے والا شخص خزاعی بن عبد نہم تھا۔ یہ اپنی قوم کے دس افراد کے ساتھ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اس نے اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے بابرکت ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے ساتھ آنے والے دس افراد میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: بلال بن حارث، نعمان بن مقرن، ابواسماء، اسامہ، عبیداللہ بن بردہ، عبداللہ بن زرہ، بشر بن محتفز، دکین بن سعید، عمرو بن عوف رضی اللہ عنہم۔

1 السیرۃ لابن کثیر: 78/4.

رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے بعد جب خزاعی بن عبد نہم رضی اللہ عنہ واپس اپنی قوم اور قبیلے کے پاس گئے تو انھیں اپنی توقع کے برعکس پایا۔ (انھیں امید تھی کہ میرے کہنے پر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن وہ نہ ہوئے۔) اس کے باوجود وہ وہیں مقیم رہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

اُذْكُرْ خُزَاعَةَ وَلَا تَهْجُهُ

''اپنے اشعار میں خزاعی (بن عبد نہم) کا ہجو کیے بغیر تذکرہ کرو۔''

چنانچہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

أَلَا أَبْلِغْ خُزَاعِيًّا رَسُولًا　　بِأَنَّ الذَّمَّ يَغْسِلُهُ الْوَفَاءُ

وَ أَنَّكَ خَيْرُ عُثْمَانَ بْنِ عَمْرٍو　　وَأَسْنَاهَا إِذَا ذُكِرَ السَّنَاءُ

بَايَعْتَ الرَّسُولَ وَكَانَ خَيْرًا　　إِلَى خَيْرٍ وَ أَدَّاكَ الثَّرَاءُ

فَمَا يُعْجِزْكَ أَوْ مَا لَا تُطِقْهُ　　مِنَ الْأَشْيَاءِ لَا تَعْجِزْ عَدَاءُ

''خبردار! خزاعی کے پاس قاصد بھیج کر کہلا بھیجو کہ وفاداری ہی مذمت کو دھو سکتی ہے۔ تم عثمان بن عمرو کی اولاد میں سب سے بہتر ہو۔ جب شرف اور بلندی کا تذکرہ کیا جائے تو ان سب میں زیادہ بلند و بالا تم ہی ہو۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی جس میں سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اور تمھیں مال و دولت بھی عطا کیا گیا۔ جو چیز تمھیں عاجز کر دے یا جن باتوں کی تم میں طاقت نہیں ہے، اس سے قوم عداء کو تو عاجز نہیں ہونا چاہیے (کہ وہ اسلام سے محروم ہی رہے)۔''

جب خزاعی رضی اللہ عنہ تک یہ اشعار پہنچے تو انھوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور کہا: اس شخص (محمد ﷺ) کے شاعر نے خاص طور پر تمھارے لیے اشعار کہے ہیں، لہٰذا میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ تم میری بات مان کر مسلمان ہو جاؤ۔ قوم نے کہا: ''ہم آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔'' چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن مزینہ کا جھنڈا خزاعی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اس دن یہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ خزاعی بن عبد نہم، عبداللہ ذوالبجادین اور ابوعبداللہ مغفل بن مغفل کے بھائی تھے۔[1]

سیدنا نعمان بن مُقرِّن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: 400 افراد پر مشتمل مزینہ قبیلے کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس

1 الطبقات لابن سعد: 292,291/1، البدایہ والنہایہ: 38/5، الإصابة: 238,237/2.

میں حاضر ہوا۔ میں بھی اس وفد میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بعض اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ جب ہم واپس جانے لگے تو وفد میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔ رحمت کائنات ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: "زَوِّدْهُمْ" "انھیں کچھ زادِ راہ مہیا کرو۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب سے گزارش کی کہ میرے پاس بہت ہی کم کھجوریں ہیں جو ان سب لوگوں کے لیے ناکافی ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: "اِنْطَلِقْ فَزَوِّدْهُمْ" "بس تم جاؤ اور انھیں زادِ راہ دے دو۔" سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمیں لے کر اپنے گھر چل دیے اور ہمارے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجوروں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ کھجوروں کا رنگ خاکستری سیاہی مائل تھا جیسے اونٹ کا رنگ ہوتا ہے۔ تمام افراد نے وہاں سے حسب ضرورت کھجوریں لے لیں۔ فرماتے ہیں: میں سب سے آخر میں تھا۔ میں نے یوں محسوس کیا گویا کسی نے اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی نہیں لی، حالانکہ 400 افراد نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق کھجوریں لے لی تھیں۔[1] یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔

یاد رہے کہ سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اپنے دیگر 7 بھائیوں کے ساتھ ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ 5ھ کے وفد میں ان کی شمولیت کا مقصد اسلام لانا نہیں تھا کیونکہ وہ تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ اس وفد کے ساتھ محض اپنی قوم کا تعارف کرانے کے لیے تشریف لائے تھے۔[2] واللہ اعلم۔

وفد بنو تمیم

وفد بنو تمیم کے متعلق جاننے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بنو تمیم کی فضیلت و منقبت پڑھ لیجیے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بنو تمیم کے متعلق تین باتیں سنی ہیں، میں ان سے بہت محبت کرنے لگا ہوں۔

1 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"هُمْ أَشَدُّ أُمَّتِي عَلَى الدَّجَّالِ"

"بنو تمیم میری امت میں سے سب سے بڑھ کر دجال پر سخت ہیں۔"

2 جب بنو تمیم کی طرف سے صدقات آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

1 مسند أحمد: 445/5، دلائل النبوة للبيهقي: 366/5. 2 أسد الغابة: 244/4.

"یہ ہماری اپنی قوم کے صدقات ہیں۔"

3 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بنوتمیم کی ایک لونڈی تھی، آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"عائشہ! اس لونڈی کو آزاد کردو، کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد سے ہے۔"[1]



رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جتنے بھی وفود حاضر ہوئے، ان میں عقیدت و احترام کا جذبہ بہت نمایاں تھا۔ وہ عجز و انکسار کا نمونہ تھے، تکبر و غرور نام کی کوئی چیز ان میں نہ تھی۔ ہر چند وفد بنوتمیم بھی اسلام قبول کرنے کی نیت سے پیش خدمت ہوا تھا لیکن اس وفد کے آنے کا انداز فاخرانہ تھا۔ ان کے ذہنوں میں ابھی فخر و غرور سمایا ہوا تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے گفتگو کے بعد ان کی یہ قباحت دور ہوگئی اور وفد میں شریک تمام افراد حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ واقعے کی تفصیل درج ذیل ہے:

بنوتمیم کا وفد فتح مکہ، غزوۂ حنین اور طائف کے بعد آیا۔ اس وفد میں بنوتمیم کے بڑے بڑے سردار شامل تھے، مثلاً: اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم، حُتات بن یزید، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، قیس بن عاصم، عیینہ بن حصن فزاری اور عطارد بن حاجب۔ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن اس سے پہلے فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کا شرف حاصل کرچکے تھے۔[2] بنوتمیم کے وفد کی تفصیلات سیرت انسائیکلو پیڈیا: 9/397، 402 میں گزر چکی ہیں۔

1 صحیح المخاري: 2543 و 4366، صحیح مسلم: 2525۔ 2 السیرۃ لابن هشام: 4/207،206، الاسیعاب، ص: 215

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کی نظر وفد میں موجود قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا: «هٰذَا سَيِّدُ أَهْلِ الْوَبَرِ» ''یہ ہیں اہلِ دیہات کے سردار۔''[1]

رسول اللہ ﷺ جس خوش نصیب کو بھی منتخب فرماتے تھے، وہ یقیناً غیر معمولی صفات کا حامل ہوتا تھا۔ سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ بڑے سمجھدار، بردبار اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ ہم آپ کی خدمت میں ان کی بردباری، متانت، سنجیدگی اور عقلمندی کے ایک دو واقعات بیان کرتے ہیں جن سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ قیس رضی اللہ عنہ کیسے کیسے اوصاف جمیلہ کے مالک تھے۔

احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ آپ نے بردباری کس سے سیکھی؟ انھوں نے جواب دیا: قیس بن عاصم سے۔ میں نے قیس بن عاصم کو دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے صحن میں تلوار کی حمائل (پیٹی) کے ساتھ آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ محو گفتگو تھے۔

اسی دوران میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، اس کے ساتھ ایک مقتول کی لاش بھی لائی گئی۔ قیس کو بتایا گیا کہ تمھارے بھتیجے نے تمھارے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ احنف بن قیس کہتے ہیں: اللہ کی قسم! قیس اسی طرح آلتی پالتی مارے بیٹھے رہے۔ انھوں نے اپنا سلسلۂ کلام بھی قطع نہیں کیا۔ جب قوم کے ساتھ ان کی بات پوری ہوگئی تو وہ اپنے بھتیجے کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''میرے بھتیجے! تو نے نہایت گھناؤنا کام کیا، اپنے رب کا گناہگار بنا، قطع رحمی کی اور اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا۔ تو نے اپنے تیر سے اپنی ہی جان کو ہلاک کیا، یوں تو نے اپنی ہی تعداد گھٹا لی ہے۔''

پھر اپنے دوسرے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا:

''اے میرے بیٹے! اپنے چچا زاد کے پاس جاؤ اور اس کی رسیاں کھول دو۔ اپنے بھائی کو دفن کر دو اور اپنی ماں کو اس کے بیٹے کے عوض سو اونٹ دیت میں دے دو کیونکہ وہ نہایت غریب ہے۔''

اس واقعے سے قیس کی بردباری، متانت اور حوصلہ مندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ پر زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب حرام کر رکھی تھی۔ جب قیس رضی اللہ عنہ کا وقت وفات قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے پیارے بیٹو! میری چند نصیحتیں پلے باندھ لو۔ مجھ سے بڑھ کر تمھارا اور کوئی خیر خواہ نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو اپنے بڑوں کو اپنا سردار بنانا، کہیں چھوٹوں کو نہ بنا دینا کہ لوگ تمھارے بڑوں کو بیوقوف سمجھنے

[1] المستدرك للحاكم: 611/3، الأدب المفرد، حديث: 953.

لگیں۔ اپنے مال کی اصلاح کرتے رہنا (حرام شامل نہ ہونے دینا اور اپنا سرمایہ اچھے کاموں میں خرچ کرنا)۔ یہی مال ایک شریف انسان کی نیک نامی کا باعث بنتا ہے اور اسی سے کمینے آدمی سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچنا۔ یہ کمائی کا بے حد گھٹیا طریقہ ہے۔ میری موت پر کسی نوحہ کرنے والی کو ہرگز مت بلانا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک سنا ہے کہ آپ ﷺ نے نوحہ سے منع فرمایا تھا۔"

قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کی انھی خوبیوں کی بنا پر عبدہ بن طبیب نے ان کی وفات پر انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے چند اشعار کہے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكَ وَاحِدٍ　　وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

"قیس کی ہلاکت ایک فرد کی ہلاکت نہیں تھی، بلکہ وہ تو پوری قوم کی ایک عمارت تھے جو اب منہدم ہوگئی ہے۔"[1]

وفد عبدالقیس

عبدالقیس بحرین کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ دو مرتبہ وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی دفعہ فتح مکہ سے قبل 4 یا 5 ہجری میں اور دوسری مرتبہ عام الوفود کے موقع پر 9ھ میں۔ پہلی مرتبہ آنے کا سبب درج ذیل ہے:

منقذ بن حبان نامی ایک تاجر اکثر تجارت کی غرض سے مدینہ آتا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے اسے راستے میں بیٹھا ہوا دیکھا تو دریافت فرمایا:

«أَمُنْقِذُ بْنَ حَبَّانَ كَيْفَ جَمِيعُ هَيْئَتِكَ وَقَوْمِكَ؟»

"منقذ! تم کیسے ہو اور تمھاری قوم کا کیا حال ہے؟"

رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرداً فرداً اس کے بڑے بڑے سرداروں کے نام لے کر ان کے احوال دریافت فرمائے۔ آپ ﷺ کی تبلیغ سے منقذ بن حبان نے اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ علق سیکھ کر حفظ کر لی اور اپنے علاقے ہجر (بحرین) کی طرف واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ ﷺ نے ان

1 أسد الغابة: 3/502-504، الاستيعاب، ص: 617،618

نے قبیلہ عبدالقیس کی طرف ایک دعوتی خط ارسال فرمایا۔ منقذ رضی اللہ عنہ خط لے کر روانہ ہوئے اور وہاں جا کر کئی دنوں تک خط کو چھپائے رکھا۔ ایک دن ان کی بیوی کو اس خط کا علم ہو گیا۔ یہ خاتون اشج عبدالقیس (منذر بن عائذ) کی بیٹی تھی اور منقذ اشج کا بھانجا تھا۔ (اشج زخم کے نشان کو کہتے ہیں۔ منذر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم کا نشان تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ''اشج'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔) اس خاتون نے خط کے بارے میں اپنے والد کو بتا دیا۔ منقذ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں نماز بھی پڑھتے تھے اور تلاوت بھی کرتے تھے۔ اس عورت نے اپنے والد سے کہا: جب سے منقذ یثرب (مدینہ) سے واپس آئے ہیں، ان میں بہت بڑی تبدیلی آ گئی ہے۔ یہ اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرہ وغیرہ دھوتے ہیں، ایک مخصوص جہت، یعنی قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی پیٹھ جھکاتے ہیں تو کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ جب سے واپس آئے ہیں، ان کا یہی معمول ہے۔



اشج منقذ رضی اللہ عنہ سے ملے اور صورت حال دریافت کی تو ان کے دل میں بھی قبول اسلام کی تڑپ پیدا ہوگئی، چنانچہ اشج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک مراسلہ قوم کے سامنے لائے اور اسے پڑھ کر سنایا تو ان لوگوں کے دلوں میں بھی اسلام گھر کرنے لگا اور انھیں اسلام قبول کرنے کی تمنا دامن گیر ہوگئی۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس خط میں یہ ارشاد بھی درج تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کے 20 افراد میرے پاس حاضر ہو جائیں۔

وفد عبدالقیس کی مدینہ آمد

مذکورہ نامۂ مبارک کی وجہ سے قبیلہ عبدالقیس کا 20 افراد پر مشتمل ایک وفد اپنے علاقے سے حرمت والے مہینے میں مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بعض روایات میں 13 یا 14 کی تعداد کا تذکرہ بھی ہے۔ وفد میں شریک افراد کے نام یہ ہیں: 1 اشج منذر بن عائذ 2 منقذ بن حبان 3 مزیدہ بن مالک 4 عمرو بن رحوم 5 حارث بن شعیب 6 عبیدہ بن ہمام 7 حارث بن جندب 8 صحار بن عباس 9 عقبہ بن جروہ 10 قیس بن نعمان

11 جہم بن قثم 12 جویریہ عبدی 13 رستم عبدی 14 زراع بن عامر 15 جارود بن عمرو معلی 16 وازع رضی اللہ عنہم ۔[1]

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محو گفتگو تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ابھی تمھارے پاس ایک قافلہ آئے گا۔ اس قافلے کے لوگ اہل مشرق کے سب سے بہترین لوگ ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے اور اس طرف روانہ ہوگئے جہاں سے وہ قافلہ آنے والا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو 13 سوار ملے۔ آپ نے ان سے پوچھا: آپ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم بنو عبدالقیس ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: کیا آپ یہاں تجارت کی غرض سے تشریف لائے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے آپ لوگوں کا ابھی ابھی ذکر خیر فرمایا تھا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وفد سے کہا:

''یہ ہیں وہ شخصیت جن سے تم ملنے آئے ہو۔'' چنانچہ وہ لوگ جھٹ پٹ اپنی سواریوں سے اترے اور بے تابی سے بھاگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے مبارک ہاتھ چومنے لگے۔ . . .[2]

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وفد عبدالقیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: [illegible] ''یہ کون لوگ ہیں؟'' یا فرمایا: ''یہ کن لوگوں کا وفد ہے؟''

انھوں نے عرض کی: ''ہم بنو ربیعہ ہیں (ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بنو عبدالقیس کا جد امجد ہے)۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''آپ لوگوں کو خوش آمدید! جو کسی ذلت و رسوائی اور شرمندگی کے بغیر (خود) آئے ہیں۔''

نبی ﷺ کا انھیں خوش آمدید کہنا اس بنا پر تھا کہ یہ لوگ اپنی خوشی سے اطاعت و فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوئے تھے، انھیں قیدی بنا کر نہیں لایا گیا تھا کہ جس سے یہ ذلت و ندامت سے دوچار ہوتے۔

وفد نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینے ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا مضر قبیلہ آباد ہے (بنو مضر کے جد امجد مُضر بن نزار تھے)۔ آپ ہمیں فیصلہ کن بات بتا دیں جس کی خبر ہم اپنے پسماندگان کو بھی دے دیں اور جنت میں داخل ہو سکیں۔''

[1] شرح الزرقاني: 5/139,138، البداية والنهاية: 5/44. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 5/327.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں کی ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ نے انھیں صرف اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحْدَهُ؟» ''کیا تم جانتے ہو کہ اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟''

انھوں نے عرض کی: ''اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ»

''یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز ادا کرنا، زکاۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) ادا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں کدو کے برتن، تارکول چڑھے برتن، روغنی مٹکے یا لکڑی کے بنے ہوئے برتن استعمال کرنے سے منع کیا اور فرمایا: «احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ» ''یہ باتیں اچھی طرح یاد رکھو اور ان لوگوں کو بھی بتا دو جو تمھارے پیچھے ہیں۔''[1]

اشج عبدالقیس کی امتیازی خوبیاں

قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات کے لیے آیا تو ان لوگوں کی محبت و عقیدت کا عالم یہ تھا کہ جیسے ہی ان لوگوں نے آفتاب عالم تاب (ﷺ) کی جھلک دیکھی، وہ ایک دم اپنے اونٹوں اور دوسری سواریوں سے کود پڑے۔ کوئی تیز چل کر آیا تو کوئی دوڑ کر۔ پھر یہ سب لوگ سرکار دو عالم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگے۔

اسی وفد میں اشج منذر بن عائذ بھی تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے تمام اونٹوں کو باندھا، سارا سامان ایک جگہ لگایا۔ اس کے بعد اپنے دھلے ہوئے کپڑے زیب تن کیے، بعد ازاں بارگاہ رسالت میں دست بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ ان کا یہ طرز عمل رسول اللہ ﷺ کو بہت بھایا، آپ ﷺ نے ان کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

''تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنھیں اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں: بردباری اور وقار و سنجیدگی۔''

1 صحیح البخاري: 53، 87.

اشج رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”کیا وہ میری فطرت میں ہیں یا میں نے وہ ازخود اختیار کی ہیں؟“ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بل جبلك الله عليهما» ”(ازخود نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا ہی اسی طرح کیا ہے۔“

یہ سن کر اشج رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”تمام قسم کی تعریفات اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص ہیں جس نے مجھے ایسی دو صفات پر پیدا کیا ہے جنھیں وہ خود اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں۔“ [1]

وازع رضی اللہ عنہ کے ماموں کی شفایابی

اسی دوران میں وفد میں موجود ایک صحابی وازع رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ساتھ میرے ماموں آئے ہیں، انھیں جنوں کے غلبے (آسیب) کی شکایت ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے اس مصیبت سے نجات کی دعا فرما دیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «أين هم؟ ائتوني بهم» ”وہ کہاں ہیں؟ انھیں میرے پاس لائیے۔“

وازع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے اسی طرح کیا جس طرح اشج رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ میں نے اپنے ماموں کو دھلے ہوئے کپڑے پہنائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی اوپر والی چادر پیچھے سے اس قدر اٹھائی کہ ہمیں ان کی بغلوں کی سفیدی نظر آئی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی کمر پر ضرب لگائی اور فرمایا:

«اخرج عدو الله» ”نکل، اللہ کے دشمن!“

پھر جونہی میرے ماموں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا تو وہ بالکل ٹھیک ہو چکے تھے اور ایک نارمل آدمی کی طرح دیکھ رہے تھے۔ [2]

جارود کا سبق آموز واقعہ

مذکورہ وفد میں جارود نامی ایک عیسائی شخص بھی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گفتگو کا تبادلہ ہوا تو آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میں ایک دین پر قائم ہوں اور اب میں آپ کے دین کی خاطر اپنے دین کو چھوڑ رہا ہوں تو کیا آپ مجھے میرے نئے دین کے اچھے ہونے کی ضمانت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نعم، انا ضامن ان قد هداك الله الى ما هو خير منه»

1 سنن أبي داود: 5225. 2 مسند أحمد: 455/5، السيرة لابن كثير: 115/7، مجمع الزوائد: 1195/2.

''ہاں، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے پہلے دین کے مقابلے میں اب ایک بہتر دین کی ہدایت دی ہے۔''

چنانچہ جارود اور ان کے ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپ ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ مانگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ» ''اللہ کی قسم! میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کوئی سواری کے جانور موجود نہیں ہیں۔''

انھوں نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے شہروں کے درمیان لوگوں کے گم شدہ اونٹ پھر رہے ہوتے ہیں، کیا ہم ان پر سوار ہو کر اپنے شہروں اور علاقوں کو جا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، إِيَّاكَ وَإِيَّاهَا، فَإِنَّمَا تِلْكَ حَرْقُ النَّارِ»

''نہیں، اپنے آپ کو ان سے بہت دور رکھنا کیونکہ ایسا کرنا آگ میں جلنے کے مترادف ہے۔''

جارود رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ساتھ واپس اپنے علاقے میں تشریف لے آئے۔ وہ اپنے دین اور ایمان میں بہت مضبوط تھے اور آخری دم تک ایک اچھے مسلمان کی طرح اسلام پر کاربند رہے۔ انھوں نے زمانۂ ارتداد بھی پایا۔ چنانچہ جب ان کی قوم کے لوگ غرور[1] بن منذر بن نعمان کے ساتھ اسلام سے مرتد ہو گئے تو جارود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حق کی گواہی دینے کے بعد اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور جو یہ گواہی نہیں دیتا، وہ کافر ہے۔''[2]

وفد عبدالقیس مدینہ میں رملہ بنت حارث کے گھر قیام پذیر رہا۔ یہ لوگ کل دس دن مدینہ میں رہے، ان کی خوب ضیافت کی جاتی رہی۔ اشج رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن اور حدیث کا علم سیکھتے رہے۔ جب یہ لوگ جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے تحفے اور عطیات دینے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اشج رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ نوازا۔ انھیں 12 سے کچھ زائد اوقیے چاندی عطا فرمائی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے منقذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنے مبارک ہاتھ بھی پھیرے۔

یاد رہے کہ طبقات ابن سعد میں اشج رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ ذکر کیا گیا ہے[3] لیکن صحیح اور مشہور بات وہی ہے جو ہم

1 غرور کا اصل نام منذر تھا۔ غرور کا مطلب دھوکے باز ہے۔ اس نے اپنی قوم کو ارتداد کی جنگ کے وقت دھوکا دیا تھا، اس لیے اس کا نام غرور پڑ گیا۔ 2 البداية والنهاية: 44/5، السيرة لابن هشام: 222,221/4. 3 الطبقات لابن سعد: 315,314/1.

بیان کر چکے ہیں کہ ان کا نام منذر بن عائذ تھا۔ اسی طرح بعض روایات میں آیا ہے کہ اشج رضی اللہ عنہ وفد میں سب سے بڑے تھے جبکہ دیگر روایات میں ہے کہ آپ قوم میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ آپ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بڑے اور عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹے تھے۔[1]

مذکورہ واقعات قبیلہ عبدالقیس کے پہلے وفد کے ہیں جو فتح مکہ سے قبل 4 یا 5 ھ میں مدینہ آیا تھا کیونکہ انھوں نے آکر کہا تھا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا مضر قبیلہ ہے اور ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینے ہی میں آسکتے ہیں۔ اور اس قسم کے خطرات 4 یا 5 ھ میں ہوا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد یہ قبیلے مغلوب ہو گئے تھے، اس لیے خطرات بھی کم ہو گئے تھے۔ اس وفد میں تقریباً 13 یا 14 افراد تھے۔

قبیلہ عبدالقیس کا دوسرا وفد

یہ عبدالقیس کا دوسرا وفد اس سال حاضر خدمت ہوا جب اطراف مکہ سے یکے بعد دیگرے وفود در وفود رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وفد میں کل 40 افراد تھے۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے دیکھ کر دریافت فرمایا:

''کیا ہوا؟ آپ لوگوں کے چہروں کی رنگت بدلی ہوئی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ مسجد نبوی کے علاوہ جس مسجد میں پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی، وہ بحرین میں جواثا کے مقام پر مسجد عبدالقیس ہے۔ جب پہلی مرتبہ وفد عبدالقیس واپس گیا تو انھوں نے وہاں نماز جمعہ کا اہتمام کیا تھا۔

1 شرح الزرقاني على المواهب 139/5



مسجد جواثا کی تعمیر نو (ہفوف)

بعض لوگوں نے اسے ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے اور وفد میں موجود افراد کی تعداد میں جو 13 اور 40 کا بڑا فرق ہے، اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ 13 افراد سرکردہ تھے، یہی وجہ ہے کہ یہ سوار تھے اور باقی 27 افراد عام لوگ تھے۔ واللہ اعلم۔[1]

وفد بنو حنیفہ

وفد بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی معیت اور سرکردگی میں 9 ھ میں مدینہ منورہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ مسیلمہ کذاب بڑا فسادی اور فتنہ پرور شخص تھا۔ اس وفد نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کرلیا، البتہ مسیلمہ کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل وفد اسے اپنے ساتھ لائے تھے اور اس نے آپ ﷺ سے گفتگو بھی کی تھی، جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ اہل وفد اسے اپنے سامان کے پاس نگرانی کے لیے بٹھا کر آئے تھے۔ رہی یہ بات کہ مسیلمہ کذاب نے اسلام قبول کیا تھا یا نہیں، تو کسی روایت میں اس کے اسلام قبول کرنے کی صراحت نہیں ہے۔

مسیلمہ کذاب سے متعلق روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

مسیلمہ کذاب کی آمد اور اس کی شرط

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسیلمہ کذاب اپنی قوم کے بہت سارے لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرنے کے لیے اپنی شرط لگاتے ہوئے کہنے لگا: ''اے محمد (ﷺ)! آپ اپنے بعد حکومت میرے حوالے کرنے کا وعدہ کریں تو میں آپ کی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔''

نبی اکرم ﷺ مسیلمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ خطیب سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لو سألتني هذه القطعة ما أعطيتكها، ولن تعدو أمر الله فيك، ولئن أدبرت ليعقرنك الله، وإني لأراك الذي أريت فيك ما رأيت»

''اگر تو مجھ سے کھجور کی چھڑی کا یہ ٹکڑا بھی مانگے گا تو میں تجھے نہیں دوں گا (خلافت تو بہت دور کی بات ہے) اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کو تو ٹال نہیں سکتا۔ اگر تو (اسلام سے) منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے تباہ و برباد کردے گا۔ اور میرا خیال ہے تو وہی شخص ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔''[2]

1 شرح الزرقاني: 142/5. 2 صحيح البخاري: 3620.

پھر آپ ﷺ یہ فرما کر واپس تشریف لے گئے کہ اب تجھے میری طرف سے ثابت بن قیس جواب دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا خواب

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوہریرہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے خواب کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ ان سے مجھے بڑی فکر ہوئی۔ پھر خواب ہی میں مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ میں ان پر پھونک ماروں، چنانچہ جب میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے ان کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے۔''

جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا تھا، ویسا ہی ہوا۔ آپ ﷺ کے خواب کے مطابق مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے۔[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنوحنیفہ کا وفد آیا۔ اس وفد میں 12 سے بیس تک کی تعداد میں افراد موجود تھے۔ ان میں سے کچھ افراد کے نام یہ ہیں: 1 رَحّال (رجال) اس کا نام نہار بن عُنفُوہ ہے 2 سلمٰی بن حنظلہ سُحیمی 3 طلق بن علی بن قیس 4 حُمران بن جابر 5 علی بن سنان 6 اَقعس بن مسلمہ 7 زید بن عبد عمرو 8 مسیلمہ بن حبیب۔

وفد کا امیر سلمٰی بن حنظلہ تھا۔ اس وفد کو رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا گیا اور وہیں ان کی خوب ضیافت کی گئی۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ یہ لوگ مسیلمہ کو اپنے سامان اور سواریوں کے پاس چھوڑ کر آئے تھے۔ وہ مسلسل کئی دن تک نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اس دوران رحال بن عنفوہ سیدنا ابی بن کعب ؓ سے [illegible] پاک سیکھتا رہا۔ جب یہ لوگ واپس اپنے علاقوں کو جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول ارکانِ وفد کے لیے تحفوں اور عطیات کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ہر آدمی کو پانچ اوقیہ چاندی دینے کا حکم دیا۔ اسی دوران ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ساز و سامان اور سواریوں کی حفاظت کے لیے اپنا ایک آدمی پیچھے چھوڑ آئے

1 صحیح البخاری: 3621

ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی (مسیلمہ) کے لیے بھی دوسرے لوگوں کی طرح عطیہ دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا:

[illegible]

''تمھاری سواریوں اور سامان کی حفاظت کرنے کی وجہ سے وہ کوئی تم سے کمتر نہیں۔''

مسیلمہ کو یہ بات بتائی گئی تو اس کم ظرف نے اتراتے ہوئے کہا: ''اسے (محمد ﷺ کو) پتا چل گیا ہے کہ اس کے بعد (حکومت کی باگ ڈور کا) معاملہ میرے ہاتھ میں آجائے گا۔''

جب وہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک برتن عطا فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إذا قدمتم بلدكم فاكسروا بيعتكم وانضحوا مكانها بهذا الماء واتخذوا مكانها مسجدا»

''جب تم اپنے شہر پہنچ جاؤ تو اپنا گرجا گھر توڑ دینا، اس جگہ یہ پانی چھڑکنا اور پھر اسی جگہ مسجد تعمیر کر لینا۔''

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ بعد میں وہ برتن اقعس بن مسلمہ کے پاس رہا۔ طلق بن علی کو مؤذن مقرر کیا گیا۔ جب انھوں نے اذان کہی تو گرجا گھر کا راہب اذان کی مقدس آواز سنتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ بھاگتا جاتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا تھا: ''یہ کلمۂ حق ہے۔ یہ سچی دعوت ہے۔'' اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے اپنی جعلی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور رحال بن عنفوہ نے یہ جھوٹی گواہی بھی دے دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ یوں اس کذاب نے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا۔[1]

درج بالا دونوں روایتوں میں صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسیلمہ سے بات چیت ہوئی تھی اور مسیلمہ نے آپ ﷺ کے بعد اپنے لیے خلافت کا مطالبہ بھی کیا تھا۔

رحال بن عنفوہ کا انجام

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بنوحنیفہ کے وفد میں رحال (نہار) بن عنفوہ نامی ایک شخص تھا۔ مدینہ میں قیام کے دوران یہ شخص سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن کی آیات سیکھتا رہا۔

ایک مرتبہ یہ شخص سیدنا ابوہریرہ اور فرات بن حیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ رسول اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

1 الطبقات لابن سعد: 1/316، 317.

”تم میں سے ایک شخص کی ڈاڑھ جہنم میں احد پہاڑ جیسی ہوگی۔“

یہ فرمان رسول ﷺ سن کر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا فرات بن حیان رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگے یہاں تک کہ رحال مسیلمہ کے ساتھ مرتد ہوگیا۔ اس نے یہ جھوٹی گواہی بھی دی کہ رسول اکرم ﷺ نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کرلیا ہے۔ رحال نے جو قرآن سیکھا تھا، اس میں سے کچھ اس نے مسیلمہ کو بھی سکھا دیا، چنانچہ مسیلمہ نے اسی محدود قرآن کو بنیاد بنا کر یہ دعویٰ کر دیا کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ یوں اس نے بنوحنیفہ کے لوگوں کو فتنے میں ڈالا۔[1]

مسیلمہ کذاب کی یاوہ گوئیاں

مسیلمہ کذاب جب واپس اپنے علاقے یمامہ میں پہنچا تو اسے ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ وفد میں شریک تھے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد دلاتے ہوئے کہا: جب تم لوگوں نے اس (محمد ﷺ) کے سامنے میرا تذکرہ کیا تھا تو کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا: ”خبردار! وہ (مسیلمہ) مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تم سے برا نہیں ہے۔“ یہ بات اس نے اس لیے کی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ میں اس کے ساتھ (حکومت و نبوت کے) معاملے میں شریک کر دیا گیا ہوں۔



قصبہ یمامہ کا ایک منظر

اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کو سہارا دینے کے لیے جھوٹا قرآن گھڑنا شروع کیا۔ اس ملعون نے کہا کہ مجھ پر یہ آیات نازل ہوئی ہیں:

لقد انعم الله على الحبلى، اخرج منها نسمة تسعى، من بين صفاق وحشى

”اللہ نے حاملہ پر اپنا انعام فرمایا کہ اس کی آنتوں اور کھال کے درمیان سے ایک چلنے پھرنے والی جان پیدا کی۔“

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں: ایک شخص سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ خبر دی کہ میں بنوحنیفہ کی بعض مساجد کے پاس سے گزرا ہوں، وہ ایسے کلام کی تلاوت کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل نہیں کیا۔ وہ یہ الفاظ پڑھ رہے تھے:

1 البداية والنهاية 47/5

وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا، وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، وَالْخَابِزَاتِ خَبْزًا، وَالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا، وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا

"(گندم) پیسنے والیوں کی قسم! آٹا گوندھنے والیوں کی قسم! روٹی پکانے والیوں کی قسم! ثرید بنانے والیوں کی قسم! لقمہ نگلنے والیوں کی قسم!" [1]

واہیات اور بے معنی کلام

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں بنوحنیفہ کا وفد ان کے پاس آیا۔ آپ ؓ نے انھیں مسیلمہ کا کلام سنانے کو کہا۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ نہ ہی سنیں تو بہتر ہے۔ آپ ؓ نے فرمایا: نہیں، ضرور سناؤ۔ چنانچہ انھوں نے مسیلمہ کذاب کا یہ رکیک کلام سنایا:

يَا ضِفْدَعُ بِنْتَ ضِفْدَعَيْنِ، نَقِّي مَا تَنُقِّينَ، لَا الْمَاءَ تُكَدِّرِينَ وَلَا الشَّارِبَ تَمْنَعِينَ، رَأْسُكِ فِي الْمَاءِ وَذَنَبُكِ فِي الطِّينِ.

"اے دو مینڈکوں کی بچی مینڈکی! تو صاف کر، کتنا تو صاف کر سکے گی؟ تو پانی کو گدلا نہیں کرتی اور نہ پانی پینے والے کو روکتی ہے۔ تیرا سر پانی میں اور تیری دُم مٹی میں ہے۔"

اسی طرح وہ کہتا تھا کہ مجھ پر یہ کلام بھی بذریعہ وحی نازل ہوا ہے:

اَلْفِيلُ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْفِيلُ، لَهُ زَلُّومٌ طَوِيلٌ.

"ہاتھی، اور تمھیں کیا معلوم ہاتھی کیا ہے؟ اس کی سونڈ لمبی ہوتی ہے۔" [2]

سیدنا عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: ان دنوں تمھارے ساتھی (محمد ﷺ) پر کیا نازل ہوا ہے؟ میں نے کہا: ان پر ایک بڑی فصیح و بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ مسیلمہ نے کہا: وہ کون سی سورت ہے؟ میں نے اسے یہ سورتِ مقدسہ سنا دی:

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔"

1 البداية والنهاية: 5/46، 47، السيرة لابن هشام: 4/223. 2 البداية والنهاية: 6/331

سیدنا عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں، مسیلمہ نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد کہا: مجھ پر بھی اس طرح کی ایک سورت نازل کی گئی ہے۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ مسیلمہ نے جواب دیا

يَا وَبْرُ يَا وَبْرُ إِنَّمَا أَنْتَ أُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُكَ حَقْرٌ نَقْرٌ

''اے وبر! (نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا ایک جانور) اے وبر! تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے اور باقی تیرا سارا جسم حقیر، بے ہنگم اور بے ڈول ہے۔''

پھر اس نے پوچھا: عمرو! اس کلام کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

عمرو ؓ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! تو میرے بارے میں خوب جانتا ہے کہ مجھے یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ تو ایک جھوٹ بولنے والا آدمی ہے۔''[1]

اسی طرح اس نے ایک اور بھی ایسا ہی گھٹیا، بے ہودہ اور بے معنی کلام گھڑا جسے سن کر بچے بھی ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ اسی لیے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے بنو حنیفہ کے وفد سے فرمایا تھا: ''تمھاری عقلیں کہاں گھاس چرنے چلی گئی تھیں کہ تم نے اس بے ہودہ کلام کو ایک برحق کلام سمجھ لیا؟ اللہ کی قسم! یہ ہرگز کسی سمجھدار آدمی کا کلام نہیں ہو سکتا۔''[2]

مسیلمہ کذاب کی خرافات

مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا اعلان کرنے کے بعد بہت سی خرافات اور شعبدہ بازیوں کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنی ناپاک شریعت جاری کی جس کے تحت شراب اور زنا کو حلال قرار دے دیا اور نماز کی فرضیت بھی ختم کر دی۔ وہ اپنے آپ کو رحمٰن الیمامہ کے نام سے موسوم کرتا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے جادو ٹونے اور نظر بندی کے ٹونے ٹوٹکے بھی سیکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ شیشی میں انڈہ اس طرح ڈال دیتا تھا کہ انڈہ ٹوٹتا نہیں تھا۔ اسی طرح وہ پرندے کے پر توڑ کر انھیں پھر سے جوڑ دیتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ پہاڑ سے ایک ہرنی اس کے پاس آتی ہے اور وہ اس کا دودھ دوہتا ہے۔

مسیلمہ کذاب کو کسی نے بتایا کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کنویں میں اپنا مبارک لعاب ڈالتے ہیں تو وہ پانی سے بھر جاتا ہے، چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا۔ جب اس نے کنویں میں تھوکا تو وہ پانی سے بھرنے کے بجائے بالکل ہی خشک ہو گیا۔ ایک اور کنویں میں تھوکا تو اس کا پانی کڑوا زہر ہو گیا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے وضو کا پانی کھجور

1 تفسیر ابن کثیر، العصر: 103 (بتحقیق الشیخ [illegible])، البدایہ والنہایہ: 6/330، 331، جامع العلوم والحکم لابن رجب: 1/285. 2 البدایۃ والنہایۃ: 6/331، تفسیر ابن کثیر، التکویر: 26:81

نے ایک درخت کی جڑ میں پھینکا تو پورا درخت یکدم سوکھ گیا۔ اس کے پاس برکت حاصل کرنے کے لیے بچوں کو لایا گیا۔ اس نے ان کے سروں پر اپنا منحوس ہاتھ پھیرا تو ان میں سے کچھ بچوں کے بال کلی طور پر جھڑ گئے اور کچھ کی زبان توتلی ہو گئی۔ ایک دفعہ اس کے پاس آشوب چشم میں مبتلا ایک شخص کو لایا گیا۔ مسیلمہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ بالکل اندھا ہو گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے نام مسیلمہ کذاب کا خط

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کے لیے زنا اور شراب کو حلال قرار دے دیا اور دیگر خرافات کے ذریعے اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، یوں یہ لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کی قوم نے اس کی اتنی قدر و منزلت کی کہ وہ بھی اسے یمامہ کا رحمٰن کہنے لگے۔ اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا جس کا متن درج ذیل ہے:

[illegible]

[illegible]

''اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ (ﷺ) کے نام! اما بعد! میں آپ کے ساتھ (نبوت کے) کام میں شریک کر دیا گیا ہوں۔ آدھی زمین ہمارے لیے اور آدھی قریش کے لیے ہے لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں۔''

یہ خط مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن نواحہ اور ابن اثال لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے خط سننے کے بعد قاصدوں سے دریافت فرمایا: [illegible] ''کیا تمھارا عقیدہ بھی وہی ہے جو وہ کہتا ہے؟''

انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''سن لو! اللہ کی قسم! اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے والا قانون نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: [illegible] ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول

1 [illegible] 331/6، [illegible] 373/1، تاریخ الطبری 277/2

ہوں؟'' ان دونوں نے جواب دیا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

لو كنت قاتلا وفدا لقتلتكما

''اگر میں قاصد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔''

رسول اللہ ﷺ کا جوابی خط

رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے خط کا جواب درج ذیل الفاظ میں دیا:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى مسيلمة الكذاب، السلام على من اتبع الهدى، أما بعد فإن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے، اما بعد! بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور (اچھا) انجام متقین کے لیے ہے۔''

مسیلمہ کذاب اپنے ہی ہاتھوں خریدی ہوئی بدبختی کا لقمہ بن گیا۔ اس نے 10 ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور آخر کار 12 ھ میں عہد صدیقی میں واصل جہنم ہوا۔[1]

نجرانی عیسائیوں کا وفد

نجران عرب کا مشہور اور بہت بڑا علاقہ ہے۔ یہاں سب سے پہلے نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان آیا تھا، اس لیے یہ شہر اسی کے نام پر مشہور ہوا۔ یہ شہر مکہ سے یمن کی طرف جاتے ہوئے 945 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ اس وقت تقریباً 73 بستیاں اس علاقے میں آباد تھیں۔ ان بستیوں میں ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو موجود تھے۔ یہ علاقہ اتنا بڑا تھا کہ تیز رفتار گھڑ سوار سارا دن گھوڑا دوڑانے کے بعد ہی اس بستی کی حدود سے باہر نکل پاتا تھا۔[2]



نجران (سعودی عرب)

1 البداية والنهاية: 47/5 2 شرح الزرقاني 186/5، البداية والنهاية 49/5، اطلس المملكة العربية السعودية (العبيكان)، ص 142

وفد نجران سے متعلق کتب سیرت اور کتب احادیث میں جملہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد دو مرتبہ دربار نبوت میں حاضر ہوا اس لیے ممکن حد تک اسی ترتیب سے ان روایات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو ایک دعوتی خط لکھا۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

''ابراہیم، اسحاق اور یعقوب ﷤ کے معبود (اللہ) کے نام سے یہ مراسلہ بھیج رہا ہوں۔ اما بعد، میں تمھیں بندوں کی عبادت اور ولایت سے ہٹا کر اللہ کی عبادت اور ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے انکار کیا تو تمھیں جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور جزیہ دینے سے بھی انکار کیا تو میں تمھارے خلاف جنگ کا اعلان کر دوں گا۔ والسلام۔''

پادری لرز اٹھا

جب یہ خط پادری نے پڑھا تو کانپ اٹھا اور اس پر شدید لرزہ طاری ہوگیا۔ اس نے اسی وقت شرحبیل بن وداعہ کو بلایا۔ یہ وہ شخص تھا جس کی رائے اور مشورے کے بغیر کوئی بڑا کام طے نہیں پاتا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا۔ لاٹ پادری نے وہ خط اس کے سامنے رکھا۔ جب اس نے خط پڑھ لیا تو پادری نے کہا: ابومریم! فرمائیے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شرحبیل نے کہا: جناب! یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ﷤ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ اسماعیل ﷤ کی نسل سے نبوت ہوگی۔ ممکن ہے یہ وہی شخص ہو لیکن نبوت کے معاملے میں میری کوئی رائے نہیں ہے۔ اگر کوئی دنیوی معاملہ ہوتا تو میں ضرور اپنی رائے دیتا۔ پادری نے کہا: آپ تشریف رکھیے۔

اس کے بعد پادری نے ایک دوسرے شخص کو جس کا نام عبداللہ بن شرحبیل تھا، بلایا۔ اس کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ پادری نے اسے بھی خط پڑھایا اور پوچھا: آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس نے بھی شرحبیل کی طرح اپنی رائے پیش کرنے سے معذرت کرلی۔ پادری نے اسے بھی بیٹھنے کو کہا۔ پھر ایک تیسرے آدمی کو بلایا۔ اس کا نام جبار بن فیض تھا۔ یہ بنو حارث بن کعب سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے بھی نامہ مبارک دیا۔ اس نے پڑھا۔ پادری نے رائے مانگی تو اس کا جواب بھی وہی تھا جو پہلے دونوں افراد نے دیا تھا۔

جب پادری نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی جواب نہیں دے رہا تو اس نے گھنٹے بجانے اور گرجا گھر پر ٹاٹ کے پردے لٹکانے کا حکم دیا۔ ان کا دستور تھا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آ جاتا تو لوگوں کو جمع کرنے کے لیے وہ گھنٹے بجاتے اور گرجا گھر پر ٹاٹ کے پردے لٹکاتے تھے۔ یہ عمل دن کے لیے تھا۔ رات کے وقت لوگوں کو جمع کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ گھنٹے بجاتے اور پہاڑی پر آگ روشن کر دیتے تھے۔

چنانچہ جب سارے علاقے کے لوگ جمع ہو گئے تو پادری نے وہ نامہ مبارک سب کو سنایا اور رائے دریافت کی۔ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض مدینہ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق مکمل معلومات جمع کر کے ایک رپورٹ تیار کریں۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو انھوں نے سفر کا لباس اتار کر نیا عمدہ قسم کا لباس زیب تن کیا۔ انھوں نے لمبے لمبے حلے پہنے ہوئے تھے۔ سونے کی انگوٹھیاں بھی انگلیوں میں پہن لی تھیں۔ اسی شان و شوکت کے ساتھ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا لیکن آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ وہ دن بھر بارگاہِ نبوت میں حاضر رہے کہ آپ ﷺ سے بات چیت ہو لیکن آپ نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ لوگ سیدنا عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کی تلاش میں نکل پڑے کہ ان کے سامنے اپنا معاملہ پیش کریں۔ وہ ان دونوں بزرگوں کو جانتے تھے۔ تلاش کرنے پر یہ دونوں بزرگ مہاجرین اور انصار کی ایک مشترکہ مجلس میں بیٹھے مل گئے۔ انھوں نے عرض کی: اے عثمان اور عبدالرحمن! آپ کے نبی نے ہماری طرف ایک مراسلہ بھیجا تھا۔ ہم اس کے جواب میں لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور انھیں سلام پیش کیا۔ انھوں نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ سارا دن گزر گیا، وہ ہم سے بات تک کرنا پسند نہیں فرما رہے۔ اب آپ بتائیں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم واپس چلے جائیں؟

انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے ہوئے پوچھا: اے ابوالحسن! ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ انھیں یہ قیمتی جبے اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر دوبارہ اپنے سفری لباس پہن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور رسول گرامی قدر ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے انھیں سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

[illegible]

”قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے! جب یہ لوگ پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تھے

تو ابلیس ان کے ساتھ تھے۔[1]

دورانِ قیام مختلف مسائل پر مباحثہ اور گفتگو ہوئی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت و ابنیت پر بھی سیر حاصل مکالمہ ہوا جس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

عیسائیوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا عیسیٰ کا باپ کون ہے؟

رسول اللہ ﷺ: ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟''

عیسائی: کیوں نہیں، ہم جانتے ہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: ''تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور کبھی فوت نہیں ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام ایک دن فنا ہو جائیں گے؟''

عیسائی: بے شک، آپ کی یہ بات بھی ٹھیک ہے، اللہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور عیسیٰ علیہ السلام ایک دن فنا ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ: ''کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ پوری کائنات کا محافظ و نگہبان ہے اور ہر چیز کو روزی دینے والا ہے۔''

عیسائی: کیوں نہیں، ہم آپ سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''تو کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز پر قادر ہیں؟''

عیسائی: بالکل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''کیا تم اس بات سے بے خبر ہو کہ زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں؟''

عیسائی: جی بالکل، ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ: ''تو کیا جناب عیسیٰ ماسوائے اس علم کے جو انھیں سکھایا گیا، اور کچھ بھی جانتے تھے؟''

عیسائی: نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''ہمارے رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو رحمِ مادر میں جس شکل کا چاہا بنا دیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب کھانے پینے اور دوسری حاجات سے پاک ہے؟''

عیسائی: اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ نے بجا فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: ''تم لوگ یہ بھی خوب جانتے ہو کہ حضرت مریم ؑ حاملہ ہوئیں اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح جنم

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/385-387، البداية والنهاية 5/48، 49، الاصابة لابن حجر 1/397

دیا جس طرح عورتیں بچوں کو جنم دیتی ہیں، پھر بچوں ہی کی طرح انھیں غذا بھی دی؟ پھر عیسیٰ علیہ کھاتے پیتے بھی تھے اور انھیں دوسری ضروریات بھی پیش آتی تھیں؟''

عیسائی: آپ کی یہ بات بھی درست ہے، ہم آپ سے اتفاق کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''اب تم خود ہی بتاؤ! عیسیٰ تمھارے گمان کے مطابق خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟''

یہ ارشاد مبارک سن کر عیسائی لاجواب ہو گئے۔ انھوں نے اصل حقیقت کو سمجھنے کے باوجود آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیات نازل فرمائیں:

﴿الٓمٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ....﴾

''الٓمٓ۔ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے ....''[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اس بارے میں آج میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ فی الحال تم یہیں رہو، میں تمھیں بتاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ کے بارے میں کیا فرماتا ہے۔''

صبح تک اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرما دیں:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (یہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلا لیں اور خود بھی (حاضر ہوں)، پھر گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

[1] [illegible] آل عمران 1:3۔

مباہلے کا چیلنج

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کے عیسائیوں کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے موقف سے آگاہ کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نازل ہونے والی آیات پڑھ کر سنائیں لیکن۔

ع ۔ مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

ان لوگوں پر سچائی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں، اگر تم اسے ماننے سے انکاری ہو تو پھر آؤ! میں تم سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔"[1]

یہ بات ہوئی اور مجلس برخواست ہوگئی۔ اگلے دن صبح سویرے خاتم الانبیاء محمد ﷺ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے پیچھے تھیں۔ جب اہل وفد نے ان پاکیزہ، روشن اور نورانی چہروں کو دیکھا تو نہایت مرعوب ہوگئے۔ انھوں نے اکیلے میں مشورہ کیا۔ شرحبیل نے اپنے دونوں ساتھیوں عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض سے کہا: تم جانتے ہو کہ میرے قبیلے کے تمام لوگ میری رائے کو تسلیم کرتے ہیں اور میرے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے۔ اللہ کی قسم! یہ (مباہلے والا) معاملہ بڑا ہی سنگین اور بھاری نظر آرہا ہے۔ اگر یہ شخص ایک طاقتور بادشاہ ہوا تو ہم اس کی شخصیت پر طعنہ زنی کرنے اور اس کی بات کو رد کرنے والے سب سے پہلے لوگ ہوں گے، پھر یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دل و دماغ سے اس وقت تک محو نہیں ہوگی جب تک یہ ہمیں تباہ نہ کر دیں۔ اور ہم تمام عرب کے مقابلے میں ان کے زیادہ قریب ہیں۔ اسی طرح اگر وہ نبی ہوئے اور ہم نے ان سے مباہلہ کرلیا تو ہم یکدم تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ہمارا ایک بال اور ناخن تک باقی نہیں بچے گا۔

شرح الزرقانی میں ہے کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے رخ انور کو اور آپ کے ساتھ دوسرے روشن چہروں کو دیکھا تو ان کے پادری نے کہا: میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو زائل کرنے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرلے، لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو، مبادا تم تباہ و برباد ہو جاؤ اور کرۂ ارض پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہ بچے۔ اللہ کی قسم! تم لوگ ان (محمد ﷺ) کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ایک فیصلہ کن دلیل لائے ہیں۔ اللہ کی قسم! جس قوم نے بھی کسی نبی کے ساتھ مباہلہ کیا ہے، وہ ہلاک ہی ہوئی ہے۔[2]

[1] شرح الزرقانی علی المواہب 5/188، [2] شرح الزرقانی علی المواہب 5/190۔

شرحبیل کے دونوں ساتھیوں نے کہا: اے ابو مریم! اب تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ بولا: میری رائے یہ ہے کہ میں محمد (ﷺ) ہی کو فیصلے کا اختیار دے دوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص ہرگز کوئی ناحق اور غیر منصفانہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ انھوں نے کہا: تو پھر تم جانو اور وہ۔

شرحبیل نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور بولا: آپ کے ساتھ مباہلہ کرنے سے بہتر بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟'' وہ کہنے لگا: آج سے کل صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائیں، وہ ہمیں قبول ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ ہو کہ تمھارا کوئی آدمی تمھیں ملامت کرے۔'' شرحبیل نے کہا: آپ میرے دونوں ساتھیوں سے پوچھ لیں۔ چنانچہ آپ کے پوچھنے پر ان دونوں نے کہا کہ وادی نجران کا ہر شخص شرحبیل کی رائے کو بخوشی تسلیم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تو بیہ کافر لیکن اسے اللہ کی طرف سے اچھی راہ سجھائی گئی ہے۔'' ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور آپ نے ان سے مباہلہ نہیں کیا۔ اگلے دن وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے درج ذیل شرائط پر ان سے صلح کرلی:

1 نجران کے عیسائی سال میں دو ہزار حلے (جوڑے) مسلمانوں کو دیں گے۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔

2 ہر ایک حلے کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی بھی دینی ہوگی۔

3 یمن میں حالات خراب ہونے کی صورت میں تیس زرہیں، تیس نیزے، تیس اونٹ اور تیس گھوڑے مسلمانوں کو مستعار دینے ہوں گے۔

4 شرائط پوری ہونے کی صورت میں نجران اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کے مال و جان، وطن، عبادت گاہوں اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد ہوگی۔ کسی راہب یا پادری کو اس کے



منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا۔

اس صلح پر رسول اللہ ﷺ نے کئی افراد کو گواہ بنایا جن میں ابوسفیان بن حرب، اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔[1]

صلح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والذي نفسي بيده إن العذاب قد تدلى على أهل نجران ولو لاعنوا لمسخوا قردة وخنازير

ولاضطرم عليهم الوادي نارا ولاستأصل الله نجران وأهله حتى الطير على الشجر

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اہل نجران پر اللہ کا عذاب منڈلا رہا تھا۔ اگر وہ ملاعنہ (مباہلہ) کرتے تو بندر اور خنزیر بنا دیے جاتے اور پوری وادی کو آگ سے بھر دیا جاتا اور اللہ نجران اور اہل نجران کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی باقی نہ رہتے۔“[2]

ابوعلقمہ کی کایا پلٹ گئی

یہ لوگ رسول ﷺ کی طرف سے ملنے والی صلح کی تحریر لے کر نجران واپس ہوئے۔ جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ ﷺ کی تحریر پادری کے حوالے کی۔ پادری اسے پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس کا ماں جایا بھائی بشر بن معاویہ بھی تھا۔ اس کی کنیت ابوعلقمہ تھی۔ یہ دونوں اپنی سواریوں پر سوار تھے۔ اسی دوران میں بشر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگ گئی۔ بشر نے اپنا غصہ نکالتے ہوئے کہا: وہ ہلاک ہو، یعنی آنحضرت ﷺ (معاذ اللہ)۔

اس پر پادری ابوحارثہ نے غضبناک ہوکر کہا: اللہ کی قسم! تو نے انھیں برا بھلا کہا ہے جو نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت تورات اور انجیل میں دی گئی ہے۔ ابوعلقمہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو اب اپنی اونٹنی سے مدینہ پہنچ کر ہی اتروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی سواری کا رخ مدینہ کی جانب موڑ دیا۔ ابوحارثہ پادری نے ان کی سواری کو موڑتے ہوئے کہا: میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے یہ فقرہ اس لیے کہا تھا کہ عرب قبائل میں مشہور ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے صلح کی اس سند کے حاصل کرنے میں کوئی حماقت کی ہے یا کسی خوش فہمی سے کام لیا ہے، حالانکہ دیگر قبائل نے اب تک ایسا عمل قبول نہیں کیا۔ ہماری طاقت اور شان و شوکت اوروں سے

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/387، 389، البداية والنهاية 5/49، 50، طبقات ابن سعد 1/357، 358۔ 2 تفسير المعالم التنزيل(؟) 2/612، الكشاف للزمخشري 1/369، شرح ... 3/190

کہیں بڑھ کر ہے۔ ابوعلقمہ بولے: نہیں نہیں، اللہ کی قسم! اب میں رکنے والا نہیں۔ تیرے منہ سے غلط بات نکل ہی نہیں سکتی تھی۔ پھر وہ نہایت ذوق شوق کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہو گیا:

إِلَيْكَ تَغْدُو قَلِقًا وَضِينُهَا　　تَعْتَرِضُ فِي بَطْنِهَا جَنِينُهَا

مُخَالِفًا دِينَ النَّصَارَى دِينُهَا

''یہ ضعیف اور لاغر اونٹنی آپ کی طرف دوڑ رہی ہے، اس حال میں کہ وہ حاملہ ہے، اس کا دین دین نصاریٰ کے مخالف ہے۔''

ابوعلقمہ بخیریت مدینہ پہنچے، مشرف بہ اسلام ہوئے، وہیں مدینہ میں قیام پذیر ہوئے اور کسی معرکے میں لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔[1]

راہب لیث بن ابی شمر کا قبول اسلام

جب وفد کے یہ لوگ نجران پہنچ گئے تو وہاں گرجا گھر میں رہنے والے ایک راہب لیث بن ابی شمر کو بھی پوری داستان معلوم ہوئی کہ تہامہ میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں، ان کی طرف سے ایک مراسلہ بھی آیا تھا، جس کے نتیجے میں نجران کے تین لوگ ان کے پاس تحقیق کی غرض سے گئے تھے، وہ ان سے صلح کی سند بھی لے آئے ہیں۔ راہب کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب پادری وہ سند پڑھ رہا تھا تو اس کے ساتھ بشر بھی سواری پر سوار تھا۔ اونٹنی نے بشر کو نیچے پٹخ ڈالا۔ اس نے گرتے ہی کہا: خرابی ہو اس شخص کی، یعنی محمد (ﷺ) کی۔ معاذ اللہ! پادری نے اسے ایسا کہنے سے روکا اور کہا کہ وہ سچے رسول ہیں، انھیں ایسا نہ کہو۔ بشر یہ سن کر مدینہ روانہ ہو گیا۔ پادری نے بہت روکا لیکن وہ

1 زاد المعاد 3/635، 636، سبل الہدیٰ والرشاد 6/422، البدایۃ والنہایۃ 14/67، 73



مکہ کے جنوب مغرب میں تہامہ (تہامہ) جہاں سے نبی ﷺ ہجرت کے دوران گزرے

نہ رکا۔ یہ راہب گرجا گھر کے بالائی حصے پر رہتا تھا۔ اس نے چیخنا شروع کر دیا: مجھے نیچے اتارو ورنہ میں اوپر سے چھت تک لگا دوں گا، خواہ میری جان چلی جائے۔ یہ راہب بھی چند تحائف جن میں ایک پیالہ، عصا اور ایک چادر شامل تھی، لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ اس کی طرف سے تحفے میں دی گئی چادر خلفائے راشدین کے دور تک محفوظ رہی اور اسے خلفاء پہنا کرتے تھے۔ راہب کچھ عرصہ مدینہ میں قیام پذیر رہا اور اسلامی تعلیمات سیکھتا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اور دوبارہ مدینہ آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا۔ اس کے بعد وہ نبی ﷺ کی وفات تک واپس نہیں آیا۔[1]

دوسرے وفد کی مدینہ آمد

اس کے کچھ عرصہ بعد نجران کے عیسائیوں کا ایک اور وفد دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ نجران کے عیسائیوں کا یہ وفد 9 ہجری میں مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد کل ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں 14 سرکردہ افراد تھے اور 3 آدمی نجران کے سارے علاقے کے سردار تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالمسیح تھا جو عاقب کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ سرکاری امور کا ذمہ دار، قوم کا امیر، صاحب الرائے اور مشیر عام تھا۔ دوسرے کا نام ایہم (شرحبیل) تھا۔ یہ سید کے لقب سے مشہور تھا، یہ بمنزلہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا۔ تیسرے کا نام ابوحارثہ بن علقمہ تھا (یہ نجران کے پہلے وفد میں بھی شامل تھا)۔ یہ ان کا حبر، اسقف اور لاٹ پادری تھا۔ اس کا تعلق عرب قبیلے بکر بن وائل سے تھا۔ اس نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ اس کی ایمانی پختگی، مذہبی صلابت اور علم و فضل کو دیکھتے ہوئے شاہان روم اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ انھوں نے اسے جاگیریں الاٹ کر دی تھیں اور اسے گرجا گھر کا امام مقرر کر رکھا تھا۔

ایک لاٹ پادری کا اعتراف حق

وفد نجران محو سفر تھا۔ پادری ابوحارثہ اپنے خچر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پہلو میں اس کا بھائی کرز بن علقمہ چل رہا تھا۔ اچانک ابوحارثہ کا خچر پھسل گیا تو کرز نے کہا: بہت دور والا آدمی (محمد ﷺ، معاذ اللہ) منحوس ہے۔ ابوحارثہ نے کہا: وہ نہیں تو منحوس ہے۔ کرز نے کہا: اے بھائی! ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ پادری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: پھر انھیں قبول کرنے میں تمھیں کیا رکاوٹ ہے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ سچے نبی ہیں؟ اس نے کہا: ان لوگوں نے ہمیں عزت و عظمت دی، حاکم بنایا اور ہمیں جائیدادیں الاٹ کیں۔ ان

[1] زاد المعاد: 635/3، 636، سبل الهدى والرشاد: 422/6، ... 67/14، 71، ... : 1176،
... 532/1، ... 50/5.

لوگوں نے تو اس نبی کی مخالفت کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو وہ ہمارے ساتھ بدترین سلوک کریں گے اور جو کچھ تو میرے پاس دیکھ رہا ہے، وہ سب مجھ سے چھین لیں گے۔

کرز نے یہ بات اپنے دل میں چھپالی اور بعد ازاں مسلمان ہو گیا۔[1] واللہ اعلم

وفد نجران کو اسلام کی دعوت

نجران کے عیسائیوں کا یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ آپ ﷺ نے انھیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد ان لوگوں کی نماز کا وقت ہو گیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ یہ لوگ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں منع کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: دَعُوهُمْ ''انھیں کچھ نہ کہو۔''

وفد نجران کی آمد کے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے دو پادریوں عاقب عبدالمسیح اور ابوحارثہ بن علقمہ سے فرمایا: ''تم لوگ اب مسلمان ہو جاؤ۔'' انھوں نے کہا: ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بھلا تم پہلے ہی سے کس طرح مسلمان ہو سکتے ہو جبکہ تم لوگ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا عقیدہ رکھتے ہو، صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کا گوشت کھاتے ہو؟'' نجرانی عیسائیوں نے کہا: (اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں) تو پھر ان کا باپ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔[2]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے متعلق مباحثہ

نجران کے عیسائیوں کو دیکھنے کے لیے مدینہ کے یہودی بھی آیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی کبھی کبھی کسی مسئلے پر باہم گفتگو بھی ہو جایا کرتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھے ہوئے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں بحث وتکرار شروع کر دی۔ علمائے یہود نے کہا: ابراہیم علیہ السلام صرف اور صرف یہودی تھے۔ اسی طرح عیسائیوں نے کہا: نہیں، وہ صرف عیسائی تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ وَٱلۡإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِهِۦٓۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ

هَٰٓأَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجۡتُمۡ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلۡمٞ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيۡسَ لَكُم بِهِۦ عِلۡمٞۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا

1 السيرة لابن هشام 2/573، 574، البداية والنهاية 5/51. 2 تفسير الطبري، آل عمران 3:1، 2، سبل الهدى والرشاد 6/417.

تَعْلَمُونَ ۞ مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۞ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ

''(فرما دیجیے:) اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئی ہیں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ اللہ ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ صرف حق پرست، فرمانبردار تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔ بے شک ابراہیم سے قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، پھر یہ نبی اور مومن لوگ، اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔'' [1]

مذکورہ آیات کے نزول کے بعد ایک یہودی عالم نے کہا: اے محمد! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اسی طرح عبادت کریں جس طرح عیسائی جناب عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں؟ نجران کے ایک عیسائی نے بھی معاً کہا: ہاں، صاحب! بتایئے کیا واقعی آپ کا یہی ارادہ ہے اور آپ اسی عقیدے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ نَعْبُدَ غَيْرَ اللّٰهِ أَوْ نَأْمُرَ بِعِبَادَةِ غَيْرِهِ، مَا بِذٰلِكَ بَعَثَنِي وَلَا بِذٰلِكَ أَمَرَنِي

''میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں یا اس بات کا حکم دوں۔ مجھے اس مقصد کے لیے نہیں بھیجا گیا اور نہ مجھے اس کا حکم ہی ملا ہے۔''

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبّٰنِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۞ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ

''کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ (وہ کہے گا:) تم رب والے بن جاؤ کیوں کہ تم اس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو۔ اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا جب کہ تم مسلمان ہو چکے؟'' [2]

1 آل عمران 3:65-68، 2 آل عمران 3:79، 80

سیدنا محمد بن سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ آل عمران کی ابتدائی 80 آیات اسی وفد کے بارے میں نازل ہوئیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پروانۂ امن

جب وفدِ نجران کے لوگ واپس جانے لگے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سند حاصل کی جس کا متن درج ذیل ہے:

[illegible]

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد نبی (ﷺ) کی جانب سے پادری ابوالحارث اور نجران کے دیگر پادریوں، کاہنوں، راہبوں، ان کے عقیدت مندوں، غلاموں، ہم مذہبوں اور پولیس والوں کے لیے اور ان کی ملکیت میں موجود ہر کم یا زیادہ چیز سے متعلق، سب کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تحفظ حاصل ہوگا۔ گرجے کے چھوٹے بڑے عہدے داروں میں سے کسی کو نہیں بدلا جائے گا۔ اسی طرح کسی کے حق یا اختیارات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ جب تک وہ رعایا کے خیر خواہ اور مصلح رہیں گے، انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان حاصل رہے گی، یعنی نہ وہ ظالموں کا ساتھ دیں اور نہ خود ظالم بنیں۔"

یہ تحریر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے لکھی۔[2]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امینِ امت ہیں

چلتے وقت نجران کے عیسائیوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے جسے ہم جزیہ ادا کریں، واضح رہے کہ اس شخص کا امین ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا بعثنّ [illegible]

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/385,384، زاد المعاد 3/631,630. 2 زاد المعاد 3/[illegible]، [illegible] 6/51,50، سبل الهدى والرشاد 6/420، إمتاع الأسماع 14/71 /2

"میں تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیجوں گا جو امانت دار ہوگا بلکہ امانت کا پورا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا۔"

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر صحابی رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اے ابوعبیدہ بن جراح! اٹھو۔"

جب وہ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"یہ اس امت کے امین ہیں۔"[1]

ابوحارثہ اور عبدالمسیح عاقب کا قبول اسلام

اہل سیر نے لکھا ہے کہ نجران کا یہ وفد جب واپس اپنے علاقے میں پہنچا تو اس کے کچھ دن بعد پادری ابوحارثہ اور عاقب مدینہ منورہ گئے، بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرایا۔ جب یہ لوگ واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں سے صدقات اور جزیہ لینے کے لیے روانہ فرمایا۔[2]

وفد نجران سے حاصل ہونے والے فوائد و اسباق

نجران کے دونوں وفود کے متعلق احوال پڑھنے کے بعد بہت سے فوائد و مسائل کا پتہ چلتا ہے جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

اہل کتاب مسلمانوں کی مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل وفد کو مسجد نبوی میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

اگر کوئی اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کہے کہ وہ سچے نبی ہیں تو اس کا محض یہ کہنا اسے اسلام میں داخل نہیں کرتا جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت و متابعت کو اپنے اوپر لازم نہ کرے۔ اور وہ اس طرح کہنے کے بعد اپنے اسی دین پر قائم رہتا ہے تو یہ شخص مرتد کے حکم میں بھی نہیں آئے گا۔ واللہ اعلم

1 صحیح البخاری، 4380 [illegible] 2 [illegible] 5/ [illegible] 606

اہل کتاب سے میل جول اور معاملات و تصرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا تھا اور آپ ﷺ نے مباحثے کی دعوت بھی دی تھی۔

جو شخص کسی کی تعظیم اس کے مقام و مرتبے سے بڑھ کر اس طرح کرتا ہے کہ اسے عبودیت کے درجے تک ڈال دیتا ہے تو وہ شرک کرتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ غیر کی عبادت بھی کرتا ہے۔

غیر مسلموں اور کافروں کے قاصدوں اور پیغام رسانوں کی اہانت اور ان سے بدسلوکی کرنا حرام ہے۔ یہاں تک کہ جب اسے وہ کسی قسم کا مخاصمہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اہل نجران کے قاصدوں سے کوئی کلام نہیں کیا اور نہ سلام کا جواب دیا۔ لیکن جب انھوں نے سادہ لباس پہنا تو پھر آپ ﷺ نے ان سے کلام بھی کیا اور ان کے سلام کا جواب بھی مرحمت فرمایا۔

اہل کتاب سے مباحثہ کے لیے جانے کے بارے میں سنت یہ ہے کہ جب ان پر حجت قائم ہو جائے اور وہ حق کو جان لینے کے باوجود اپنے دین پر قائم رہیں تو انھیں مباہلے کی دعوت دی جائے۔ اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

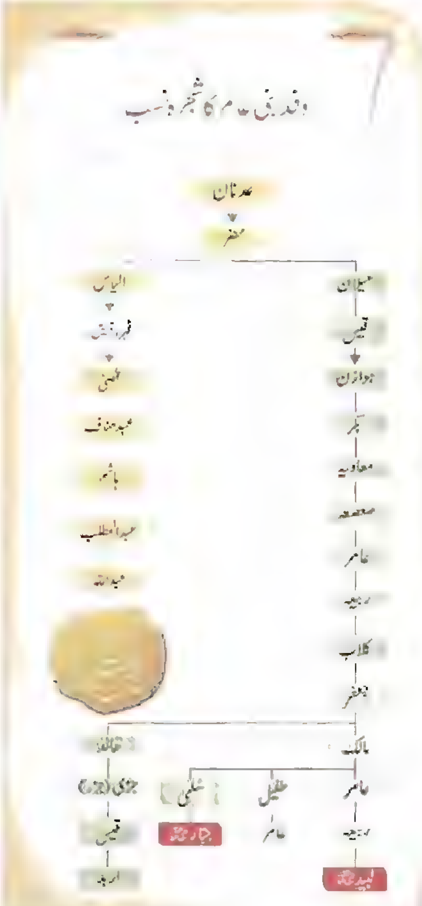
اہل کتاب سے مصالحت کرنا جائز ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اموال اور کپڑوں وغیرہ کی کوئی مقدار ان پر مقرر کی جائے۔ مسلمانوں اور کافروں میں یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ وہ میرے قاصدوں کی ضیافت کریں اور انھیں عزت دیں۔ اسی طرح یہ شرط بھی جائز ہے کہ وہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کو عاریۃً سامان فراہم کریں۔

امام وقت اسلام کی مصلحت کی خاطر کسی امین کو اہل کتاب کی طرف بھیج سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص امین ہو اور وہاں جانے کا اس کا کوئی ذاتی مقصد نہ ہو بلکہ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضا مقصود ہو۔ ایسے ہی شخص کو حقیقی امین کہا جائے گا جیسے کہ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

وفد بنی عامر

رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں بنی عامر کا وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب، اربد بن قیس بن جزء بن خالد بن جعفر جو لبید بن ربیعہ کا اخیافی بھائی تھا، اور جبار بن سلمیٰ بن مالک بن جعفر بھی شامل تھے۔ یہ تینوں اپنی قوم کے سردار تھے۔ عامر اپنی چالاکی، سخت مزاجی اور بدخواہی کے سبب لوگوں میں معروف تھے۔ یہ عامر وہی مردود اور خبیث شخص

1 [illegible]



تھا جس نے بئر معونہ (نجد) پر ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کروایا تھا۔

عامر بن طفیل کو اس کی قوم نے کہا: عامر! سب لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، اب تم بھی اسلام قبول کر لو۔ اس بدبخت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک سارا عرب میرے نقش قدم پر نہ چلے تو کیا اب میں اس قریشی جوان کے پیچھے لگ جاؤں؟

بنو عامر کا وفد نبی اکرم ﷺ سے شرف ملاقات کے لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عامر کی سازش اور اس کا انجام

بنو عامر کا وفد جب مدینہ منورہ روانہ ہوا تو راستے میں شیطان نے عامر بن طفیل کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش پر ابھارا۔ عامر نے اپنے شیطان صفت ساتھی اربد سے کہا: جب ہم مدینہ پہنچ جائیں اور اس شخص (محمد ﷺ) سے ملاقات کریں تو اس دوران میں اسے (محمد ﷺ کو) گفتگو میں مشغول رکھوں گا۔ جیسے ہی اس کی توجہ میری طرف مبذول ہو تم فوراً ایک بھرپور وار کر کے (نعوذ باللہ) اس کا کام تمام کر دینا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر یہ وفد دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ مجھے اپنا مخلص دوست بنا لیجیے۔ یا کہا: میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، اللہ کی قسم! اس وقت تک نہیں جب تک تو اکیلے اللہ پر ایمان نہیں لے آتا۔“

ایک طرف تو عامر رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے انتظار تھا کہ اربد کب اپنا کام کرے گا۔ اربد کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، اس میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی تھی کہ وہ کچھ کر سکے۔[1]

عامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے کیا عطا فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

1 ... 214,213

[illegible]

’’اسلام لانے کے بعد تیرے حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔‘‘

عامر نے کہا: اگر میں اسلام قبول کر لوں تو کیا آپ اپنے بعد حکومت مجھے عطا کریں گے؟

نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’حکومت تجھے ملے گی نہ تیری قوم کو۔‘‘

اس نے پھر کہا: ایسا کریں کہ اس بادیہ پر آپ حکومت کریں جبکہ شہر اور آبادی کی حکومت میرے لیے چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’نہیں، البتہ میں تجھے لشکر سوار کا کمانڈر بنا دوں گا کیونکہ تو ایک بڑا شہسوار ہے۔‘‘

عامر نے کہا: اگر نہیں تو پھر ان شاء اللہ میں مدینہ کو آپ کے خلاف پیادوں اور سواروں سے بھر دوں گا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ عامر نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں: 1 آپ کے لیے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے آبادی کے۔ 2 آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیں۔ 3 تیسری صورت یہ ہے کہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑوں اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھا لاؤں گا۔[2]

یہ بات کر کے عامر اور اس کا ساتھی اربد وہاں سے چلتے بنے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: [illegible] ’’اے اللہ! میری طرف سے عامر بن طفیل کے لیے کافی ہو جا۔‘‘

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

[illegible]

’’اے اللہ! ان دونوں سے مجھے نجات عطا فرما، اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت نصیب فرما اور اسلام کو عامر سے بے نیاز کر دے۔‘‘[3]

رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد جب یہ دونوں مسجد نبوی سے باہر نکلے اور واپسی کا سفر اختیار کیا تو عامر نے اربد سے کہا: تیرا ستیاناس ہو، میں نے تجھے جس بات کا حکم دیا تھا تو نے اس کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ اللہ کی قسم!

1 الطبقات لابن سعد: 310/1. 2 صحیح البخاری: 4091، مسند أحمد: 210/3. 3 الطبقات لابن سعد: 310/1.

کردار ش پر صرف تو ہی ایک آدمی تھا جس سے میں خوف محسوس کرتا تھا لیکن اللہ کی قسم! آج کے بعد میں تجھ سے بالکل نہیں ڈروں گا۔ اربد نے کہا: تیرا کچھ نہ رہے، جلدی نہ کر، پہلے میری بات تو سن لے۔ اللہ کی قسم! میں نے جب بھی تیرے حکم کے مطابق وار کرنا چاہا تو میرے سامنے تو ہی آجاتا تھا تو کیا میں تجھ پر وار کر دیتا؟[1]

بعض روایات میں ہے کہ اربد نے کہا: میں نے جب بھی وار کرنے کا ارادہ کیا تو ایک آہنی دیوار میرے سامنے حائل ہو جاتی تھی اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ مجھے ایک خطرناک اونٹ نظر آیا جو میرا سر نگل جانا چاہتا تھا۔[2] دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا غیبی انتظام تھا جس کی وجہ سے وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔

عامر تڑپ تڑپ کر مر گیا

عامر اور اربد مدینہ سے نکلے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا۔ یہ ایسا مرض تھا جو عرب میں اونٹوں کو لگتا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ابن طفیل شقی کو اونٹوں کے طاعون میں مبتلا کر دیا۔ عامر بن طفیل سر راہ چلتے چلتے اچانک اس بیماری میں مبتلا ہوا، چنانچہ اس نے اثنائے راہ ہی میں ایک عورت کے گھر پناہ لی۔ یہ عورت آل سلول سے تھی۔ اس عورت کا خاوند مرہ بن صعصعہ، عامر بن صعصعہ کا بھائی تھا۔ جب عامر کو یقین ہو گیا کہ وہ ایک گندی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے تو وہ فرط غم سے کہنے لگا: ایک اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور ایک سلولیہ کے گھر میں موت![3]

طبقات ابن سعد میں اس بیماری کی وضاحت موجود ہے کہ یہ گلٹی اس کی گردن پر نکلی تھی اور اس کی زبان تھیلی ہو کر باہر نکل پڑی تھی اور اس صورت حلق رہی تھی جیسے گدھے کا حلق ہوتا ہے۔ مرنے سے پہلے وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اے موت! میرے سامنے آ۔ عرب کے دستور کے مطابق بستر پر مرنے کو بزدلی اور عار کی موت خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ اس نے کہا: میرا گھوڑا میرے پاس لاؤ۔ گھوڑا لایا گیا، وہ اس پر سوار ہوا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا: اے ملک الموت! سامنے آ، میں تجھ سے مقابلہ کروں گا۔ وہ یہی بکواس کرتے کرتے جہنم کی غذا بن گیا۔[4]

اربد بھسم ہو گیا

عامر بن طفیل کو دفن کرنے کے بعد جب اہل وفد اپنے علاقے میں پہنچے تو قوم ان کے پاس آئی اور پوچھا: اربد! وہاں کی کیا خبر ہے؟ اربد نے کہا: اللہ کی قسم! کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اس (محمد ﷺ) نے ہمیں ایک ہستی کی عبادت کرنے کی دعوت دی ہے۔ میری خواہش ہے کہ کاش! وہ میرے قریب ہوتا تو میں اسے تیر مار کر ہلاک کر دیتا۔ (معاذ اللہ)

1 مسند رویانی حصہ: 4/ 288، 2 البدایۃ والنہایۃ: 3/ 247، 3 دلائل النبوۃ: 5/ 52، 4 تفسیر قرطبی: 3/ 247

اس بات سے ایک یا دو دن بعد وہ کہیں جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے اس کا اونٹ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمانی بجلی گرائی اور وہ اپنے اونٹ سمیت بھسم ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس وقت اللہ تعالیٰ نے عامر اور اربد کے متعلق درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ [illegible]

"اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور ارحام کی کمی بیشی بھی۔ اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار (مقرر) ہے۔ وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا، بہت بڑا، نہایت بلند ہے۔ (اللہ کے نزدیک) مساوی ہے کہ تم میں سے جو کوئی آہستہ بات کہے یا بلند آواز سے کہے، اور جو رات (کی تاریکی) میں چھپا ہو یا دن (کی روشنی) میں چل رہا ہو۔ اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے، وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو نہیں بدلتا، حتی کہ وہ خود اپنے دلوں کی کیفیت کو بدل لیں۔ اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی (عذاب) کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ وہی ہے جو تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے۔ اور (بادل کی) گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (تسبیح پڑھتے ہیں)۔ اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جس پر چاہے گرا دیتا ہے، جبکہ وہ اللہ کی بابت جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اس کی چال زبردست ہے۔"[1]

یاد رہے کہ ابن اسحاق کے مطابق عامر بن طفیل اور اربد دونوں بنو عامر کے وفد کے ساتھ آئے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بعض دوسری روایات کی روشنی میں یہ موقف ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد کا

1 السیرۃ لابن ہشام: 4/214، 215

واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔[1] واللہ اعلم بالصواب۔

سید تو اللہ ہے

طبقات ابن سعد میں ہے کہ بنو عامر کے وفد میں ابومطرف عبداللہ شخیر بھی تھے۔ انھوں نے آکر کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے سردار اور سید ہیں اور ہم پر مہربان ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(حقیقی) سید تو اللہ ہے، شیطان ہرگز تمھیں بہکانے میں کامیاب نہ ہو۔''[2]

ایک وضاحت

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کو اپنے لیے ''سید'' کا لقب بولنے سے منع فرمایا ہے، جبکہ خود نبی ﷺ ہی نے ایک مقام پر فرمایا: ''میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں۔''[3] اسی طرح آپ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔''[4] ایک مرتبہ جب سعد رضی اللہ عنہ حاضر ہونے لگے تو آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قوم کو حکم دیا: ''اپنے سردار کے (استقبال کے) لیے کھڑے ہو جاؤ۔''[5] گویا یہاں رسالت مآب ﷺ سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''سید'' کا لقب بولنے کی ممانعت بھی فرمائی اور مختلف مواقع پر خود آپ ﷺ ہی کی زبان مبارک سے ''سید'' کا لفظ ادا بھی ہوا۔ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نہی مطلق نہیں تھی۔ بلکہ آپ ﷺ احتیاطاً یہ چاہتے تھے کہ کہیں یہ میرے بارے میں مبالغہ آرائی میں مبتلا نہ ہو جائیں، کیونکہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اکابر کو بھی سید اور سادات کے القاب سے نوازتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی ادبی اور سماجی اصلاح فرمائی۔ ان کی قوم کے اکابر دنیاوی اور مادی اسباب کی بنا پر سید اور سردار تھے جبکہ آپ ﷺ نبوت و رسالت کی وجہ سے سیدِ انسانیت تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کے القاب سے پکارا ہے، انھیں بھی اسی طرح پکارنا چاہیے، نہ کہ اس طریقے سے جس طریقے سے وہ اپنے سرداروں کو بلاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1 دیکھیے: [illegible]: 5/52-54. 2 طبقات لابن سعد: 1/311. 3 سنن ابی داود: 4662، 4673. 4 صحیح البخاری: 2704. 5 صحیح البخاری: 3043.

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو عامر کا خیر مقدم

سیدنا ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ سوائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو عامر کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں بھی اس وفد میں شریک تھا۔ ہم نے آپ ﷺ کو وادی ابطح میں ایک سرخ خیمے میں مقیم پایا۔ ہم نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: [illegible] "آپ کون لوگ ہیں؟" ہم نے عرض کی: بنو عامر بن صعصعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمارا استقبال کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

"خوش آمدید، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

نماز کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، پھر نبی ﷺ کی خدمت میں وضو کا پانی لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور کچھ پانی بچ گیا۔ ہم بغیر کسی تاخیر کے آپ ﷺ ہی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے لگے۔ وضو سے فارغ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی، اسی طرح نماز عصر بھی آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعت ہی پڑھائی۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدبخت عامر بن طفیل اور اربد بن قیس کے علاوہ بنو عامر کے دوسرے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسلام و نواہی کی پابندی کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے بنو سعد بن بکر کی طرف اپنے ایک صحابی کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلامی تعلیمات اور احکام الٰہی سے آگاہ کیا اور انھیں دعوت اسلام دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کو تحقیق کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ ضمام بڑے مضبوط جسم کے مالک تھے۔ ان کے بال لمبے تھے اور انھوں نے اپنے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی ہوئی تھیں۔ وہ 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اونٹ کو مسجد نبوی کے دروازے کے قریب باندھ کر مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا: محمد (ﷺ) کون ہیں؟ آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ صحابہ نے جواب دیا: یہ گورے رنگ والے جو تکیہ لگائے ہوئے ہیں، یہی محمد ﷺ ہیں۔ انھوں نے پوچھا: آپ ہی عبدالمطلب کے بیٹے ہیں نا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible]

1 الطبقات لابن سعد 311/1.

"ہاں میں نے تمھاری بات سن لی ہے، میں ہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔" انھوں نے کہا: میں آپ سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں اور میرا لہجہ سخت ہوگا، لہٰذا آپ ناراض نہ ہو جائیے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ـــ ـــ ـــ ـــ "تمھیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔" انھوں نے اپنے سوالات کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے عرض کیا:

میں آپ کو آپ کے رب اور آپ سے پہلے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ـــ ـــ "اللہ کی قسم! ہاں۔"

ضمام: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ ہم ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں ادا کریں؟

رسول اللہ ﷺ: ـــ ـــ "ہاں، اللہ کی قسم! اللہ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔"

ضمام: میں آپ کو پھر اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم بھی دیا ہے کہ ہم سال میں اس (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھیں؟

رسول اللہ ﷺ: ـــ ـــ "ہاں اللہ کی قسم! مجھے یہی حکم ملا ہے۔"

ضمام: میں ایک مرتبہ پھر آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا واقعی اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے مال داروں سے صدقہ (زکاۃ) وصول کر کے ہمارے ہی غریبوں میں تقسیم فرما دیں؟

رسول اللہ ﷺ: ـــ ـــ "ہاں، اللہ کی قسم!"

ضمام: میں آپ کو آپ کے معبود اور آپ سے پہلے اور بعد میں آنے والوں کے معبود کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم صرف اس اکیلے رب ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ان (اللہ کے) شریکوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟

رسول اللہ ﷺ: ـــ ـــ "ہاں اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے۔"

ضمام جب اپنے سوالات سے فارغ ہوئے تو کہا:

"جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اپنی قوم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میرا تعلق بنو سعد بن بکر سے ہے۔"[1]

[1] صحیح البخاری، 63

ابن اسحاق کی روایت میں ہے، انھوں نے کہا:

فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَسَأُؤَدِّي هٰذِهِ الْفَرَائِضَ وَأَجْتَنِبُ مَا نَهَيْتَنِي عَنْهُ ثُمَّ لَا أَزِيدُ وَلَا أَنْقُصُ.

''بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں یہ فرائض ضرور ادا کروں گا۔ اور جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے، ان سے باز رہوں گا، میں (ان اوامر ونواہی میں) نہ کوئی اضافہ کروں گا، نہ کوئی کمی۔''

یہ باتیں کہہ کر وہ واپس اپنے اونٹ کے پاس آئے اور اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنْ صَدَقَ ذُو الْعَقِيصَتَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ ''اگر اس دو چوٹیوں والے شخص نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔''

قوم کو دعوت اسلام

سیدنا ضمام رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے اور اپنی قوم کے پاس واپس پہنچے۔ جب قوم کے لوگ جمع ہو گئے تو ضمام رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا جو جملہ کہا، وہ یہ تھا: بِئْسَتِ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى ''لات اور عزیٰ بہت برے ہیں۔''

لوگوں نے کہا: اے ضمام! اپنی زبان سے ایسے برے الفاظ مت نکالو مبادا تم مجنون اور کوڑھی ہو جاؤ۔ ضمام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم پر نہایت افسوس ہے۔ یہ لات اور عزیٰ ہرگز کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا ہے اور ان پر ایک کتاب نازل کی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے سے تمھیں ان خرافات سے نکالا ہے جن میں تم پڑے ہوئے تھے۔ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں آپ ﷺ سے تمام اوامر ونواہی سیکھ کر آیا ہوں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ابھی شام نہ ہونے پائی تھی کہ ان کے قبیلے کے ہر مرد اور عورت نے اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم نے کسی قوم کے وفد اور قاصد کو ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے افضل اور بہتر نہیں پایا۔''[1]

طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ساتھیوں سمیت آمد

امام بیہقی رحمہ اللہ نے جامع بن شداد محاربی سے روایت کیا ہے کہ مجھے طارق بن عبداللہ محاربی نے بتایا کہ ایک دن میں سوق ذوالمجاز میں کھڑا تھا کہ سامنے سے ایک آدمی کو جس نے جبہ زیب تن کیا ہوا تھا، آتے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا

1 السيرة لابن إسحاق: 2/646,647، السيرة لابن هشام: 4/219-221، البداية والنهاية: 5/55,56

[illegible]

"اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اس آدمی کے پیچھے ایک اور شخص آ رہا تھا، وہ اسے پتھر بھی مار رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جا رہا تھا: اے لوگو! یہ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے، اس کی تصدیق نہ کرو۔

پہلے آدمی کے پاؤں پتھر لگنے کی وجہ سے زخمی تھے۔ طارق کہتے ہیں: میں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والا اور اسے پتھر مارنے والا کون ہے؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ پہلا شخص بنو ہاشم کا فرد ہے جس کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور دوسرا اس کا حقیقی چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے تو میں ربذہ سے اپنے قبیلے کے چند لوگوں کے ہمراہ مدینہ سے کھجوریں خریدنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ جب ہم لوگ مدینہ کے باغوں کے پاس پہنچے تو ہم نے ارادہ کیا کہ کچھ دیر آرام کریں اور کپڑے تبدیل کر کے شہر میں داخل ہوں، چنانچہ ہم نے وہاں پڑاؤ ڈال لیا۔

اسی دوران میں ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہمارے پاس آیا، ہمیں سلام کیا اور پوچھا: آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا: ربذہ سے آئے ہیں اور مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ کیا کام ہے؟ اس شخص نے پوچھا۔ ہم نے کہا: مدینہ کی کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔

طارق کہتے ہیں: ہمارے ساتھ ہودج میں ایک خاتون بھی سفر کر رہی تھی۔ ہمارے پاس ایک مہار لگا سرخ اونٹ بھی تھا۔ اس چادر پوش آدمی نے کہا: کیا آپ لوگ اپنا یہ اونٹ بیچیں گے؟ ہم نے کہا: ہاں، ہم اسے کھجور کے اتنے اتنے صاع کے عوض بیچتے ہیں۔ اس آدمی نے ہاں بھر کر اونٹ کی مہار تھامی اور چل پڑا۔ جب وہ ہماری نظر سے اوجھل ہوا تو ہم نے آپس میں کہا: اللہ کی قسم! یہ ہم نے غلطی کی ہے کہ ایک ایسے شخص کو جسے ہم میں سے کوئی جانتا تک نہیں، بغیر قیمت وصول کیے اپنا اونٹ پکڑا دیا۔ ہم نے ایک اجنبی پر بھروسا کر کے غلطی کی ہے۔

ہودج میں موجود خاتون نے کہا: "اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی کے چہرے کو دیکھا، اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ میں تمھارے اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔" ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "تم اپنے آپ کو ملامت نہ کرو، میں نے ایسے شخص کا چہرہ دیکھا ہے جو دھوکے باز نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس کے چہرے سے زیادہ کسی چیز کو چودھویں کے چاند کے مشابہ نہیں دیکھا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا: میں اللہ کے رسول (ﷺ) کا قاصد ہوں۔ آپ (ﷺ) نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں۔ پہلے آپ ان کھجوروں میں سے خوب سیر ہو کر کھا لیں اور بعد میں انھیں ماپ کر پوری کر لیں۔ راوی کہتا ہے: ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں اور بعد میں انھیں ناپا تو وہ بالکل پوری تھیں، ذرا بھی کم نہ تھیں۔ اس کے بعد جب ہم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو وہی شخص (جو ہم سے اونٹ خرید کر لے گیا تھا) منبر پر کھڑا لوگوں کو خطبہ دے رہا تھا۔ ہم نے اس خطبے میں سے جو سنا، وہ یہ تھا:

[illegible]

”صدقہ کیا کرو، یہ صدقہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور دوسرے درجہ بدرجہ قریبی رشتہ داروں کا خیال رکھا کرو۔“ [1]

اب ان حضرات کو پتہ چلا کہ یہ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں، چنانچہ وہ آپ کی یہ مبارک باتیں سن کر مسلمان ہو گئے اور پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد فرماتے ہیں: ”میرا خیال ہے کہ طارق اور ان کے ساتھیوں کا مدینہ منورہ آنے سے مقصود صرف کھجوریں خریدنا ہی نہیں بلکہ خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنا بھی تھا۔ امکان یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خطبے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ اور طارق بن عبداللہ ؓ نے صدقے کی فضیلت والی وہ روایت بھی بیان کی ہے جو انھوں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔“ [2]

وفد بنو محارب

بنو محارب کا وفد 10ھ حجۃ الوداع والے سال نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں کل 10 آدمی تھے۔ ان میں سواء بن حارث اور ان کے بیٹے خزیمہ بن سواء بھی تھے۔ انھیں رملہ بنت حارث کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ سیدنا بلال ؓ صبح شام ان کی تواضع کرتے تھے۔ ان کے آنے کا مقصد اسلام قبول کرنا تھا، چنانچہ یہ سب مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے: ”ہم اپنی پوری قوم کے نمائندے اور ضامن ہیں۔“ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو بھی پہچان لیا جس نے آپ ﷺ سے درشتی اور بدتمیزی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب آپ ﷺ

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 5/381،380، و زاد المعاد 3/648،649، و شرح الزرقانی 5/199-202، و البدایۃ والنہایۃ 5/77، مزید دیکھیے: سنن النسائی، حدیث: 2533۔ 2 سیرت نبوی از ڈاکٹر مہدی رزق اللہ 2/338 طبع دارالسلام۔

حج کے دنوں میں بنفس نفیس مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جایا کرتے اور ان سے کہتے تھے کہ مجھے اپنے علاقے میں لے چلو۔ اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ آپ ان لوگوں کے علاقوں میں جا کر دین اسلام کی دعوت دینا چاہتے تھے۔

جب نبی ﷺ نے اس آدمی کو پہچان لیا جس نے آپ ﷺ سے بدکلامی کا مظاہرہ کیا تھا تو وہ شخص کہنے لگا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔''

حسن الہدیٰ میں ہے: جب ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ نے بڑے غور سے دیکھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! شاید آپ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میں نے تمھیں پہلے بھی دیکھا ہے۔'' اس نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! آپ نے مجھے دیکھا بھی تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی۔ میں نے عکاظ میں آپ سے بڑی بدتمیزی سے بات کی تھی اور درشت لہجے میں جواب دیا تھا۔ اس وقت آپ مختلف قبائل کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (اب یاد آیا)۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس دن اپنے ساتھیوں میں سے آپ کا سب سے زیادہ مخالف اور سب سے بڑھ کر اسلام سے دور تھا۔ میں اس امر پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میں نے آپ کی تصدیق کر لی جبکہ وہ لوگ جو اس دن میرے ساتھ تھے، اپنے پرانے دین ہی پر فوت ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں (جس کے لیے وہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، ان کے دل ہدایت کی طرف پھیر دیتا ہے)۔''

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ سے جو بدکلامی کی تھی، اس پر میرے لیے بخشش مانگیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام قبول کرنے سے پچھلے تمام کفریہ اعمال معاف ہو جاتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خزیمہ بن سواء ؓ کے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تو ان کی پیشانی سفید اور روشن ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دوسرے وفود کی طرح انھیں بھی تحائف عطا فرمائے، پھر یہ سب اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔[1]

وفد بنو طے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنو طے کا وفد حاضر ہوا۔ اس وفد میں کل پندرہ افراد تھے۔ ان میں سیدنا زید الخیل بھی تھے جو کہ وفد کے امیر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گفتگو کے بعد یہ لوگ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 1/299، ... 405/6

اس قدر متاثر ہوئے کہ سب کے سب آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید الخیل رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ما ذكر لي رجل من العرب بفضل ثم جاءني إلا رأيته دون ما يقال فيه إلا زيد الخيل

فإنه لم يبلغ كل ما فيه

''میرے سامنے عرب کے جس شخص کی بھی خوبیاں بیان کی گئیں، پھر جب وہ شخص میرے پاس آیا تو میں نے اس کو اس کی مشہور تعریف سے کم ہی پایا۔ مگر زید الخیل کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ زید کے متعلق جتنا میں جانتا تھا، ان میں اس سے کہیں زیادہ خوبیاں موجود ہیں (جنھیں میرے سامنے بیان نہیں کیا گیا)۔''

رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کا نام تبدیل کرتے ہوئے زید الخیل کے بجائے زید الخیر رکھا۔ آپ ﷺ نے وادی فید اور اس سے ملحقہ زمین انھیں الاٹ کر دی اور اس جاگیر کے بارے میں ایک دستاویز بھی لکھ دی۔ جب یہ وہاں سے اپنے گھر روانہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن ينج زيد من حمى المدينة ''اگر زید مدینہ کے بخار سے نجات پا گئے (تو انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی)۔''

فید، حائل (سعودی عرب)



زید رضی اللہ عنہ جب نجد کے فَردہ نامی چشمے پر پہنچے تو انھیں بخار ہو گیا۔ جب انھیں اپنی موت یقینی محسوس ہوئی تو انھوں نے درج ذیل رباعی پڑھی:

أمرتحل قومي المشارق غدوة وأترك في بيت بفردة منجد

ألا رب يوم لو مرضت لعادني عوائد من لم يشف منهن يجهد

''کیا میری قوم صبح اپنے گھروں کو لوٹ جائے گی اور میں اکیلا یہاں چھوڑ دیا جاؤں گا۔ کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ اگر میں مریض ہوتا تو عیادت کرنے والے اس قدر کثیر تعداد میں میری عیادت کرتے تھے کہ اگر کوئی ان سے احتراز نہ کرے تو وہ مشقت میں پڑ جائے۔''

زید رضی اللہ عنہ وہیں فوت ہو گئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ زید رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔ ان کی بیوی کو جب ان کی وفات کی خبر اور وہ تحریر ملی جس پر رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو جاگیر الاٹ کی تھی، تو اس نے اپنی کم علمی کی بنا پر وہ خطوط وغیرہ جلا ڈالے۔ سیدنا زید الخیر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے بھی صحابی تھے۔

یہ کا نام ملیف اور دوسرے کا حریث تھا۔ یہ دونوں عہد صدیقی میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتدین کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے۔[1]

وفد دوس اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی آمد

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوس قبیلے کے چار سو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور فرمایا:

[illegible]

''حسین ترین چہروں اور پاکیزہ ترین منہوں والے نہایت امین لوگوں کو خوش آمدید!''[2]



دوس عرب کا ایک مشہور قحطانی ازدی قبیلہ تھا۔ یہ نصر (شنوءہ) بن ازد کی اولاد میں دوس بن عدنان سے منسوب تھا۔ اس کے سردار طفیل بن عمرو دوسی تھے۔ وہ ایک فصیح و بلیغ شاعر اور بہت بڑے خطیب تھے۔ یہ اپنے قبیلے کے ستر یا اسی گھرانوں کے ساتھ 7ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے۔[3]

تربہ کے قریب وادی الخور جہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پرورش پائی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اسی وفد میں شامل تھے۔ اس وفد کے سب افراد اسی موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیبر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

اشعریوں کی آمد

صحیح بخاری اور سیرت کی کتابوں میں وفد اشعریین اور اہل یمن کی آمد کا ایک ہی باب باندھا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں گروہ ایک ساتھ ہی آئے تھے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اہل یمن سے مراد اشعریوں کے علاوہ یمن کے باشندے تھے اور وہ اہل حمیر تھے۔'' مزید فرماتے ہیں: ''اگرچہ باب دو گروہوں پر مشتمل ہے، تاہم اس سے مراد یہ نہیں کہ دونوں گروہ اکٹھے ایک ساتھ آئے تھے۔

1 سیرۃ ابن اسحاق: 2/649، البدایۃ والنہایۃ: 5/57، سیر اعلام النبلاء: 5/157-163، زاد المعاد: 3/616، 617
2 المعجم الکبیر للطبرانی: 10/368، یہ روایت ضعیف ہے۔ 3 سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا (المولد النبوی): 3/436-441.

کیونکہ اشعری سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتح خیبر کے موقع پر 7 ھ میں آئے تھے۔ اشعری قبیلہ ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان قحطانی سے منسوب تھا۔ جبکہ وفد حمیر 9 ھ کے عام الوفود میں حاضر خدمت ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ بنوتمیم کے ساتھ مل گئے تھے۔"[1] جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ بنوتمیم کے چند افراد حاضر خدمت ہوئے... اس کے کچھ دیر بعد اہل یمن کا وفد آ پہنچا۔[2]

اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ اہل یمن (بنوحمیر) اشعریوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ اشعری بھی یمن سے تعلق رکھتے ہیں اور بنوحمیر بھی یمنی ہیں، اس لیے انھیں اکٹھا بیان کر دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اشعریوں اور رسول اللہ ﷺ کا فراقِ تحسین

علامہ ابن سعد، بیہقی اور امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"تمھارے پاس ایک ایسی قوم آنے والی ہے جن کے دل تم سب سے زیادہ نرم ہیں۔"

کچھ دیر بعد اشعریوں کا وفد آ گیا۔ اس میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب آئے تو ان کی زبانوں پر یہ شعر تھا:

غدا [illegible]

"کل ہم اپنے پیارے دوستوں سے ملاقات کریں گے، یعنی محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ سے۔"[3]

اس سے واضح حدیث صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اہل یمن آگئے ہیں۔ ان کے دل بڑے نرم ہیں، ایمان یمنیوں کا ہے اور حکمت و دانائی بھی یمنیوں کا حصہ ہے۔"

یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کے دل ایمان و عرفان کے معدن اور علم و حکمت کا سرچشمہ ہیں۔

چونکہ اکثر اہل یمن بکریاں پالتے تھے، اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"سکون اور اطمینان بکریاں پالنے والوں میں ہے اور فخر و غرور اونٹ پالنے اور چیخ چیخ کر چلانے والوں میں ہے

1 فتح الباري 97/8. 2 صحيح البخاري، 3190. 3 [illegible] 105/3، دلائل [illegible] 351/5، طبقات [illegible] 348/1، 106/4

جو سورج طلوع ہونے کی سمت میں ہیں۔ (آپ ﷺ کا اشارہ اہل مشرق کی طرف تھا۔)" [1]

مصنف عبدالرزاق میں معمر فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر ملی کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "اے اللہ! کشتی والوں کو سلامت رکھ!" اس کے بعد آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: [illegible] "اب وہ کشتی محفوظ ہوگئی ہے۔" جب یہ لوگ مدینے کے قریب آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "اب وہ آگئے ہیں، ان کی قیادت ایک نیک آدمی کر رہا ہے۔"

پھر فرمایا:

[illegible]

"اس نیک آدمی کے ساتھ کشتی میں اشعری قبیلے کے لوگ ہیں۔ اور جو ان کی قیادت کر رہا ہے، وہ عمرو بن حمق خزاعی ہے۔"

جب وہ آگئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: [illegible] "آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا: زبید سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "اللہ زبید میں برکت عطا فرمائے۔" انھوں نے عرض کی: رمع (یمن کی ایک بستی) میں بھی۔ لیکن آپ نے فرمایا: "اللہ زبید میں برکت عطا فرمائے۔" انھوں نے پھر درخواست کی: اللہ کے رسول! رمع میں بھی۔ آپ ﷺ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا: "اللہ رمع میں بھی برکت عطا فرمائے۔" [2]

1 صحیح مسلم، 2752. 2 المصنف لعبدالرزاق: 64/11، حدیث: 19890، و دلائل النبوۃ للبیہقی: 298/5.

شہر زبید (یمن)



اشعریوں کا قبول اسلام اور تفقہ فی الدین کا جذبہ

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ جب اشعریوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [illegible] ''لوگوں میں اشعریوں کی موجودگی ایسے ہے جیسے تھیلی میں کستوری ہوتی ہے۔''[1]

وفد نے حاضر خدمت اقدس ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتدا اور آغاز کے متعلق دریافت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو ذکر (لوح محفوظ) میں لکھ دیا۔''[2]

فروہ بن مسیک مرادی کی بارگاہ نبوی میں آمد

ابو سبرہ فروہ بن مسیک مرادی اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کا قبیلہ مراد بن مالک (مذحج) بن ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان سے منسوب تھا۔ یہ کندہ کے بادشاہوں کے پاس رہتے تھے، پھر انھیں چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

1 الطبقات لابن سعد 1/79، سبل الهدى والرشاد 6/274. 2 صحيح البخاري 7418



ریاست کندہ (نجد) کے دار الحکومت الفاو کے کھنڈر

اسلام کی آمد سے قبل فروہ رضی اللہ عنہ کی قوم مراد اور ہمدان کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی جس میں ہمدانیوں نے مرادیوں کا بے پناہ خون بہایا تھا۔ اس دن کو ''یوم الردم'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ہمدانیوں کی قیادت اجدع بن مالک یا دوسرے قول کے مطابق مالک بن خریم ہمدانی نے کی تھی۔ فروہ بن مسیک نے اس دن کے بارے میں کچھ فخریہ اشعار بھی کہے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ ملوک کندہ کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے تو درج ذیل اشعار کہے:

لما رأيت ملوك كندة أعرضت كالرجل خان الرجل عرق نسائها

قربت راحلتي أؤم محمدا أرجو فواضلها وحسن ثرائها

''میں نے جب ملوک کندہ کو دیکھا کہ انھوں نے اس ٹانگ کی طرح جو عرق نسا کے باعث دوسری ٹانگ سے خیانت کرتی ہے، منہ موڑ لیا ہے تو میں نے اپنی اونٹنی کو محمد ﷺ کے پاس جانے کے ارادے سے قریب کیا اور میں ان کے منافع اور حسن ثروت کا امیدوار تھا۔''

جب فروہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے فروہ! ردم کے روز تیری قوم پر جو مصیبت آپڑی تھی، اس سے تجھے بھی تکلیف ہوئی تھی؟''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون ایسا شخص ہے جس کی قوم کو یوم ردم جیسی تکلیف پہنچے اور اسے دکھ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''یہ چیز تیری قوم کے اسلام قبول کرنے کے حوالے سے بہتر ثابت ہوگی۔''

فروہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ نبی ﷺ نے انھیں مراد، زبید اور مذحج کے قبائل پر عامل مقرر کردیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مدد کے لیے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا۔ یہ وہاں کے مسلمانوں سے صدقات وصول کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات تک یہ وہیں رہے۔[1]

1 [illegible] 654,653/2، [illegible] 64,63/5، السيرة [illegible] 229,228/4، [illegible] 36/4

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

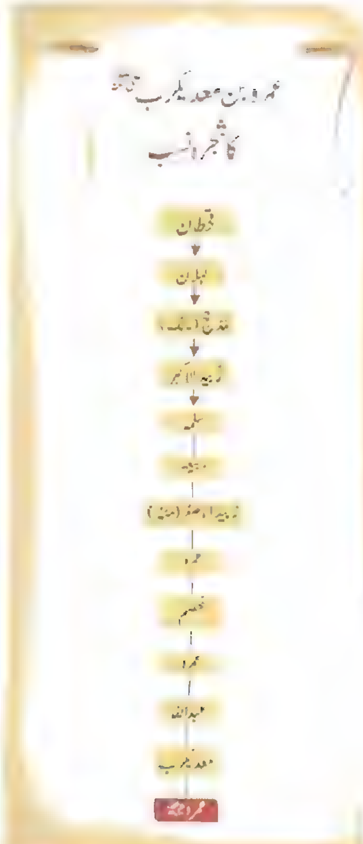
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ البدایہ میں فرماتے ہیں کہ عمرو بن معدیکرب نے مرتد ہونے کے بعد دوبارہ اسلام قبول کیا



تھا اور سیدنا صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بہت سی فتوحات میں شریک ہوا تھا۔ وہ مشہور و معروف بہادروں اور شاعروں میں سے تھا۔ اس کی وفات فتح نہاوند کے بعد 21ھ میں ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگ قادسیہ میں شریک ہوا اور اسی میں شہید ہوا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کب آیا؟ اس بارے میں دو قول ہیں: ایک 9ھ کا اور دوسرا 10ھ کا جبکہ ایک (مرجوح) قول یہ بھی ہے کہ وہ سرے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہی نہیں ہوا تھا۔[1] واللہ اعلم.

وفد کندہ کی آمد

کندہ یمن کا ایک قحطانی کہلانی قبیلہ ہے۔ ان کے جد امجد کا نام ثور بن عفیر بن عدی تھا اور کندہ اس کا لقب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک دادا کلاب کی والدہ دعد بنت سریر بن ثعلبہ اسی قبیلے سے تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کلاب کی نانی تھیں اور کلاب کی والدہ ہندان کی بیٹی تھیں۔

اس وفد میں کل 60 یا 80 افراد تھے۔ ان میں اشعث بن قیس نامی ایک شخص بھی تھا جو بہت خوبصورت اور وجیہ چہرے والا تھا۔ اگرچہ یہ کم سن تھا لیکن سارا قبیلہ دل سے اس کی بات مانتا تھا۔ یہ لوگ دربار نبوت میں حاضر ہونے لگے تو انھوں نے خوب تیاری کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور ایسے جبے زیب تن کیے جن کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ جب یہ حاضر خدمت ہوئے تو انھوں نے وہ سلام عرض کیا جو وہ اپنے ملوک و سلاطین کو پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے عرض کی: "آپ قابل ملامت کاموں سے دور رہیں، حتی کہ آپ خوبصورت کام سرانجام دیتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "میں بادشاہ نہیں ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔" انھوں نے عرض کی: ہم آپ کا نام لے کر آپ سے مخاطب ہونے کی جسارت اور گستاخی نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ابوالقاسم ہوں۔" انھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! ہم نے آپ کے لیے ایک چیز

1 البدایۃ والنہایۃ: 64/5

چھپائی ہوئی ہے۔ آپ بتائیے وہ کیا چیز ہے؟ انھوں نے گھی اور تیل وغیرہ کے برتن میں ٹڈی کی آنکھ چھپائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''سبحان اللہ! اس طرح کی باتیں تو کاہنوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ اور کاہن، کہانت کا پیشہ اختیار کرنے والے اور اسے سیکھنے اور ان جیسی باتیں کرنے والے آگ میں جائیں گے۔''

انھوں نے کہا: تو پھر ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور فرمایا: [illegible] ''یہ کنکر گواہی دیں گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

چنانچہ ان کنکریوں نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہ دیکھ کر ان سب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ باطل اس کے پاس پھٹک ہی نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔''

انھوں نے گزارش کی کہ آپ ہمیں بھی اس کتاب سے کچھ سنائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سورۂ صافات کی درج ذیل ابتدائی پانچ آیات تلاوت فرمائیں:

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ

''قسم ہے قطار در قطار صفیں باندھنے والوں (فرشتوں) کی۔ پھر جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی۔ پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی۔ بلاشبہ تمھارا معبود ایک ہی ہے۔ (وہی) رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا بھی جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور (تمام) مشرقوں کا رب ہے۔''[1]

اس کے بعد آپ ﷺ مکمل خاموش اور پرسکون ہوگئے۔ آپ کے آنسو آپ کی مبارک داڑھی پر گر رہے تھے۔ جب اہل وفد نے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ رو رہے ہیں۔ کیا یہ رونا آپ کو بھیجنے والے کے خوف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

1 الصّٰفّٰت 37: 1-5

[illegible]

[illegible]

''اللہ کے خوف نے مجھے رلا دیا ہے۔ اللہ نے مجھے ایک ایسے صراط مستقیم پر بھیجا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح باریک ہے۔ اگر میں تھوڑا سا بھی اس سے ہٹا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا﴾

''اور اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور لے جائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی حمایتی نہ پائیں گے۔''[1]

آپ ﷺ نے اہل وفد کو مخاطب کر کے فرمایا: [illegible] ''کیا تم مسلمان نہیں ہوئے؟'' انھوں نے عرض کی: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تو پھر تمھاری گردنوں میں یہ ریشم کیوں ہے؟'' چنانچہ اسی وقت سب نے ریشمی کنارے پھاڑ کر دور پھینک دیے۔

اس کے بعد اشعث بن قیس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم بھی بنو آکل المرار ہیں اور آپ بھی۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے۔ راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب اور ربیعہ بن حارث کو اس نسب کی طرف منسوب کیا۔ یہ دونوں بہت بڑے تاجر تھے اور تجارت کی غرض سے ان لوگوں کے علاقوں میں بھی جاتے تھے، چنانچہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ آپ کا تعلق کس سے ہے تو یہ کہتے: ہم بنو آکل المرار ہیں۔ ایسا کہہ کر وہ لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاتے تھے کیونکہ یہ نسب بنو کندہ کا تھا جو وہاں کے سردار اور بادشاہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسکرانے کے بعد فرمایا:

[illegible]

''نہیں، ہم بنو نضر بن کنانہ ہیں۔ ہم اپنی ماں پر بہتان نہیں لگاتے اور نہ اپنے باپ سے نسب کا انکار کرتے ہیں۔''

اس پر اشعث بن قیس نے کہا: ''اے کندہ کی جماعت! اب تم فارغ ہو گئے ہو۔ واللہ! اگر دوبارہ میں نے کسی کو ایسا کہتے سنا تو اسے 80 کوڑے لگاؤں گا۔''

1 بنی اسرائیل 86:17

آکل المرار کی وضاحت

اہل وفد نے اپنے آپ کو بنو آکل المرار کہا۔ یہ حارث بن عمرو کندی کا لقب تھا۔ یہ لقب اسے اس لیے دیا گیا تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے کسی لڑائی میں مرار نامی درخت کھایا تھا۔ اس لقب کی ایک اور وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عمرو بن ہند غسانی نے حارث بن عمرو کندی کی عدم موجودگی میں اس کی قوم پر حملہ کیا۔ مال غنیمت لوٹا اور کچھ لوگوں کو قید کر کے بھی لے گیا۔ قیدیوں میں حارث کی بیوی بھی تھی۔ اس نے عمرو بن ہند غسانی سے کہا: گویا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمھارے پاس ایک سیاہ فام آدمی آ رہا ہے جس کے ہونٹ ایسے ہیں جیسے مرار (ایک کڑوا درخت) کھانے والے اونٹ کے ہوتے ہیں، یعنی موٹے ہونٹ والا۔ (وہ درخت اتنا کڑوا ہوتا ہے کہ جب اونٹ اسے کھاتا ہے تو اس کے ہونٹ پھول جاتے ہیں) اس عورت کی مراد اس کا خاوند تھا۔ چنانچہ حارث آیا اور اس نے غسانی پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اپنی بیوی اور دوسرے قیدیوں کو چھڑایا اور اپنا مال و دولت دوبارہ حاصل کر لیا۔ حارث کی بیوی نے جو وصف بیان کیا تھا، وہی اس کا لقب پڑ گیا۔

اشعث بن قیس کا ارتداد اور دوبارہ اسلام لانا

اشعث نبی ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا، اسے قید کر کے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی بہن ام فروہ کی شادی اس سے کر دی۔ اشعث نے اپنی تلوار نکالی اور اونٹوں کی منڈی میں داخل ہو گیا۔ اس کے سامنے جو اونٹ آیا، اس نے اسے نحر کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا: اشعث کافر ہو گیا ہے۔ اس نے فارغ ہو کر تلوار پھینک دی اور کہا: اللہ کی قسم! میں کافر نہیں ہوا۔ اس آدمی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے اپنی بہن کے ساتھ میری شادی کر دی ہے۔ اگر ہم اپنے شہر میں ہوتے تو اس سے بڑھ کر ولیمہ کرتے۔ اے اہل مدینہ! تم کھاؤ اور اے اونٹوں کے مالکان! تم میرے پاس آؤ اور اپنے اونٹوں کی قیمت وصول کر لو۔

اشعث جنگ یرموک، قادسیہ اور عراق کی جنگوں میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اشعث نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد 42ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔[1]

1 السیرۃ لابن اسحاق 2/655،656، البدایۃ والنہایۃ 5/65،66، شرح الزرقانی 5/160-162، الاصابۃ 1/88، اسد الغابۃ 4/355،356، دلائل النبوۃ للبیہقی 1/237،238

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی آمد

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب میں مدینہ منورہ کے قریب آیا تو میں نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا۔ میں نے اپنے سامان سے اپنا حلہ (پوشاک) نکالا۔ اسے زیب تن کیا اور پھر مدینہ میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ لوگوں نے مجھے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔ میں نے اپنے ساتھ والے آدمی سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا رسول اللہ ﷺ نے میرا تذکرہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے خطبے کے دوران میں تمھارا ذکر خیر کیا اور فرمایا

[illegible]

''اس دروازے یا اس راستے سے یمن والوں کا ایک بہترین آدمی تمھارے پاس آئے گا۔ آگاہ رہو! اس کے چہرے سے حسن و جمال جھلک رہا ہو گا۔''

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ کے اس انعام پر شکر ادا کیا۔[1]

جریر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کب مسلمان ہوئے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اور حجۃ الوداع سے قبل مسلمان ہوئے تھے کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے کہا تھا۔[2] جریر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نہایت خوبصورت تھے۔ مسلمان ہونے کے وقت نوعمر تھے۔ قد کافی لمبا تھا اور بہت ہی شرم و حیا والے تھے۔ اپنی نظریں ہمیشہ جھکائے رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے آپ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تھا۔[3] وہ 51 یا 54 ھ میں فوت ہوئے تھے۔[4]

ایک روایت میں سیدنا جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اے جریر! تم کس لیے آئے ہو؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے میری طرف اپنی چادر

1 مسند احمد 362/4. 2 صحیح البخاری 121. 3 صحیح مسلم 2159. 4 الاصابة 475/1

ڈالی اور اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: [illegible] ''جب تمھارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز شخص آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے جریر! میں تمھیں اس گواہی کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر۔ تم فرض نماز پڑھو گے اور زکاۃ ادا کرو گے۔''

جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان تمام باتوں کی گواہی دے دی۔ اس کے بعد جب بھی رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے۔[2]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جریر رضی اللہ عنہ سے نماز اور زکاۃ کے بعد ہر مسلمان کی خیر خواہی کا عہد بھی لیا تھا۔[3]

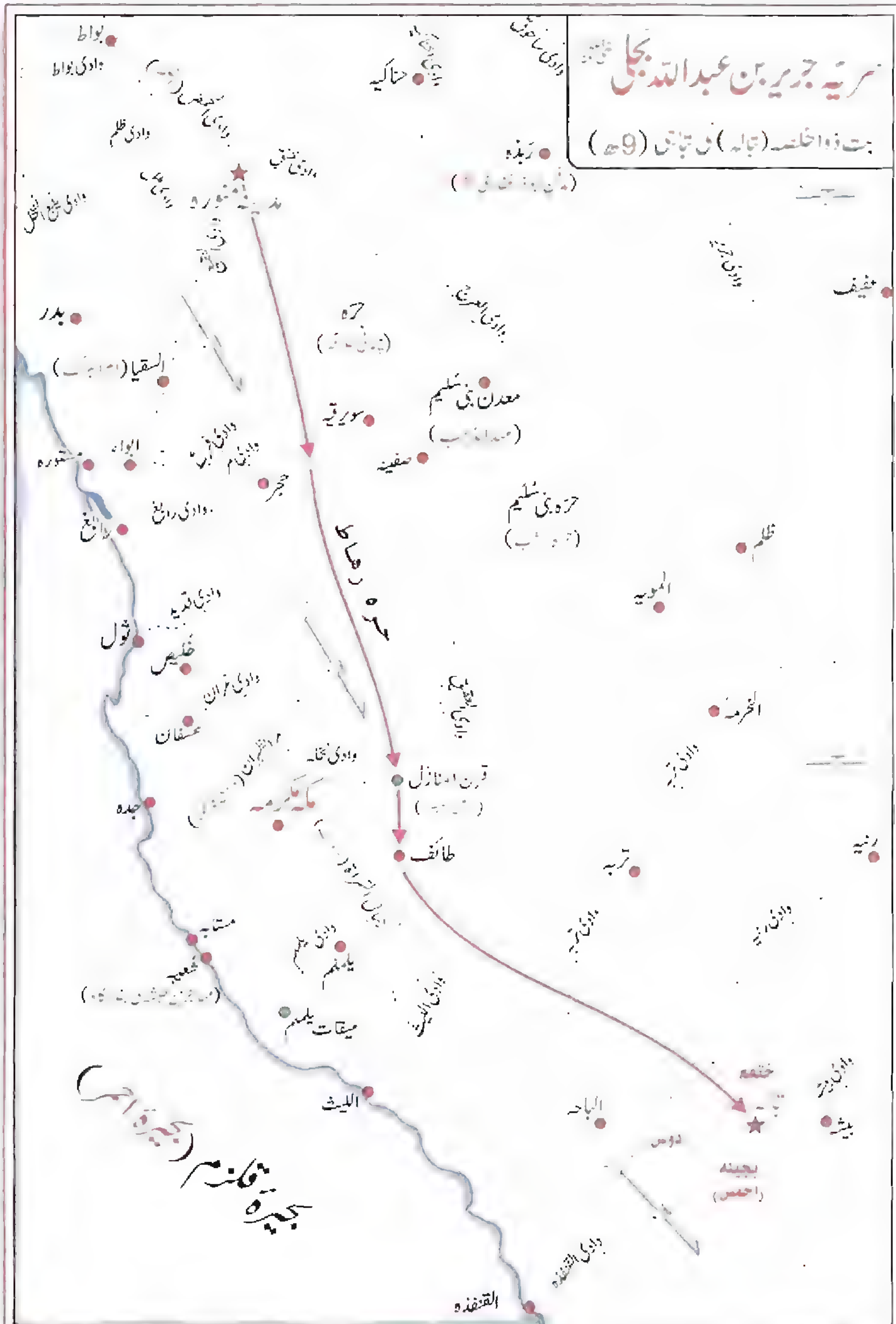
ذوالخلصہ کی طرف روانگی

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے تو آپ ﷺ نے انھیں ذوالخلصہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ ذوالخلصہ ایک گھر تھا جس میں بت تھے، خثعم اور بجیلہ قبیلہ کے لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ اس گھر کو کعبہ یمانیہ اور اصل بیت اللہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: [illegible] ''آپ مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچائیں گے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ مجھے اس کا اثر محسوس ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

[illegible]

''اے اللہ! اسے ثابت رکھ اور اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے۔''

[1] دیکھیے: سنن ابن ماجه، 3712. [2] السنن الكبرى للبيهقي، 168/8، دلائل النبوة للبيهقي، 347/5. [3] صحيح البخاري: 57 و 524.


سریہ جریر بن عبداللہ بجلی
مدینہ منورہ
بواط
وادی بواط
وادی ظلم
حناکیہ
ربذہ
ثقیف
بدر
حرہ
السقیا
معدن بنی سُلیم
سوارقیہ
صفینہ
مستورہ
الابواء
حجر
وادی رابغ
رابغ
حرہ بنی سُلیم
ظلم
الموسیہ
ثول
خلیص
عسفان
الخرمہ
قرن المنازل
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
رنیہ
یلملم
میقات یلملم
اللیث
خثعم
الباحہ
دوس
بیشہ
بجیلہ
(احمس)
بحیرہ قلزم
القنفذہ
وادی القنفذہ

رسول اللہ ﷺ کی دعا کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

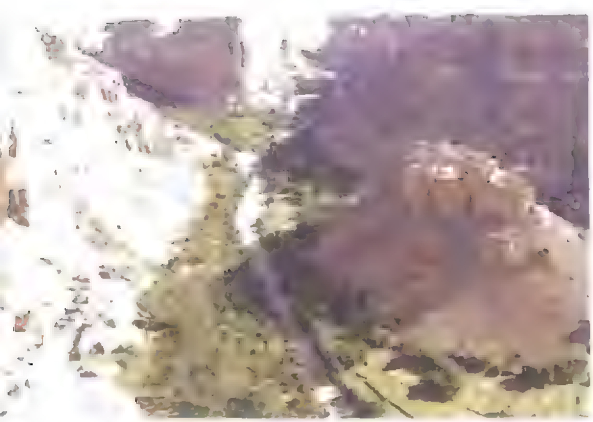
چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ اپنی قوم احمس کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ ذوالخلصہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اس گھر کو آگ لگا کر مسمار کر دیا اور ایسے کر دیا جیسے ایک بیمار خارش زدہ اونٹ ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری دینے کے لیے ابوارطاۃ نامی ایک شخص کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مہم کی کامیابی کی نوید سنائی تو آپ ﷺ نے احمس کے جوانوں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔[1]

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی آمد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اور دیگر محدثین، بزار اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب مجھے نبی ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی، اس وقت میں ایک بڑی مملکت کا سربراہ تھا۔ ہر قسم کی آسائشیں اور راحتیں میسر تھیں۔ میں نے ان سب کو ٹھکرا دیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کے لیے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھے بتایا کہ آج سے تین دن پہلے اللہ کے نبی ﷺ نے آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا۔ پھر اپنی ردائے مبارک بچھائی اور مجھے اس پر اپنے ساتھ بٹھایا اور منبر پر بھی مجھے ساتھ کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[illegible]

وادی دوعان (حضرموت)



''اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہیں۔ یہ تمھارے پاس بڑے دور کے علاقے حضرموت سے تشریف لائے ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے آئے ہیں، انھیں کسی نے مجبور نہیں کیا۔ یہ اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کے طلبگار بن کر آئے ہیں، اور یہ بادشاہوں کی باقی ماندہ اولاد میں سے ہیں۔ اے وائل! اللہ

1 صحیح البخاری، 3020، البدایۃ والنہایۃ: 5/91، 93.

تمھیں اور تمھاری اولاد در اولاد کو برکتیں عطا فرمائے۔"

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے جونہی آپ کی بعثت کا علم ہوا، میں اپنا ملک، شاندار محلات اور آرام و آسائش کے جملہ وسائل کو الوداع کہہ کر اللہ کا دین سیکھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "تم نے سچ کہا ہے۔" آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا، یہ ابھی ابھی اپنا ملک چھوڑ کر آئے ہیں۔" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے خاندان والوں نے میری مملکت مجھ سے چھین لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"میں تمھیں وہ سب کچھ اور اس کا دوگنا اور عطا کروں گا۔"

وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

[illegible]

"جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے برابر تک لے جاؤ اور جب عورت نماز پڑھے تو وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے کے برابر تک لے جائے۔"[1]

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر نبی ﷺ منبر سے نیچے اترے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترا۔ نبی ﷺ نے میرے لیے مدینہ میں ایک بہترین رہائش کا بندوبست کیا اور اس کام کی ذمہ داری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی لگائی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ وائل رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ پیدل تھے۔ گرمی بڑی شدید تھی۔ دھوپ کی وجہ سے کنکریاں اور سنگریزے انگاروں کی طرح گرم تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھا لیجیے۔ وائل رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ان لوگوں میں سے نہیں جو بادشاہوں کے پیچھے سوار ہوتے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ مجھے اپنے جوتے ہی عنایت فرما دیں تاکہ میں پہن کر گرم پتھروں کی تکلیف سے بچ سکوں۔ وائل رضی اللہ عنہ نے کہا: اب میں نے جوتے پہن لیے ہیں، اس لیے نہیں دے سکتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ان گرم پتھروں نے میرے پاؤں جلا دیے ہیں۔ انھوں نے کہا: میری اونٹنی

[1] [illegible] 354/10، المعجم الکبیر للطبرانی 15/395، 423، [illegible] 175/8: یہ حدیث ضعیف ہے۔ [illegible] 5500

کے سائے میں چلو، یہی تمھارے لیے بڑا شرف ہے۔

وائل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور مجھے گزشتہ واقعہ بھی یاد کرایا۔ میں نے اس موقع پر خواہش کی: کاش! میں نے اس وقت انھیں اپنے آگے بٹھایا ہوتا۔[1]

لقیط بن عامر منتفق کی آمد

امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ عاصم بن لقیط اپنے والد لقیط سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی نہیک بن عاصم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے چل پڑے۔ ہم ماہ رجب کے آخر میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ملے جب آپ نماز فجر سے فارغ ہوئے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''اے لوگو! سنو میں نے چار دن سے اپنی آواز تم سے چھپائی ہوئی ہے۔ سنو! میں آج تمھیں اپنی آواز سنانا چاہتا ہوں۔ کیا یہاں کوئی ایسا شخص موجود ہے جسے اس کی قوم نے بھیجا ہو کہ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے آگاہ کرو۔ خبردار! اسے اپنے نفس کی باتیں یا اس کے ساتھی کی باتیں یا گمراہ لوگ غافل نہ کر دیں۔ خبردار! مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ خبردار! غور سے سنو تاکہ تم اچھی زندگی گزارو۔ بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔''

لقیط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ بیٹھ گئے تو میں اور میرا ساتھی کھڑے ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و دل ہمارے لیے فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس کتنا علم غیب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے۔ اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک سر کو جنبش دی اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں کس کی جستجو میں ہوں۔

1 البداية والنهاية: 5/72، 73، الآحاد والمثاني: 431/6، مسند أحمد: 399/6، مزید دیکھیے مجمع الزوائد: 374/9، 375.

آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تیرے رب نے غیب کی پانچ چابیاں کسی کو نہیں دیں۔ ان پانچ کو صرف وہی اللہ ہی جانتا ہے۔'' آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے (پانچ کا) اشارہ کیا۔

میں نے عرض کی: وہ کون سی پانچ چیزیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''موت کا علم اور وہ جانتا ہے کہ تم میں سے کس کی موت کب ہوگی لیکن تم نہیں جانتے، اور منی جب رحم میں ہوتی ہے تو اسے اس کا پتہ ہوتا ہے لیکن تمھیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کل کو جو کچھ ہونے والا ہے اس کا علم اور تم کل کیا کھانے والے ہو، اس بات کا علم جبکہ تم نہیں جانتے۔ بارش کے دن کا علم۔ وہ تم پر نظر ڈالتا ہے، تم قحط میں مبتلا ہوتے ہو، تنگی محسوس کر رہے ہوتے ہو اور خوفزدہ ہوتے ہو۔ وہ ہنس پڑتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ اب تمھاری حالت جلد ہی (اچھائی میں) بدلنے والی ہے۔''

لقیط ؓ فرماتے ہیں: ہم اس رب کی بھلائی سے محروم نہیں رہیں گے جو ہنستا ہے۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں بھی وہ کچھ سکھائیے جو آپ دوسرے لوگوں کو سکھاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی جو آپ جانتے ہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے ہیں کہ کوئی بھی ہماری بات کو سچا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ نہ تو مذحج میں سے جو ہم پر حکمران ہیں، نہ خثعم میں سے جن کے ساتھ ہمارا موالات کا تعلق ہے اور نہ ہمارے اپنے کنبے قبیلے میں سے (کوئی ہماری تصدیق کرے گا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

’’کچھ عرصہ تم اسی طرح ٹھہرو گے۔ پھر تمھارے نبی ﷺ فوت ہو جائیں گے۔ پھر تم کچھ مدت ٹھہرو گے، پھر ایک کڑک بھیجی جائے گی۔ قسم ہے تیرے معبود کی! وہ زمین کی سطح پر کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔ وہ فرشتے بھی مر جائیں گے جو تیرے رب کے پاس ہیں۔ تمھارا پروردگار زمین کا چکر لگائے گا۔ شہر خالی ہو چکے ہوں گے اور تیرا رب بادل کو بھیجے گا جو عرش کے پاس سے برسے گا۔ قسم ہے تیرے معبود کی! زمین پر کسی مقتول کی قتل گاہ اور مردے کی قبر ایسی نہیں رہے گی جو شق نہ ہو جائے، یہاں تک کہ وہ قبر کے سرہانے پر ہوگا اور ٹھیک ٹھاک ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر تیرا رب اس کی حالت کی وجہ سے اس سے کہے گا: تو کتنی زندگی گزار کر آیا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں کل بلکہ آج ہی فوت ہوا ہوں۔ اپنی زندگی کی یادداشتوں کی وجہ سے وہ سمجھے گا کہ وہ ابھی اپنے گھر والوں سے جدا ہوا ہے۔‘‘

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جب ہوائیں، بوسیدگی اور درندے ہمیں ریزہ ریزہ کر چکے ہوں گے تو پھر رب تعالیٰ ہمیں کیسے زندہ فرمائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’میں اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں میں سے تمھارے سامنے مثال بیان کرتا ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ کبھی آباد نہیں ہو سکتی۔ پھر رب تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے اور کچھ عرصہ بعد تمھارا گزر پھر اسی زمین سے ہوتا ہے تو وہ ہلہاری ہوتی ہے۔ تمھارے معبود کی قسم! وہ زمین کی پیداوار کو اکٹھا کرنے (اور اگانے) سے کہیں زیادہ انھیں پانی سے جمع کرنے پر قدرت رکھتا ہے، چنانچہ وہ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے۔ تم اسے (اپنے رب کو) دیکھو گے اور وہ تمھیں دیکھے گا۔‘‘

میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سارے زمین والے مل کر اس ایک ذات کو اور وہ ایک ذات ہم سب کو کیسے دیکھ سکے گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"میں تمھارے سامنے اللہ کی دوسری نعمتوں سے مثال بیان کرتا ہوں۔ چاند اور سورج اس کی بہت چھوٹی سی مثالیں ہیں۔ تم آن واحد میں انھیں دیکھ سکتے ہو اور وہ تمھیں دیکھ سکتے ہیں۔ تمھیں ان کو دیکھنے میں کسی قسم کی کوئی مشقت نہیں کرنی پڑتی۔ تمھارے معبود کی قسم! وہ تمھارے بغیر مشقت کے چاند، سورج کو اور ان کے تمھیں دیکھنے سے زیادہ اس بات پر قادر ہے کہ تم اسے اور وہ تمھیں دیکھ سکے۔"

میں نے ادب سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"تم اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔ تمھارے چہرے اس کے سامنے عیاں ہوں گے، اس پر تمھاری کوئی بات مخفی نہ ہوگی۔ پروردگار پانی کا ایک چلو لے کر تم پر اس کا چھینٹا مارے گا۔ وہ پانی تم میں سے ہر ایک شخص تک پہنچے گا۔ مسلمان کے چہرے کو تو وہ سفید نرم و ملائم کپڑے کی طرح کر چھوڑے گا اور کافر کی ناک پر کوئلے کی طرح جم کر لگے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! اس کے بعد تمھارے نبی (ﷺ) روانہ ہوں گے۔ ان کے پیچھے پیچھے نیک لوگ بھی چل پڑیں گے اور وہ آگ کے ایک پل پر چلیں گے۔ تم میں سے کسی کے پاؤں تک

انگارا آئے گا تو وہ تکلیف سے کراہے گا۔ تمھارا پروردگار فرمائے گا: (برے عملوں کے نتیجے میں انگاروں پر چلنے کا) یہی تو وقت ہے۔ اللہ کی قسم! پھر تم لوگ اپنے نبی کے حوض پر پیاسے آؤ گے، اتنے شدید پیاسے کہ میں نے آج تک اتنا پیاسا کسی کو نہیں دیکھا۔ تمھارے معبود کی قسم! تم میں سے جو بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھائے گا، پانی کا ایک پیالہ اس کے ہاتھ میں آجائے گا جسے پینے کے بعد وہ پیشاب، پاخانہ اور ہر قسم کی گندگیوں سے پاک ہو جائے گا۔ سورج اور چاند کو معدوم کر دیا جائے گا۔ تم ان میں سے کسی کو نہ دیکھو گے۔''

میں نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تو پھر ہم کس کی روشنی میں دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''تم جس طرح ابھی اس وقت دیکھ رہے ہو، اسی طرح دیکھو گے، سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک ایسے دن میں جب زمین روشن ہو اور پہاڑ نظر آ رہے ہوں۔''

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: ہمیں نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ کس طرح دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ثواب اور ایک برائی کا صرف ایک ہی گناہ ہوگا الا یہ کہ وہ معاف فرما دے۔''

میں نے کہا: جنت اور جہنم سے متعلق بھی کچھ بیان فرمائیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''تیرے معبود کی قسم! جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ سوار ان دونوں کے درمیان ستر سال تک چلتا رہے۔ اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ہر دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ سوار ان کے درمیان ستر سال تک چلتا رہے۔''

میں نے عرض کی: جنت میں ہمیں کون سی نعمتیں میسر ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''خالص شہد کی نہریں، شراب کی نہریں جس سے سر درد ہوگا نہ کوئی باعث ندامت حرکت ہوگی، ایسے دودھ کی نہریں جس کا ذائقہ کبھی خراب نہ ہو اور ایسے پانی کی نہریں جو کبھی بدبودار نہ ہو۔ ایسے میوے، تمھارے معبود کی قسم! جنھیں تم نہیں جانتے اور اس سے بھی بہتر، اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔''

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ بیویاں جو ہمیں ملیں گی، نیک ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''نیکوکاروں کے لیے نیک بیویاں ہی ہوں گی۔ تم ان سے اور وہ تم سے اس طرح لذت حاصل کریں گی جیسے دنیا میں تم ایک دوسرے سے لذت حاصل کرتے ہو، البتہ وہاں (دنیا کی طرح) بچے پیدا نہیں ہوں گے۔''

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: ہمارا سب سے افضل اور بلند ترین مقام کون سا ہوگا؟ اس پر نبی ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے عرض کیا: میں کس شرط پر آپ سے بیعت کروں؟ نبی ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیلا کر فرمایا:

''نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، مشرکین کو چھوڑ دینے اور اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ کرنے کی شرط پر۔''

میں نے کہا: کیا ہمیں مشرق و مغرب کے درمیان کچھ حقوق حاصل ہوں گے؟ اس پر نبی ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ واپس کھینچ لیا اور یہ خیال فرمایا کہ شاید میں کوئی ایسی شرط لگانے والا ہوں جو نبی ﷺ پوری نہیں کر سکتے۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم جہاں چاہیں جا سکیں اور ہر آدمی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہو؟ تو نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلا کر فرمایا:

''تمھیں یہ حقوق حاصل ہیں کہ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو اور اپنے جرم کے ذمہ دار صرف تم ہی ہوگے۔''

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم واپس (اپنی قیام گاہ پر) چلے گئے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''تیرے معبود کی قسم! یہ دونوں دنیا اور آخرت میں بڑے متقین لوگوں میں سے ہیں۔''

ہے۔ آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر لشکر کو واپس بلا لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عمرۂ جعرانہ کے بعد سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ قبیلہ صداء پر لشکر کشی کے لیے بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے اپنا ایک آدمی بھیجا جس نے رسول اللہ ﷺ سے آکر عرض کی کہ آپ اپنا لشکر واپس بلا لیجیے، میں اپنی قوم کے اسلام کی ضمانت دیتا ہوں۔ چنانچہ بعد میں 15 آدمیوں کا وفد آیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر اس خاندان کے 100 افراد نے نبی ﷺ کی معیت میں حج بھی کیا۔[1]

زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی قوم کو خط لکھا۔ خط پڑھتے ہی وہ مسلمان ہو کر وفد کی صورت میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ کل پندرہ افراد تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں کی مہمان نوازی کا موقع مجھے دیجیے۔ چنانچہ وہ سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ سعد نے انھیں عطیات دیے، ان کی عزت افزائی کی اور انھیں خوبصورت لباس دیے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ چنانچہ یہ سب مسلمان ہو گئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس خاندان کے 160 افراد نے نبی ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

”اے صدائی! واقعی تمھاری قوم تمھارا حکم مانتی ہے۔“

زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”کیا میں تمھیں تمھاری قوم کا سردار نہ بنا دوں؟“ میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! بنا دیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے میرے لیے ایک خط لکھا اور مجھے امیر بنا دیا۔ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے صدقات کے بارے میں حکم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بہت اچھا“ اور پھر آپ ﷺ نے میرے لیے ایک اور خط لکھا۔

زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے کسی سفر پر تھے۔ آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اس بستی کے لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنے عامل کی شکایت لے کر آئے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے ہمارے اور اس کی

1 دلائل النبوۃ 289/2۔ 2 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 326/1

قوم کے درمیان دورِ جاہلیت میں جو چپقلش تھی، اس کی وجہ سے اس نے ہماری گرفت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کیا واقعی اس نے ایسا کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ نبی ﷺ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ میں بھی ان میں موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لا خیر في الإمارة لرجل مؤمن» ''ایک مومن آدمی کے لیے امارت و سرداری میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔''

زیاد بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی۔ اسی دوران میں ایک اور شخص حاضرِ خدمت ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من سأل الناس عن ظهر غنى فصداع في الرأس وداء في البطن»

''جو شخص مالدار ہونے کے باوجود سوال کرتا ہے تو یہ سر درد اور پیٹ کی بیماری ہے۔''

سائل نے کہا: مجھے صدقے سے کچھ عطا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن الله لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية أجزاء فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقك»

''اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں اپنے نبی اور کسی دوسرے آدمی کے فیصلے سے راضی نہیں ہوا، یہاں تک کہ اس نے خود ان کے بارے میں فیصلہ کیا اور ان کے آٹھ حصے کیے ہیں۔ اگر تو انھی (آٹھ) حقداروں میں سے ہے تو میں تجھے تیرا حق ضرور دوں گا۔''

زیاد صدائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس بات سے بھی میرے دل پر اثر ہوا اور میں نے سوچا کہ میں مالدار ہوں اور پھر بھی میں نے نبی ﷺ سے صدقے کے بارے میں سوال کیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں چلے تو میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی آپ ﷺ سے دور بھی ہو جاتے تھے لیکن میں آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ چنانچہ جب صبح کی نماز کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا۔ میں نے اذان دی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اقامت کہوں؟ آپ ﷺ نے یہ دیکھنے کے لیے کہ فجر طلوع ہوئی ہے یا نہیں، مشرق کی طرف نظر کی اور فرمایا: ''ابھی نہیں۔'' جب فجر طلوع ہوئی تو آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے، جب واپس اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا

«هل من ماء يا أخا صداء؟»

''اے صدائی! تمھارے پاس کچھ پانی ہے؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہے تو سہی مگر بہت کم ہے۔ آپ کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”وہ پانی کسی برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آؤ۔“ میں نے حکم کی فوراً تعمیل کی اور پانی برتن میں ڈال کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی بابرکت ہتھیلی اس برتن کے اندر رکھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے چشمے کی صورت میں پانی پھوٹ رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

”اگر مجھے اپنے رب سے شرم محسوس نہ ہوتی تو ہم ضرور پانی پیتے اور ذخیرہ بھی کرتے۔ میرے صحابہ کرام میں اعلان کردو: جسے پانی کی ضرورت ہو، وہ آجائے۔“

میں نے اعلان کیا۔ چنانچہ جسے جتنی ضرورت تھی، اس نے وہاں سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنی چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”صدائی باشندے نے اذان کہی تھی اور جو شخص اذان دے، وہی تکبیر کہے۔“

زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اقامت کہی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے پاس دونوں خط لایا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ان دونوں باتوں سے معاف فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”تم پر کیا واضح ہوا ہے؟“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مومن کے لیے امارت و سرداری میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اور میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ مزید میں نے سائل کے متعلق آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص تونگری کے باوجود لوگوں سے سوال کرتا ہے تو یہ سر درد اور پیٹ کی بیماری ہے۔ اور میں نے آپ سے سوال کیا ہے، حالانکہ میں مال دار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”ہاں یہ بات تو ہے۔ اب یہ تمھاری مرضی ہے، چاہو تو قبول کرو اور چاہو تو اسے چھوڑ دو۔“ میں نے کہا: میں یہ سب نہیں لینا چاہتا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: [illegible] ”پھر مجھے تم کوئی ایسا مناسب شخص بتاؤ جسے میں تم لوگوں کا سردار مقرر کر دوں۔“

چنانچہ میں نے اہل وفد میں سے ایک شخص کے بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے اسے ہمارا امیر مقرر کر دیا۔

زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے نبی ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! ہمارا ایک کنواں ہے، سردیوں میں تو ہمارے لیے اس کا پانی کافی ہو جاتا ہے، البتہ جب گرمیاں آتی ہیں تو کنویں کا پانی کم پڑ جاتا ہے جس کی وجہ

سے ہمیں اپنے گرد و نواح کے دشمنوں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہمارے اردگرد کے قبائل ہمارے دشمن ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے کنویں کے پانی کی برکت کے لیے دعا فرما دیجیے کہ پانی ہمیں کافی ہو جائے، ہمیں دوسرے علاقوں کی طرف نہ جانا پڑے اور جمعیت قائم رہے۔ آپ ﷺ نے سات سنگریزے منگوائے اور انھیں اپنے مبارک ہاتھ میں ملا اور ان میں برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا:

اذهبوا بهذه الحصيات فإذا أتيتم بئركم فألقوها واحدة واحدة واذكروا اسم الله عز وجل

''یہ کنکر لے جاؤ۔ جب تم کنویں کے پاس جاؤ تو اللہ کا نام لے کر یہ ایک ایک کر کے کنویں میں ڈال دو۔''

زیاد بن حارث فرماتے ہیں: ہم نے آپ کے حکم کے مطابق کنکر کنویں میں پھینکے، چنانچہ کنویں کا پانی اس قدر بڑھ گیا کہ ہم پھر کبھی اس کی گہرائی نہیں دیکھ سکے۔[1]

حارث بن حسان بکری رضی اللہ عنہ کی آمد

مسند احمد میں ابو وائل، حارث بن حسان بکری سے بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر گیا۔ جب میں ربذہ سے گزرنے لگا تو میں نے دیکھا کہ بنو تمیم کی ایک بڑھیا وہاں الگ تھلگ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے رسول اللہ ﷺ سے کام ہے، کیا تم مجھے ان تک پہنچا سکتے ہو؟ چنانچہ میں اسے سوار کر کے مدینہ لے آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد لوگوں سے اٹی ہوئی ہے، ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا ہے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تلوار سونتے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی غرض سے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہاں کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/355-357، المعجم الكبير للطبراني 5/218، البداية والنهاية 5/74، 75.



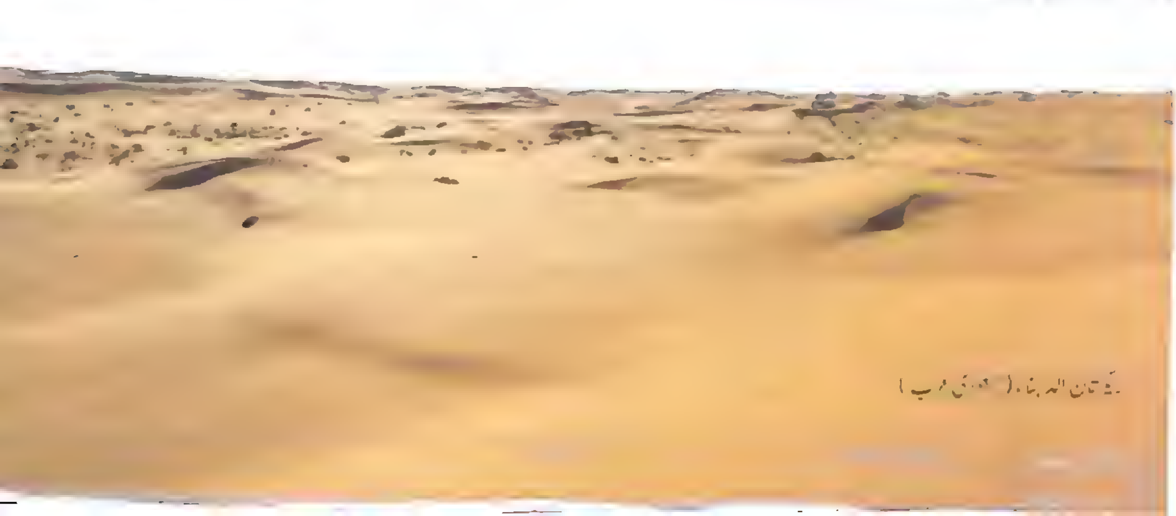
ربذہ (صوبہ مدینہ منورہ) کے آثار

انھیں شکر کشی کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں نے آپ ﷺ سے گھر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ میں نے داخل ہو کر سلام عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت طلب کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تمھارے اور بنو تمیم کے درمیان کوئی چپقلش چل رہی ہے؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں لڑائی بھی ہوئی ہے اور ہمیں ان پر فتح حاصل ہوئی ہے۔ ابھی جب میں ادھر آ رہا تھا تو میرا گزر ایک تمیمی بڑھیا کے پاس سے ہوا جو وہاں الگ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے عرض کی کہ کیا تم مجھے سوار کر کے نبی ﷺ کے پاس لے جاؤ گے؟ چنانچہ میں اسے یہاں لے آیا ہوں اور وہ باہر دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی تو وہ بھی اندر آ گئی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمارے اور بنو تمیم کے درمیان کوئی روک بنانا چاہتے ہیں تو ریگستان دہناء کو بنا دیجیے۔ یہ سن کر بڑھیا غصے میں آ گئی اور اٹھنے کے لیے تیار ہوئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! آپ کا مضر قبیلہ کہاں مجبور ہو گا؟

حارث کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس بڑھیا کو اپنے ساتھ لایا ہوں، مجھے کیا خبر تھی کہ یہی مجھ سے جھگڑنے لگ جائے گی۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں عاد کے قاصد کی طرح ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''عاد کے قاصد کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: آپ نے ایک باخبر آدمی سے پوچھا ہے۔ یہ جملہ سن کر سلام ﷺ کہنے لگے: یہ احمق آدمی ہے جو نبی ﷺ سے کہہ رہا ہے کہ آپ نے ایک باخبر آدمی سے پوچھا ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم بیان کرو۔'' حالانکہ آپ اس کے متعلق خوب جانتے تھے لیکن آپ ﷺ پوری بات سن کر اس کلام سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ میں نے کہا: عاد قحط میں مبتلا کر دیے



ریگستان الدہناء (سعودی عرب)



ظفار (عمان) میں حقاف کے ٹیلوں سے برآمد شدہ قوم عاد کی عمارت

گئے تو انھوں نے قیل بن عنز کو مکہ بھیجا کہ وہ وہاں جا کر ان کے لیے بارش طلب کرے، چنانچہ قیل بن عنز کا گزر معاویہ بن بکر کے پاس سے ہوا تو وہ ایک مہینہ اس کا مہمان بن کر ٹھہرا رہا۔ وہاں اسے شراب پیش کی جاتی اور دو رقاصائیں اس کے سامنے رقص کرتی رہتیں۔ جب ایک مہینہ گزر گیا تو وہ باہر نکلا اور بڑا غمگین ہوا۔ اس نے قوم عاد کے لیے بارش طلب کی تو چند بادل آئے۔ اس نے ان میں سے سیاہ بادل کا انتخاب کیا تو آواز دی گئی کہ اسے اس حال میں لے لو کہ یہ جلی ہوئی راکھ ہے، جو عادیوں سے کسی کو نہیں چھوڑے گی۔

راوی بیان کرتا ہے: مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اتنی ہوا بھیجی جتنی میری اس انگوٹھی میں چلتی ہے، حتی کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

جامع ترمذی کی روایت سے مزید واضح ہو جاتا ہے کہ یہی لوگ تھے جن پر ''الرِّيحَ الْعَقِيمَ'' ''بے فیض نسل کاٹنے والی آندھی'' کا عذاب نازل ہوا تھا۔[1]

ابو وائل کہتے ہیں: پھر یہ شخص ضرب المثل بن گیا، چنانچہ جب بھی کوئی مرد یا عورت کسی کو قاصد بنا کر بھیجتے تو کہتے: ''دیکھنا کہیں عادیوں کے قاصد کی طرح نہ بن جانا۔''[2]

عبدالرحمٰن بن ابی عقیل ثقفی کی آمد

عدنانی قبیلہ ہوازن کی شاخ بنو ثقیف کا جد امجد ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن تھا۔ مستدرک حاکم میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عقیل ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے دروازے پر اپنے اونٹ باندھ دیے۔ ہم جس آدمی (محمد ﷺ) کے پاس گئے، ہمارے نزدیک وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر ناپسندیدہ تھا۔ لیکن جب ہم واپس آئے تو سب سے بڑھ کر آپ ﷺ ہمارے نزدیک محبوب تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول!

1 جامع الترمذي، 3273. 2 مسند أحمد 482/3، حديث 16050، البداية والنهاية 75/5، 76، مجمع الزوائد: 318/6.

آپ نے اپنے رب سے سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کی طرح بادشاہی نہیں مانگی؟ آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا:

[illegible]

"شاید کہ تمھارے ساتھی کے لیے اللہ کے ہاں سلیمان (علیہ السلام) کی بادشاہت سے افضل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک (قبول ہونے والی) دعا کا اختیار دیا ہے۔ ان میں سے کسی نے اسے دنیا کے لیے خاص کیا تو اللہ نے انھیں دنیا عطا فرما دی، اور کسی نے اپنی قوم کے خلاف جب قوم نے ان کی نافرمانی کی، بددعا کی تو وہ اس سے ہلاک ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ایک دعا عطا فرمائی ہے اور میں نے اسے اپنے رب کے پاس قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے۔"[1]

فروہ بن عمرو جذامی کے قاصد کی آمد

فروہ بن عمرو جذامی قیصر روم کی طرف سے معان اور اس کے گرد ونواح کے شامی علاقوں پر گورنر تھا۔ اس کی رہائش معان میں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دعوتی مراسلہ روانہ فرمایا تھا جس کے نتیجے میں یہ مسلمان ہوگیا اور اس نے مسعود بن سعد جذامی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنا قاصد بنا کر اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی۔ یہ قاصد بھی مسلمان ہوگیا اور اس نے شرف صحابیت حاصل کیا۔ فروہ نے آپ ﷺ کی طرف چند تحائف بھی بھیجے تھے جن میں فضہ نامی سفید خچر، ایک گھوڑا جس کا نام ظرب تھا، ایک یعفور نامی گدھا، کچھ کپڑے اور ایک قبا تھی۔ آپ ﷺ نے یہ ہدیے قبول فرما لیے۔ آپ ﷺ نے قاصد کو بارہ اوقیے چاندی عطا فرمائی۔ جب رومیوں کو فروہ کے اسلام کی خبر ہوئی تو انھوں نے انھیں گرفتار کر کے قید کر دیا اور پھر بعد میں فلسطین میں عفراء نامی چشمے کے قریب انھیں سولی دے دی۔

انھوں نے تختہ دار پر لٹکتے ہوئے درج ذیل شعر پڑھا:

أَبْلِغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِينَ بِأَنَّنِي ... سَلْمٌ لِرَبِّي أَعْظُمِي وَمَقَامِي

"مسلمانوں کے سرداروں کو اطلاع کر دو کہ میں نے اپنی ہڈیاں اور اپنا مقام اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے۔"[2]

1 المستدرك للحاكم: 138/1، دلائل النبوة للبيهقي: 358/5، البداية والنهاية: 76/5. 2 البداية والنهاية: 78،77/5، شرح الزرقاني: 192،191/5، أسد الغابة: 395/2.



تمیم داری ؓ کی آمد

صحیح مسلم میں تمیم داری ؓ کی آمد اور بیعت اسلام کا واقعہ موجود ہے۔[1] ان کی کنیت ابورقیہ اور نام تمیم بن اوس بن خارجہ تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا۔ یہ نصرانی تھے۔ 9 ھ میں اپنی قوم بنو دار کے ساتھ مدینہ آئے۔ اس وفد میں ان کے ساتھ ہانی بن حبیب، فاکہ بن نعمان، جبلہ بن مالک، ابو ہند بر، نعیم بن اوس (بھائی تمیم داری ؓ)، یزید بن قیس، عبدالرحمن بن مالک اور مرارہ بن مالک تھے۔ انھوں نے نبی ﷺ کو تحفے بھی پیش کیے۔ جب یہ لوگ جانے لگے تو آپ ﷺ نے بھی ان کے لیے بہت سے تحفے، کھجور اور جائیداد دی۔ سیدنا تمیم داری ؓ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں رہے اور سیدنا عثمان ؓ کی شہادت کے بعد شام منتقل ہوگئے۔[2]

جساسہ کا واقعہ

سیدہ فاطمہ بنت قیس ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز سنی، وہ لوگوں کو نماز کے لیے پکار رہے تھے۔ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی۔ میں عورتوں کی سب سے اگلی صف میں تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا: [illegible] ''ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔'' پھر ارشاد فرمایا: [illegible]

1 صحیح مسلم: 2942۔ 2 اسد الغابۃ: 1/215، [illegible] ص 58۔

''کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہاں کیوں جمع کیا ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ کی قسم! میں نے تمھیں کسی بات کی رغبت دلانے یا ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمھیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری جو ایک نصرانی آدمی تھے، وہ آئے ہیں۔ انھوں نے اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے مجھے ایک بات بتائی ہے جو اس خبر کے عین موافق ہے جو میں تمھیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔''

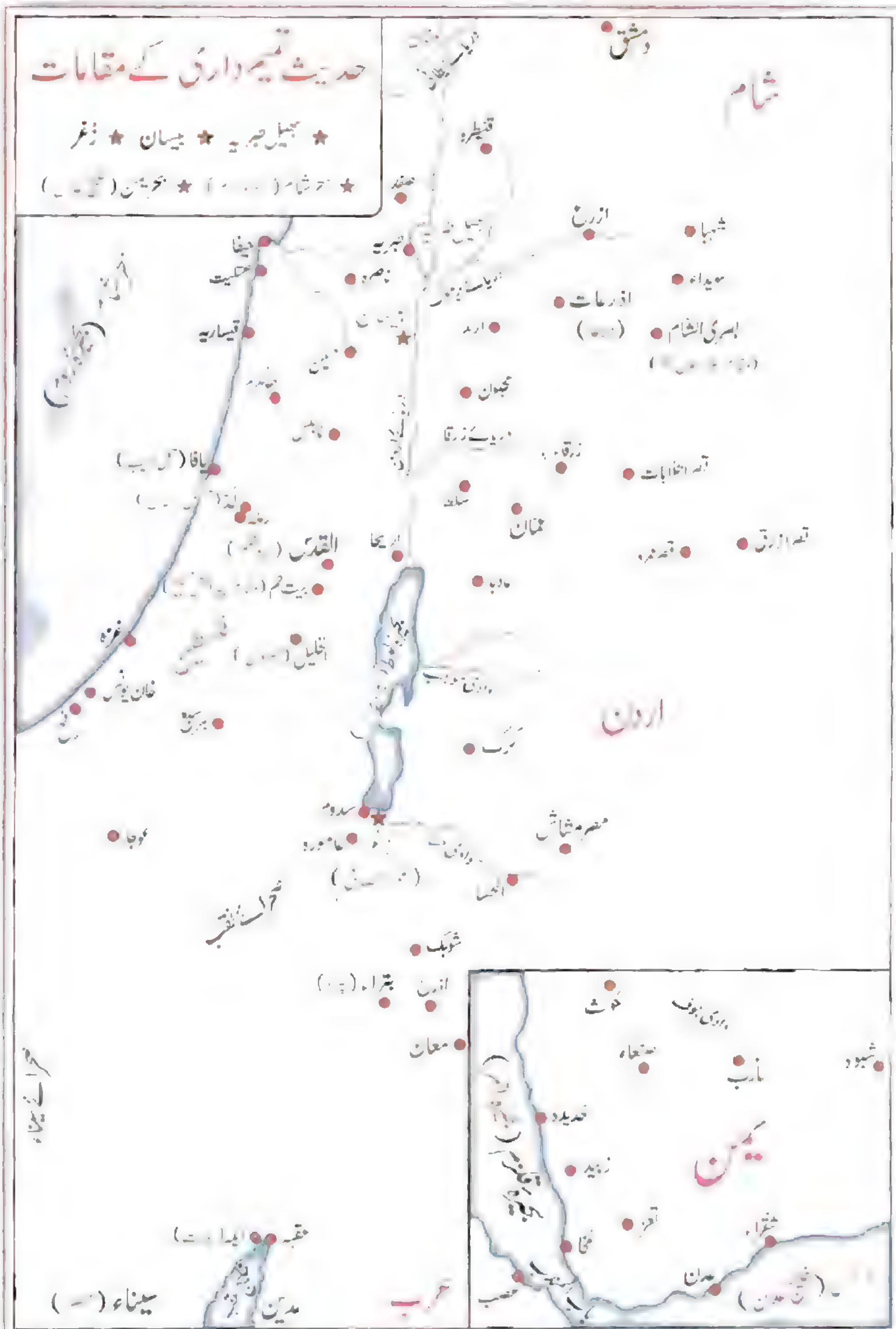
اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بنولخم اور بنوجذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہوئے۔ انھیں ایک ماہ تک سمندری موجیں دھکیلتی رہیں، پھر وہ سمندر میں ایک جزیرے کے پاس پہنچے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھوٹی کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرے میں داخل ہو گئے۔ ہمیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا، اس کے جسم پر بال اتنی کثرت سے تھے کہ ہمیں اس کا اگلا پچھلا حصہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ہم نے اس سے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا: جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا: تم اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو، وہ تمھارے ساتھ ملاقات کے لیے بے تاب ہے۔ چنانچہ ہم اس کی طرف جلدی سے چل پڑے۔ ہم گھبرائے ہوئے تھے۔ ہمیں خوف تھا کہ وہ کوئی شیطان جن نہ ہو۔ ہم اس کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک عظیم الجثہ انسان تھا۔ ہم نے اتنا بڑا انسان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بڑی مضبوطی سے گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہم نے کہا: تیرے لیے تباہی ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا: تم میری خبر معلوم کرنے پر قادر ہو ہی گئے ہو تو تم ہی بتاؤ کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم بحری جہاز میں سوار ہوئے تو ہم نے سمندر کو جوش میں پایا۔ سمندر کی موجیں ہمارے ساتھ ایک ماہ تک کھیلتی رہیں اور ہمیں تمھارے اس جزیرے تک پہنچا دیا۔ ہم چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر اس جزیرے کے پاس آئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ ہمیں ایک موٹے اور گھنے بالوں والا جانور ملا، جس نے بالوں کی کثرت کی وجہ سے ہم اس کے چہرے اور پیٹھ کو پہچان نہیں سکے۔ ہم نے اس سے کہا: تیری

ہلاکت ہو! تو کون ہے؟ تو اس نے ہمیں بتایا کہ میں جساسہ ہوں۔ جب ہم نے اس سے پوچھا کہ جساسہ کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا: تم گرجے میں اس آدمی کے پاس جاؤ، وہ تمھارے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے تاب ہے۔ ہم جلدی سے تیرے پاس آگئے، ہم گھبرائے ہوئے تھے کہ وہ کوئی شیطان جن ہوگا۔

پھر اس (جکڑے ہوئے عظیم الجثہ انسان) نے کہا: مجھے بیسان کے باغ کے متعلق بتاؤ؟ ہم نے کہا: اس کے متعلق کیا بتائیں؟ اس نے کہا: کھجوروں کے درخت کے متعلق بتاؤ، کیا وہ پھل دے رہے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، وہ پھل دے رہے ہیں۔ اس نے کہا: عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ وہ پھل نہیں دیں گے۔ پھر اس نے کہا: مجھے بحیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ۔ ہم نے کہا: اس کے متعلق کیا بتائیں؟ تو اس نے کہا: کیا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں، اس میں پانی کثرت سے موجود ہے۔ اس نے کہا: عنقریب اس کا سارا پانی ختم ہو جائے گا۔ پھر اس نے کہا: مجھے زغر کے چشمے کے متعلق کچھ بتاؤ؟ ہم نے کہا: اس کے متعلق کیا بتائیں؟ اس نے کہا: کیا اس چشمے کے پانی سے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، یہ ایک بہت زیادہ پانی والا چشمہ ہے اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا: مجھے امیوں کے نبی کے بارے میں بتاؤ، وہ کیا کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: وہ مکہ سے چلے گئے ہیں، اب وہ مدینہ میں مقیم ہیں۔ اس نے کہا: کیا اہل عرب نے ان سے جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس نبی نے اہل عرب کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ ہم نے اسے بتایا کہ وہ اپنے ملحقہ حدود کے عرب پر غالب آچکے ہیں اور وہاں کے لوگوں نے ان کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا: کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ ان کے تابع فرمان ہو جائیں۔ اور میں تمھیں

بیسان (فلسطین)




حدیث تمیم داری کے مقامات
بیسان
زغر
دمشق
شام
قنیطرہ
حیفا
عتلیت
قیساریہ
یافا
غزہ
القدس
بیت لحم
الخلیل
اریحا
عمان
مادبا
اردن
کرک
سدوم
شوبک
معان
عقبہ
مدین
سیناء
عرب
یمن
صنعاء
مارب
شبوہ
حدیدہ
زبید
مخا
عدن

اپنے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں، عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ میں زمین میں نکلوں گا اور اس کے چکر لگاؤں گا۔ اور چالیس راتوں میں ہر جگہ جاؤں گا ماسوائے مکہ اور مدینہ کے کیونکہ ان دونوں بستیوں میں میرے لیے داخل ہونا حرام کر دیا گیا ہے۔ میں جب بھی ان میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں تیز تلوار ہوگی، مجھے روکے گا۔ اور ان کی ہر گھاٹی پر فرشتے پہرے دار ہوں گے۔

سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کو منبر پر چبھویا اور فرمایا:

هٰذِهِ طَيْبَةُ، هٰذِهِ طَيْبَةُ، هٰذِهِ طَيْبَةُ

''یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مدینہ تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ ذٰلِكَ؟

''کیا میں نے تمھیں یہ باتیں پہلے ہی بیان نہ کر دی تھیں؟''

لوگوں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے کر دی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِنَّهُ أَعْجَبَنِي حَدِيثُ تَمِيمٍ أَنَّهُ وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْهُ وَعَنِ الْمَدِينَةِ وَمَكَّةَ، أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ، لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ، مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ، مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ

''بے شک مجھے تمیم کی اس خبر سے خوشی ہوئی ہے کہ وہ اس بات کے موافق ہے جو میں نے تمھیں مدینہ اور مکہ کے بارے میں بیان کی تھی۔ آگاہ رہو! بے شک وہ (دجال) شام یا یمن کے سمندر میں ہے، نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف ہے، وہ مشرق کی طرف ہے، وہ مشرق کی طرف ہے۔''

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہ بات کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ مزید فرماتی ہیں کہ یہ ساری حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کی۔[1]

بنو اسد کا وفد

9ھ کے آغاز میں عدنانی قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ بن مدرکہ کا 10 آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

1 صحیح مسلم: 2942، البدایة والنہایة: 78/5



میں حاضر ہوا۔ ان میں حضرمی بن عامر، ضرار بن ازور، وابصہ بن معبد، قتادہ بن قائف، سلمہ بن حبیش، طلیحہ بن خویلد، نقادہ (نقاذہ) بن عبداللہ بن خلف اور ابومکعت عرفطہ بن نضلہ شامل تھے۔ جب یہ لوگ دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے حضرمی بن عامر نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس بے آب و گیاہ سال میں شب تاریک سے گزر کر آئے ہیں، آپ نے ہماری طرف کوئی فوج بھی نہیں بھیجی۔ ان کی اس بات پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ [1]

''وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوئے، کہہ دیجیے: تم مجھ پر اپنے اسلام (لانے) کا احسان مت جتاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم سچے ہو۔''[1]

ان لوگوں کے ساتھ بنو زنیہ کے لوگ بھی تھے، بعض روایات میں بنو رشیہ کے الفاظ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کا نام تبدیل کرتے ہوئے فرمایا: [illegible] ''تم بنو رشدہ ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے وفد میں موجود نقادہ بن عبداللہ سے فرمایا:

[illegible]

''اے نقادہ! میرے لیے کوئی ایسی اونٹنی تلاش کرو جو سواری اور دودھ کے لحاظ سے بہت اچھی ہو لیکن اس کا

1 الحجرات 49: 17.

کوئی چھوٹا بچہ نہ ہو۔''

یہ اونٹنی آپ ﷺ نے بطور ہدیہ طلب فرمائی تھی۔ نقادہ ایسی اونٹنی اپنے جانوروں میں تلاش کرتے رہے لیکن انھیں نہ ملی، پھر انھیں اپنے چچازاد بھائی سنان بن ظفیر کے پاس مطلوبہ اونٹنی مل گئی۔ انھوں نے وہ اونٹنی اس سے لے لی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے اونٹنی کے تھنوں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور نقادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھوں نے اونٹنی کا دودھ دوہا۔ جب تھوڑا سا دودھ اس کے تھنوں میں باقی رہ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے نقادہ! تھوڑا سا دودھ باقی رہنے دو تاکہ اس کی وجہ سے اور دودھ جلدی اتر آئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی دودھ پیا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی پلایا، پھر اپنا بچا ہوا دودھ نقادہ رضی اللہ عنہ کو پلایا اور فرمایا:

''اے اللہ! اس کی اونٹنیوں میں برکت عطا فرما اور اس شخص میں بھی جس نے یہ ہمیں تحفہ دیا ہے۔''

نقادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس کے حق میں بھی دعا کیجیے جو اسے لے کر آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ... ''اے اللہ! اسے بھی برکت دے جو اسے لے کر آیا ہے۔''[1]

اس کے بعد اہل وفد نے آپ ﷺ سے عیافہ (پرندوں کے ناموں، آوازوں اور گزرنے سے فال لینا)، کہانت (مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرنا) اور رمل (کنکریاں پھینکنے) کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ان سب سے منع فرما دیا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ وہ کام ہیں جو ہم جاہلیت میں کرتے تھے، کیا ان میں سے کوئی چیز مباح بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''خط کا علم انبیاء میں سے ایک نبی کو عطا کیا گیا تھا، پس جس کا خط نبی کے علم کے مطابق ہو گیا تو گویا اس نے یہ علم جان لیا۔''[2]

چونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم ان خطوط کی اس نبی کے خطوط سے مطابقت ثابت کر سکیں، اس لیے یہ بھی مباح نہیں بلکہ ممنوع ہے۔[3]

1 الطبقات لابن سعد: 1/292، 293، والبداية والنهاية: 5/79. 2 شرح الزرقاني: 5/213، ومسند أحمد: 6/267.
3 زاد المعاد: 3/654.

وفد بنی فزارہ

عدنانی قیسی قبیلہ بنوفزارہ اپنے جد امجد فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان سے منسوب تھا۔ 9ھ میں جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس وقت آپ کی خدمت میں بنوفزارہ کا وفد آیا جو دس پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا جس میں خارجہ بن حصن اور حارث (حر) بن قیس بن حصن بھی تھے۔ حارث ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ یہ لوگ کمزور سواریوں پر آئے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کے علاقوں کے متعلق دریافت فرمایا تو خارجہ بن حصن نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقے میں قحط سالی شروع ہو چکی ہے۔ ہمارے مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، ہمارے باغات خشک ہو چکے ہیں اور اہل وعیال بھوکے ہیں۔ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔ نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور ان کے لیے دعا فرمائی:

اللهم اسق بلادك وبهائمك وانشر رحمتك وأحي بلدك الميت، اللهم اسقنا غيثا مغيثا مريئا مريعا طبقا واسعا عاجلا غير آجل نافعا غير ضار، اللهم سقيا رحمة لا سقيا عذاب ولا هدم ولا غرق ولا محق، اللهم اسقنا الغيث وانصرنا على الأعداء.

”اے اللہ! اپنے ملک اور چوپایوں کو سیراب کر دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور ویران شہر کو پھر سے آباد کر دے۔ اے اللہ! ہمیں عام بارش سے سیراب کر دے جو خوشگوار اور خوشحالی لانے والی ہو۔ فضا کو ڈھانک لینے والی، وسیع علاقے میں برسنے والی، جلدی آنے والی، دیر نہ کرنے والی، نفع مند ور نقصان نہ دینے والی ہو۔ اے اللہ! یہ سیرابی باعث رحمت ہو، عذاب والی، ڈھانے والی، غرق کرنے والی اور مٹا دینے والی نہ ہو۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر دے ور ہمیں دشمنوں پر فتح عطا فرما۔“

راوی بیان کرتا ہے کہ (دعا کے بعد) اتنی شدید بارش ہوئی کہ لوگوں نے ایک ہفتے تک آسمان کو نہ دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر دعا کی:

اللهم حوالينا ولا علينا، اللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر

”اے اللہ! ہمارے اردگرد ٹیلوں پر، اونچی جگہوں پر، پہاڑی نالوں پر اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش برسا اور ہم پر بارش نہ برسا۔“

چنانچہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے گھٹے ہوئے بادل مدینہ سے یوں چھٹ گئے جیسے کپڑا پھٹتا ہے۔[1]

دلائل النبوۃ میں مزید یہ ہے کہ جب سائل نے کہا کہ قحط سالی اتنی بڑھ گئی ہے کہ نباتات تباہ اور مال مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں رحمت کی بارش عطا فرمائے، ہم آپ کو آپ کے رب کی طرف اپنا سفارشی بناتے ہیں اور آپ کے رب کو آپ کی طرف سفارشی بناتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''سبحان اللہ، تعجب کی بات ہے۔ میں تو اپنے رب کے ہاں تمھاری سفارش کروں لیکن ایسا کون ہے جس کی طرف ہمارا رب سفارش کرے؟ اللہ عظیم و برتر کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے۔ اس کی کرسی زمین و آسمان سے وسیع ہے اور وہ کرسی اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے ایسے آواز نکالتی ہے جیسے ایک نئی پالان آواز نکالتی ہے۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

[illegible]

''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری پراگندہ حالت، تکلیف اور مدد کے قریب ہونے پر ہنستا ہے۔''[2]

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمارا رب ہنستا بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' اس پر اس سائل نے کہا: ہم اس رب کی جو ہنستا ہے، بھلائی سے ہرگز محروم نہیں رہیں گے۔ اس کی اس بات سے رسول اللہ ﷺ ہنس دیے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے چند کلمات کہے اور پھر اپنے ہاتھ اس قدر بلند اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے دعائیہ کلمات کہے۔ آپ ﷺ کے اس قدر الحاح کو دیکھ کر سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کھجوریں ابھی مرابد (وہ مخصوص جگہ جہاں تازہ کھجور خشک کی جاتی ہے) میں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے دعا جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔'' ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے تین بار عرض کی کہ کھجوریں ابھی مرابد میں پڑی ہوئی ہیں (اور بارش آنے سے خراب ہو جائیں گی)۔ لیکن آپ ﷺ نے دعا جاری رکھی اور فرمایا:

1 البداية والنهاية: 79/5، شرح الزرقاني 5/206-211، الطبقات لابن سعد 1/297، دلائل النبوة للبيهقي 6/144.
2 دلائل النبوة للبيهقي 6/439.

"اے اللہ! ہمیں ایسی زبردست بارش عطا فرما کہ ابولبابہ اپنی چادر اتار کر اپنے مربد کو بند کرتا پھرے۔"

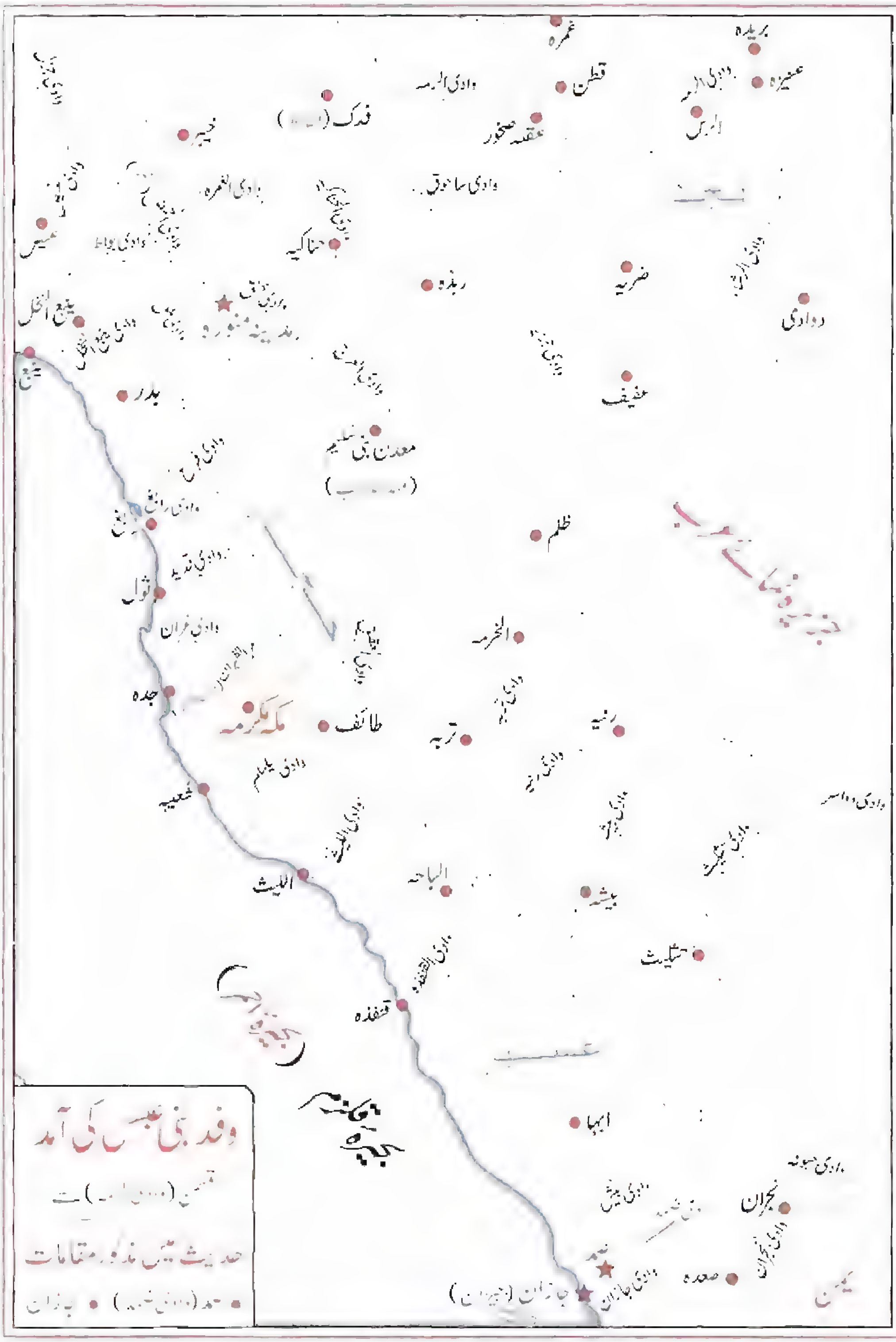
راوی کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! آسمان پر بادل کی ایک ٹکڑی بھی نہیں تھی۔ مسجد نبوی اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا عمارت نہیں تھی۔ اسی لمحے سلع پہاڑ کے پیچھے سے کمان کی مانند ایک بادل نمودار ہوا اور آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا۔ یہ منظر سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ بادل ایسے جم کر برسے کہ پورے چھ دن کسی نے سورج نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے مطابق ابولبابہ رضی اللہ عنہ اپنی چادر (تہ بند) اتار کر اپنی کھجوروں کی حفاظت کر رہے تھے اور ان کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ بارش اتنی برسی کہ اسی سائل کو دوبارہ کہنا پڑا کہ اب بارش کی زیادتی سے جانور ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے کٹ چکے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے، دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور اتنے اوپر تک اٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے بارش رکوانے کی وہ دعا کی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

جبل سلع (مدینہ منورہ)

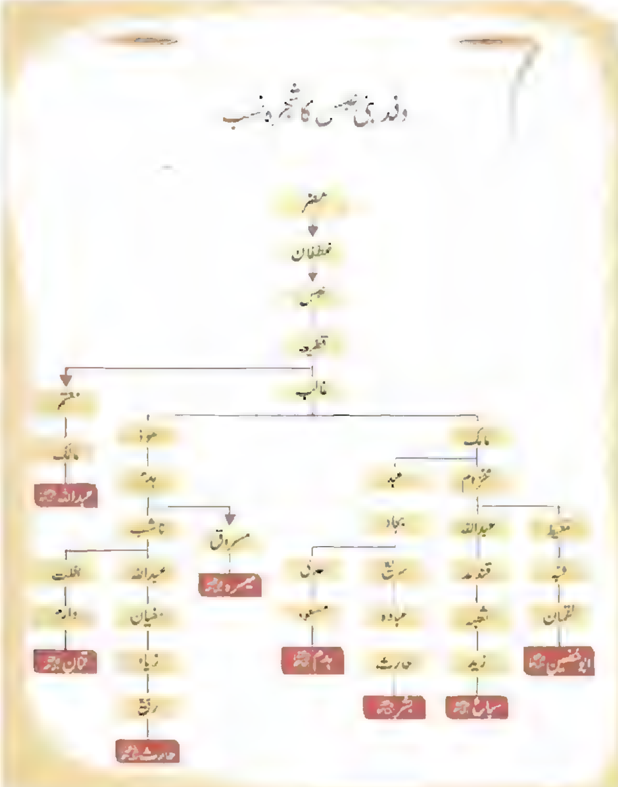


وفد بنی عبس

عدنانی قبیلہ عبس اپنے جد امجد عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان سے منسوب تھا۔ طبقات ابن سعد میں ابوشغب عکرشہ بن اربد عبسی اور چند دیگر عبسیوں کا بیان ہے کہ بنوعبس کے 9 افراد وفد کی صورت میں حاضر خدمت اقدس ﷺ ہوئے۔ یہ پہلے پہل ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: میسرہ بن مسروق، حارث بن ربیع کامل، قنان بن دارم، بشر بن حارث بن عبادہ، ہدم بن مسعدہ، سباع بن زید (یزید)، ابوالحصن بن لقمان، عبداللہ بن مالک اور فروہ بن حصین بن فضالہ۔ یہ سب مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا: ... "مجھے اپنا دسواں آدمی شمار کر لو۔ میں تمھارے لیے



غمرہ
بریدہ
عنیزہ
قطن
فدک
خیبر
عقبہ صخور
الرس
حناکیہ
ربذہ
ضریہ
دوادمی
ینبع النخل
ینبع
مدینہ منورہ
بدر
عفیف
معدن بنی سلیم
ظلم
رابغ
ثول
الخرمہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
رنیہ
شعیبہ
اللیث
الباحہ
بیشہ
تثلیث
قنفذہ
ابہا
نجران
صعدہ
جازان
یمن
بحیرہ قلزم
وفد بنی عبس کی آمد
حدیث میں مذکور مقامات



ایک جھنڈا باندھ دیتا ہوں۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ قریشی قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے تو آپ ﷺ نے بنوعبس کو ایک سریہ کے طور پر روانہ فرمایا اور ان کے لیے ایک جھنڈا باندھا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نو لوگ ہیں۔ اگر مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگے تو ہم اسے کیسے تقسیم کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمھارا دسواں آدمی ہوں۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ یہ کل تین افراد تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہمیں ہمارے قراء حضرات نے آکر بتایا ہے کہ اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جس نے ہجرت نہیں کی۔ ہمارے مال مویشی ہی ہماری معاش کا ذریعہ ہیں۔ اگر تو واقعی ہجرت کے بغیر اسلام کی کوئی حیثیت نہیں تو ہم اپنے مال مویشی بیچ دیتے ہیں اور ہجرت کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمھارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، چاہے تم صمد (ضمد) اور جازان میں رہو۔"[1]

وفد بنی مرہ

یہ عدنانی قریشی قبیلہ مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر کی اولاد تھا۔ بنومرہ کے 13 آدمی 9 ھ میں آپ ﷺ کی تبوک سے واپسی کے موقع پر حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے سرکردہ حارث بن عوف تھے۔ انھوں نے آکر عرض

[1] الطبقات الکبریٰ 296,295/1، البدایۃ والنہایۃ 79/5، شرح الزرقانی 225,224/5

کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی قوم اور آپ کا کنبہ ہیں۔ ہم ہولؤی بن غالب سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے اور فرمایا: ۔۔۔ ''اپنے اہل و عیال کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: سراح اور اس کے اردگرد کے علاقے میں چھوڑ آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ۔۔۔ ''شہروں کے حالات کیسے ہیں؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم قحط سالی کا شکار ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے دعا کی: ۔۔۔ ''اے اللہ! انھیں رحمت کی بارش عطا فرما۔''

آخر انھوں نے کچھ دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد واپس اپنے شہروں کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو انھیں عطیات دینے کا حکم دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ہر فرد کو دس دس اوقیے چاندی عنایت کی اور حارث بن عوف رضی اللہ عنہ کو 12 اوقیے چاندی عطا کی۔ جب اہل وفد اپنے گھروں کو پہنچے تو وہاں بارش ہو چکی تھی۔ انھوں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں بارش کب ہوئی؟ تو جو دن انھوں نے بتایا، یہ وہی تھا جس دن آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔[1]

حارث رضی اللہ عنہ دوبارہ اس وقت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ ﷺ حجۃ الوداع کی تیاری میں مصروف تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! (پچھلی دفعہ) جب ہم واپس اپنے گھروں کو گئے تو وہاں بارش ہو چکی تھی اور وہ اسی دن ہوئی تھی جس دن آپ نے دعا فرمائی تھی۔ اس کے بعد مسلسل بارش ہوتی رہی اور اب علاقے سرسبز و شاداب ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ۔۔۔ ''تمام قسم کی تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے یہ سب کیا ہے۔''

زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حارث بن عوف نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ میرے ساتھ اپنا کوئی معلم بھیج دیں جو ہمیں آپ کا دین سکھائے۔ میں اس کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو ان کے ساتھ بطور معلم بھیج دیا۔ وہاں حارث رضی اللہ عنہ کے خاندان والے (جو مسلمان نہیں تھے) اس انصاری صحابی کو کہیں لے گئے اور انھیں شہید کر دیا۔ اس پر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

یا حارِ من یغدر بذمۃ جارہ ۔۔۔ منکم فإن محمدا لم یغدر

وأمانۃ المری حیث لقیتہ ۔۔۔ کسر الزجاجۃ صدعہا لا یجبر

إن تغدروا فالغدر من عاداتکم ۔۔۔ واللؤم ینبت فی أصول السخبر

1 الطبقات لابن سعد: 1/297,298


تنبر کا پودا

"اے حارث! تم میں سے جو اپنے پناہ گزین کے ساتھ دھوکا کرتا ہے تو محمد ﷺ کسی سے دھوکا نہیں کرتے۔ امانت شیشے کی طرح ہوتی ہے، اگر ٹوٹ جائے تو اسے جوڑا نہیں جا سکتا۔ اگر تم نے دھوکہ کیا ہے تو دھوکہ ہی تمھاری عادت ہے اور کمینگی تنبر (جھاڑی نما پودا) کی جڑوں ہی میں آتی ہے۔"

چنانچہ حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے معذرت کی اور انصاری صحابی کی دیت بھی ادا کی اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حسان رضی اللہ عنہ کو میرے خلاف اشعار کہنے سے روک دیں۔ وہ میرے خلاف اس قدر کڑوی زبان استعمال کر رہے ہیں کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے۔[1]

وفد بنی ثعلبہ

بنو ثعلبہ کے ایک آدمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب 8ھ میں رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے تشریف لائے تو ہم چار آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے کہا: ہم اپنی قوم کے قاصد ہیں اور ہماری قوم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہماری ضیافت کا حکم دیا۔ ہم نے چند دن وہاں قیام کیا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو آپ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "انھیں آپ اسی طرح عطیہ دیجیے جس طرح آپ دوسرے وفد والوں کو دیتے ہیں۔"

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ہر ایک کو چاندی کے پانچ پانچ اوقیے دیے اور فرمایا: ہمارے پاس درہم نہیں ہوتے۔ اس کے بعد ہم اپنے شہروں کو لوٹ آئے۔[2]

وفد بنی کلاب

عدنانی قیسی قبیلہ بنو کلاب اپنے جد امجد کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن سے منسوب تھا۔ یہ وفد 9ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ کل 13 آدمی تھے جن میں مشہور شاعر لبید

1 المعجم الکبیر للطبرانی 3/269، شرح الزرقانی 5/217,218 2 الطبقات لابن سعد 1/298، [illegible]

بن یربوع، قبیلہ بنی سعد بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا۔ زبرقان بن بدر اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان دوستی تھی۔ چنانچہ جب کعب رضی اللہ عنہ کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ خوشی سے ان کو خوش آمدید کہا۔ پھر زبرقان کے ساتھ تحفے دیے اور ان کی عزت افزائی کی۔ پھر کعب زبرقان کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسلامی طریقے کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضحاک بن سفیان کلابی جنھیں آپ نے ہماری طرف کتاب اللہ اور اپنی سنت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا، وہ ہمارے پاس آئے اور انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی۔ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔ انھوں نے ہم میں سے مالداروں سے صدقہ وصول کر کے ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دیا ہے۔[1]

وفد رواس بن کلاب

ابو نفیع طارق بن علقمہ رواسی کا بیان ہے کہ عمرو بن مالک بن قیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد جب وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور انھوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ کہنے لگے: جب تک ہم بنو عقیل سے اتنے آدمی قتل نہ کر لیں جتنے انھوں نے ہمارے قتل کیے ہیں، تب تک ہم مسلمان نہیں ہوں گے۔ پھر وہ بنو عقیل پر حملہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔ عمرو بن مالک بھی ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے حملہ کر کے بہت سے بنو عقیل کے لوگوں کو قتل کر دیا اور ان کے جانور ہانک کر لے گئے۔ راستے میں انھیں بنو عقیل کا ایک شہسوار ربیعہ بن منتفق بن عامر بن عقیل ملا۔ وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

[illegible]

"میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک میرا سفید گھوڑا اپنی جگہ پر ہے، میں حملہ آوروں پر حملہ کرتا رہوں گا۔"

ابو نفیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے پیادہ لوگوں کی جماعت! آج تم کامیاب ہو گئے۔ پھر شہسوار نے عمرو بن مالک کے بازو پر نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو گئے، پھر عمرو بن مالک نے اس کے گھوڑے کو لگام سے پکڑ لیا اور تلوار نکال کر کہا: "آل رواس! (مدد کے لیے آؤ)۔" ربیعہ نے کہا: آل رواس خوفزدہ ہیں یا آگے ہیں؟ راستے میں عمرو بن مالک نے اسے قتل کر دیا۔ پھر ہم چوپایوں کو ہانکتے ہوئے چل پڑے۔ بنو عقیل نے ہمارا پیچھا کیا لیکن ہم تریب تک پہنچ چکے تھے۔ ... ان کے

[1] [illegible]

وادی تربہ (سعودی عرب)



درمیان اب تربہ کی وادی حائل تھی۔ وہ لوگ ہمیں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن ہم تک پہنچ نہیں سکتے تھے، چنانچہ ہم بے خوف ہو کر چلتے رہے۔

سیدنا عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے بعد میں نہایت افسوس ہوا کہ میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے جبکہ میں اسلام لا چکا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ بیڑی میں ڈال کر گردن کے ساتھ باندھ دیے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑا۔ آپ ﷺ کو بھی سارے واقعے کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اگر وہ میرے پاس آیا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھ کھول دیے اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے میری طرف سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ میں آپ کی دائیں جانب سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر منہ موڑ لیا۔ میں بائیں جانب سے آیا تو آپ ﷺ نے بدستور اپنا مبارک چہرہ مجھ سے پھیر لیا۔ پھر میں آپ ﷺ کے سامنے سے آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! رب تعالیٰ کو منایا جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے، لہٰذا آپ بھی مجھ سے راضی ہو جائیے، اللہ آپ سے راضی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''میں تم سے راضی ہو گیا ہوں۔''[1]

بنو عُقیل بن کعب کا وفد

ہشام بن محمد بیان کرتے ہیں کہ بنو عقیل کے ایک شخص نے اپنے بزرگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہم بنو عقیل وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ ربیع بن معاویہ، مطرف بن عبداللہ اور انس بن قیس بن منتفق اس وفد میں شریک تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں العقیق نامی زمین جاگیر کے طور پر دی۔ اس زمین میں چشمے اور کھجوروں کے باغات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس کے متعلق ایک سرخ چمڑے

1 طبقات ابن سعد: 301،300/1

یہ دستاویز بھی لکھ دی۔

[illegible]

[illegible]

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ دستاویز ہے جس کے ذریعے محمد رسول اللہ ﷺ نے رزین، مطرف اور انس (رضی اللہ عنہم) کو عقیق نامی زمین الاٹ کی ہے۔ یہ جائیداد اس وقت تک ان کے پاس رہے گی جب تک وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور سمع و طاعت پر کاربند رہیں گے۔ اور آپ ﷺ نے انھیں کسی مسلمان کا حق نہیں دیا۔“
یہ تحریر مطرف رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

اسی طرح بنو عقیل کے ابو رزین لقیط بن عامر بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے انھیں النظیم نامی چشمہ الاٹ کیا تھا۔ انھوں نے اپنی قوم کی طرف سے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی طرح بنو عقیل ہی کا ابو حرب بن خویلد دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! ایسے لگتا ہے جیسے آپ نے اللہ سے ملاقات کی ہے، یا اس سے ملاقات کی ہے جس کی اللہ سے ملاقات ہوئی ہے۔ بہر حال ہم آپ کے کلام کی طرح اچھا اور خوبصورت کلام پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن میں ابھی اپنے تیروں کے ساتھ اپنے اور آپ کے دین کے متعلق فال نکالوں گا۔

اس نے تیر پھینکے تو کفر والا تیر نکلا۔ تین مرتبہ تیر پھینکے لیکن وہی پانسا نکلا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ دیکھ رہے ہیں، ہر بار وہی کفر والا تیر سامنے آ رہا ہے۔ پھر وہ اپنے بھائی عقال بن خویلد کے پاس آیا اور کہا: تیرے حصے کی بھلائی کم پڑ گئی ہے کیا؟ محمد (ﷺ) کے دین کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے قرآن پڑھ کر سنایا ہے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے اور اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو وہ مجھے العقیق میں زمین عطا فرمائیں گے۔ عقال نے کہا: اللہ کی قسم! جتنا محمد (ﷺ) تمھیں الاٹ کر رہے ہیں، میں تمھیں اس سے زیادہ کی پیشکش کرتا ہوں۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور العقیق کے نیچے تک اپنے نیزے کے ساتھ نشان لگا کر اپنے لیے زمین خاص کر لی جس میں چشمے بھی تھے۔ پھر عقال رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: [illegible] ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟“ عقال نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قریش کے ہبیرہ بن نفاعہ بہت اچھا شہسوار ثابت

ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟'' اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ خالص دودھ جھاگ کے نیچے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے تیسری بار اس سے پوچھا تو اس نے گواہی دے دی اور مسلمان ہو گیا۔[1]

وفد بنی قشیر بن کعب

علی بن محمد قرشی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قشیر بن کعب قبیلے کا ایک وفد آیا۔ اس میں ثور بن عروہ بن عبداللہ بھی تھا جو مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک جاگیر اس کے نام کر دی اور اس کے متعلق اسے ایک تحریری دستاویز بھی دی۔ اس وفد میں حیدہ بن معاویہ بن قشیر کے علاوہ قرہ بن ہبیرہ بن سلمہ قشیری بھی تھے۔ یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرہ کو عطیہ دیا، ایک چادر بھی عنایت کی اور صدقات کی وصولی کا نگران بھی مقرر کیا۔ قرہ بن ہبیرہ واپس آئے تو کہا:

حباها رسول الله إذ نزلت به ... وأمكنها من نائل غير منفد

فأضحت بروض الخضر وهي حثيثة ... وقد أنجحت حاجاتها من محمد

عليها فتى لا يردف [illegible] رحله ... [illegible] لأمر العاجز المتردد

''جب میری اونٹنی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اسے عطیہ دیا اور اسے نہ ختم ہونے والی بخشش پر قدرت دی اور وہ تیزی سے چلتے ہوئے بوقت چاشت سرسبز و شاداب زمین پر پہنچی جبکہ اس نے محمد ﷺ سے اپنی ضروریات پوری کر لی تھیں۔ اس پر ایک جوان سوار ہے جس کے پیچھے مذمت سوار نہیں ہو سکتی اور وہ ایک عاجز اور متردد کے معاملے میں سوچ بچار کرتا ہے۔''[2]

بنو بکاء کا وفد

بنو بکاء بنو ہوازن کی شاخ تھے اور یہ عمرو (بکاء) بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ سے منسوب تھے۔ عبداللہ بن عامر بکائی بیان کرتے ہیں کہ 9 ھ میں 13 افراد پر مشتمل بنو بکاء کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کبدایہ میں 30 افراد کا ذکر ہے۔ ان میں معاویہ بن ثور بن عبادہ بن بکاء بھی تھے جن کی عمر 100 سال تھی۔ ساتھ میں ان کا بیٹا بشر بھی تھا۔ اسی طرح فجیع بن عبداللہ اور عبد عمرو اصم البکائی بھی اس وفد میں موجود تھے۔

1 الطبقات لابن سعد 1/301، 302؛ البداية والنهاية 5/81 2 الطبقات لابن سعد 1/303؛ [illegible] 6/5

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے قیام و طعام کے بندوبست کا حکم جاری فرمایا۔ واپسی کے وقت آپ ﷺ نے انھیں تحفے اور عطیات سے بھی نوازا۔ اس موقع پر معاویہ بن ثور نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں آپ کو چھو کر برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں بوڑھا ہوں اور میرا یہ بیٹا میرے ساتھ بہت حسن سلوک سے پیش آتا ہے، آپ اس کے چہرے پر برکت والا ہاتھ پھیر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے بشر بن معاویہ کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اسے موٹی تازی بکریاں عنایت کیں اور ان میں برکت کی دعا کی۔

عبداللہ بن عامر بکائی کے بیٹے جعد کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی دعا کی ایسی برکت ہوئی کہ جب کبھی بنو بکاء کے علاقے میں قحط پڑتا تو معاویہ کا خاندان اس سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔

محمد بن بشر بن معاویہ بکائی نے فخر کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کہے:

وأبي الذي مسح الرسول برأسه ... ودعا له بالخير والبركات

أعطاه أحمد إذ أتاه أعنزا ... عفرا نواجل ليس باللجبات

يملأن وفد الحي كل عشية ... ويعود ذاك الملء بالغدوات

بورکن من منح وبورك مانح ... وعليه مني ما حييت صلاتي

”میرے باپ تو وہ ہیں جن کے سر پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تھا اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی تھی۔ جب وہ احمد ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے انھیں موٹی تازی بکریاں عنایت کیں جو بڑی عمدہ نسل والی تھیں، شور و غوغا کرنے والی نہیں تھیں۔ وہ ہر شب اہل وفد کو دودھ سے سیر کرتی تھیں اور صبح کو بھی۔ ان میں عطا کرنے والے کی وجہ سے برکت ہوئی تھی اور خود عطا کرنے والا بھی بابرکت تھا۔ جب تک میں زندہ ہوں، میری طرف سے ان پر درود و سلام ہو۔“

ہشام بن محمد بن سائب کلبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجیع ؓ کے لیے ایک خط لکھا جس کی عبارت درج ذیل تھی:

[illegible]

"اللہ کے نبی محمد کی طرف سے قُجیع اور ان کے پیروکاروں کے نام جو مسلمان ہوئے، نماز قائم کی، زکاۃ ادا کی، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، مال غنیمت کا خمس نکالا، اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی، اپنے اسلام پر (لوگوں کو) گواہ بنایا اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کی تو ایسے لوگوں کو اللہ اور محمد ﷺ کی طرف سے امان حاصل ہے۔"

ہشام کہتے ہیں: اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عبد عمرو اصم کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمن رکھا۔ یہ عبدالرحمن اصحاب صفہ میں سے تھے۔[1]

وفد بنی کنانہ

کنانہ کا ایک وفد مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس وفد کے سردار کا نام واثلہ بن اسقع لیثی رضی اللہ عنہ تھا۔ وفد قبول اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس روانہ ہو گیا۔ جب یہ وفد مدینہ آیا تھا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک جانے کے لیے تیاریاں فرما رہے تھے۔ واثلہ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"آپ کون ہیں اور کیا کرنے آئے ہیں؟"

انھوں نے اپنا نسب بتایا اور کہا کہ میں آپ کے پاس اس مقصد کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

1 المعجم الکبیر للطبرانی 258/13، الطبقات لابن سعد 305,304/1، البدایۃ والنہایۃ 82,81/5

بلاد زہران (بنو کنانہ)، عجرہ نزد مکہ مکرمہ



''میری پسند اور ناپسند پر بیعت کرو۔''

چنانچہ انھوں نے بیعت کر لی اور واپس جا کر گھر والوں کو اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی۔ ان کے والد اسقع نے جب سنا کہ میرا بیٹا مسلمان ہو چکا ہے تو اس نے واثلہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اللہ کی قسم! اب میں ساری عمر تمھارے ساتھ بات نہیں کروں گا۔'' والد کی نسبت ان کی بہن بہت ہی خوش قسمت ثابت ہوئی، اس نے اسلام کی حقانیت کو دیکھتے ہوئے مذہب حنیف اسلام قبول کر لیا۔

واثلہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف ہیں، چنانچہ انھوں نے اس وقت فیصلہ کر لیا کہ میں وطن سے فوراً واپس آ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤں گا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے جلد از جلد تیاری مکمل کی اور مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک کو روانہ ہو چکے ہیں جبکہ مجاہدین کا ایک لشکر ابھی جا رہا تھا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا کوئی نیک دل مجاہد ہے جو مجھے اپنے ساتھ سوار کرے؟ مال غنیمت میں سے جو حصہ ملے گا، وہ اس کا ہوگا۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سوار کر لیا۔ مقام تبوک پہنچ کر رسول اکرم ﷺ نے انھیں اس لشکر کے ہمراہ روانہ کر دیا جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اکیدر دومہ کے خلاف جنگ لڑنے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فتح و کامرانی سے نوازا۔ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں چھ یا اس سے بھی کچھ زائد اونٹ آئے۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے حسب وعدہ اپنے حصے کا مال غنیمت سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ لیکن انھوں نے یہ مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''میں نے تمھیں اپنے ساتھ اس لیے سوار نہیں کیا تھا کہ فتح کے بعد تمھارے حصے کا مال بھی مجھے مل جائے، میں نے تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تمھیں سوار کیا تھا۔ اب میں مال کے لالچ میں آ کر اپنا نیک عمل برباد نہیں کرنا چاہتا۔''

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جو اکثر اوقات مسجد نبوی میں رہا کرتے تھے۔ یہ بعد میں دمشق چلے گئے تھے اور وہیں 85 یا 86ھ میں فوت ہوئے۔[1] واللہ اعلم۔

وفد بنی اشجع

بنو اشجع غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ

1 الطبقات لابن سعد: 1/305، 306، الاستیعاب: 5/82، الإصابۃ: 6/591.

لوگ نبی ﷺ کی غزوۂ بنو قریظہ سے فراغت کے بعد مدینہ آئے تھے۔ یہ کل ایک سو آدمی تھے، دوسری روایت کے مطابق 700 آدمی تھے۔ ان کا امیر مسعود بن رخیلہ تھا۔ یہ لوگ سلع کی گھاٹی میں ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے لیے کھجوروں کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے عرض کی: اے محمد! ہم اپنی قوم میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس کا گھر ہمارے گھر سے آپ سے زیادہ قریب ہو اور اس کی تعداد بھی ہم سے کم ہو۔ ہم آپ کی اور آپ کی قوم کی جنگ کی وجہ سے تنگ ہیں۔ ہم آپ سے صلح کرنے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی۔ بعد میں یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔[1]

وفد باہلہ

فتح مکہ کے بعد مطرف بن کاہن باہلی خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے نمائندے بن کر حاضر ہوئے۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کے لیے امان نامہ حاصل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک تحریر لکھ کر دی جس میں صدقات و زکاۃ کے مسائل درج تھے۔ پھر یہ واپس چلے گئے۔

اسی طرح باہلہ سے نہشل بن مالک وائلی بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے نمائندے بن کر حاضر ہوئے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اور ان کی قوم کے مسلمانوں کے لیے ایک تحریر لکھ کر دی جس میں اسلامی تعلیمات درج تھیں۔ یہ تحریر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھی۔[2]

وفد بنی سلیم

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنو سلیم کا ایک شخص قیس بن نسیبہ حاضر ہوا۔ اس نے نبی ﷺ کا کلام سنا اور چند سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے اس کے سوالوں کے جوابات دیے۔ اس نے یہ ساری باتیں ذہن نشین کر لیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنی قوم بنو سلیم کے پاس واپس جا کر کہا:

> ”میں نے رومیوں کے ترجمے، ایرانیوں کی گنگناہٹ، عربوں کے اشعار، کاہنوں کی کہانت اور حمیر کے فصیح لوگوں کا کلام سنا ہے لیکن محمد (ﷺ) کا کلام ان لوگوں کے کلام میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے، لہٰذا ان کی اطاعت قبول کرو اور ان سے اپنا حصہ وصول کر لو۔“

فتح مکہ کے سال بنو سلیم رسول اللہ ﷺ سے قدید کے مقام پر ملے۔ ان کی تعداد 900 یا 1000 کے لگ بھگ

1 طبقات ابن سعد: 306/1، السیرۃ الحلبیۃ: 82/5 2 الطبقات الکبری لابن سعد: 307/1

تھی۔ انھی میں عباس بن مرداس، انس بن عیاض اور راشد بن عبد ربہ بھی تھے۔ یہ سب مسلمان ہو گئے اور عرض کی ”اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں ہراول دستے میں شامل فرمائیں، ہمارے لیے سرخ جھنڈا تیار کروائیں اور ہمارا شعار ”مقدم“ مقرر کر دیجیے۔“ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کرلی۔ یہ لوگ فتح مکہ، طائف اور حنین کے غزوات میں آپ ﷺ کے شانہ بشانہ تھے۔

راشد بن عبد ربہ ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ دو لومڑ ان کے بت پر پیشاب کر رہے ہیں تو انھوں نے کہا:

[illegible]

”کیا وہ رب ہو سکتا ہے جس کے سر پر دو لومڑ پیشاب کر رہے ہیں؟ جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں وہ تو نہایت ذلیل ہوتا ہے۔“

انھوں نے اپنے بت کو توڑ ڈالا اور پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] ”تمھارا نام کیا ہے؟“ انھوں نے بتایا: میرا نام غاوی بن عبدالعزیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”اب سے تمھارا نام راشد بن عبد ربہ ہوگا۔“ راشد رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور بہت ہی اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

[illegible]

”عرب کی بہترین بستی خیبر ہے اور بنو سلیم میں سب سے بہتر راشد بن عبد ربہ ہیں۔“

آپ ﷺ نے انھیں ان کی قوم کا سردار بھی مقرر کیا تھا۔

بنو سلیم کے ایک شخص سے روایت ہے کہ ہمارا ایک آدمی جس کا نام قدر بن عمار تھا، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ اس نے نبی ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ آپ کے پاس اپنی قوم کے ایک ہزار شہسوار لائے گا جو آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کریں گے۔

اس کے بعد قدر بن عمار رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس آئے اور نو سو آدمی تیار کر کے آپ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک سو آدمیوں کو اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ انھوں نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ عباس بن مرداس تین سو آدمیوں کے امیر ہیں اور یہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جائیں گے، یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ دوسرے تین سو لوگوں کے امیر اخنس

بن یزید ہوں گے اور یہ اپنی ذمہ داری نبھائیں گے۔ اور جو باقی تین سو ہیں، انھیں جبر بن حکم المعروف قرار دیئے جائیں گے اور یہ ان کے امیر بھی ہوں گے۔ آخر قدر بن عمار فوت ہو گئے۔ مذکورہ حضرات نے اپنا سفر جاری رکھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

[illegible]

''وہ خوبصورت چہرے والا، فصیح اللسان اور سچے ایمان والا آدمی کہاں ہے؟''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ فوت ہو گئے ہیں۔ انھوں نے ساری صورت حال رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''جن ہزار لوگوں کا اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا، ان میں سے باقی کہاں ہیں؟''

انھوں نے کہا: ایک سو آدمیوں کو اس نے اپنی بستی کی حفاظت کے لیے باقی چھوڑا تھا، اسے ڈر تھا کہ کہیں بنو کنانہ ان پر حملہ نہ کر دیں کیونکہ بنو کنانہ کے ساتھ جنگ چل رہی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''انھیں بھی پیغام بھیج کر بلا لو کیونکہ اس سال تمھارے ساتھ کوئی ناپسندیدہ واقعہ نہیں ہونے والا۔''

چنانچہ انھوں نے پیغام بھیج کر انھیں بلا لیا۔ ان کا امیر مقنع بن مالک بن امیہ تھا۔ جب انھوں نے لشکر کی آواز سنی تو نبی ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم پر حملہ ہونے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''نہیں نہیں، یہ تمھارے حق میں ہے، تمھارے خلاف نہیں، یہ سلیم بن منصور کا لشکر ہے۔''

یوں یہ لوگ غزوۂ فتح مکہ اور حنین میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد تھے۔[1] واللہ اعلم۔

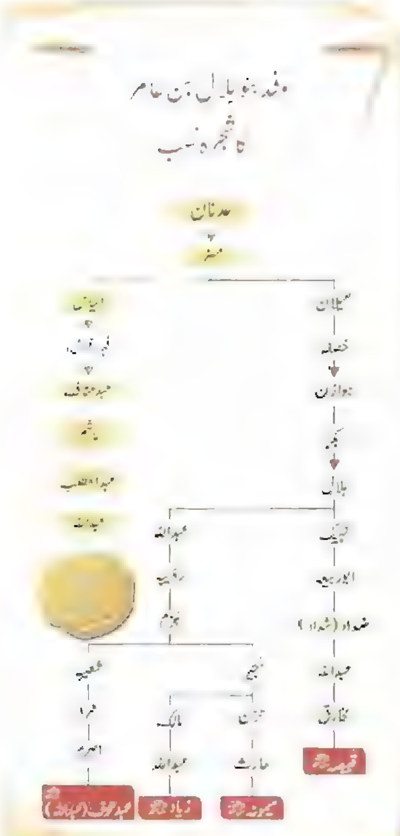
وفد بنی بلال بن عامر

ہوازن کی شاخ بنو بلال بن عامر کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں عبدعوف بن اصرم بن

1 طبقات ابن سعد 1/307-309

عمرو نامی ایک شخص تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے نام پوچھا۔ اس نے اپنا نام بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج کے بعد تیرا نام عبداللہ ہوگا۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ ان کی اولاد میں سے ایک نے یہ شعر کہا:

''میرے دادا عبدعوف وہ ہیں جنھیں تمام ہوازن والوں نے اتفاق رائے سے نبی ﷺ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا۔''



اس وفد میں قبیصہ بن مخارق بھی تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کا کفیل اور ذمہ دار ہوں، لہٰذا اس معاملے میں آپ میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''صدقات وصول کرتے ہیں تو تمھارے لیے اس میں سے کچھ حصہ نکالیں گے۔''

وادی رنیہ میں ہوازن قبیلہ (شاخ بنو ہلال) کا علاقہ



اسی طرح زیاد بن عبداللہ جن کا تعلق بنو ہلال بن عامر سے تھا، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ مدینہ آئے تو ام المومنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا زیاد کی خالہ تھیں۔ ان کی والدہ کا نام غرہ بنت حارث تھا۔ زیاد رضی اللہ عنہ نوجوان آدمی تھے۔ نبی ﷺ جب حجرہ میں داخل ہوئے تو انھیں میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ شدید خفا ہوئے اور واپس چلے گئے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ گھر لوٹ آئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ زیاد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی۔ نماز

سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے زیاد ؓ کو اپنے قریب کیا، ان کے لیے دعا کی اور ان کے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ بنو ہلال کہا کرتے تھے: ہم ہمیشہ زیاد ؓ کے چہرے میں برکت محسوس کرتے تھے۔ کسی شاعر نے زیاد ؓ کے بیٹے علی کو مخاطب کر کے کہا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

''اے ابن عظیم باپ کے بیٹے جن کے سر پر نبی کریم ﷺ نے ہاتھ پھیرا اور مسجد میں ان کے لیے دعائے خیر کی! میری مراد صرف اور صرف زیاد ہیں، کوئی مسافر یا تہامہ یا نجد جانے والا شخص نہیں ہے۔ اور وہ نور ہمیشہ ان کی ناک (چہرے) پر رہا یہاں تک کہ وہ فوت ہو کر قبر میں چلے گئے۔''[1]

وفد بنی بکر بن وائل

ابن سعد نے اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ بکر بن وائل کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ قس بن ساعدہ کو جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''وہ تم میں سے نہیں ہے۔ وہ ایاد کا آدمی ہے جو جاہلیت میں موحد ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ عکاظ آیا تو لوگ جمع ہو گئے۔ اس نے ان سے وہ باتیں کہیں جو لوگوں نے یاد کر رکھی ہیں۔''

اس وفد میں بشیر بن خصاصیہ، عبداللہ بن مرثد اور حسان بن حوط بھی تھے۔ حسان بن حوط کی اولاد میں سے ایک نے ان سے متعلق یہ شعر کہا تھا:

[illegible]

''میں حسان بن حوط کا بیٹا ہوں۔ میرے والد تمام بکر بن وائل کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی طرف قاصد بن کر گئے تھے۔''

1 طبقات ابن سعد 309/1، [illegible] 93/5.

اسی خاندان سے عبداللہ بن اسود بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ یہ یمامہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے یمامہ میں اپنا سب کچھ بیچ کر ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی۔[1]

وفد بنی تغلب

بنو تغلب کے وفد میں سولہ آدمی تھے۔ ان میں کچھ مسلمان تھے اور کچھ عیسائی۔ عیسائیوں (کے لباس) پر سنہری صلیبیں تھیں۔ یہ سب لوگ رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرے۔ آپ ﷺ نے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائیت کے رنگ میں نہیں رنگیں گے۔ واپسی کے وقت آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تحفے تحائف بھی دیے۔[2]

وفد تجیب

ابوحویرث کہتے ہیں کہ 9 ھ میں 13 افراد پر مشتمل تجیب کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اپنے علاقے کے صدقات وزکاۃ بھی اپنے ساتھ لائے۔ رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، انھیں خوش آمدید کہا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے لیے عمدہ رہائش اور خوب خاطر مدارات کا بندوبست کریں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے تحفے تحائف دینے کا بھی اعلان کیا اور دوسرے وفد کے مقابلے میں انھیں زیادہ عطیات سے نوازا اور فرمایا: [illegible] ''تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے ایک غلام کو پیچھے چھوڑا ہے، وہ ہم میں سب سے چھوٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اسے ہماری طرف بھیجو۔'' وہ غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ابھی آپ کے پاس آئے تھے، آپ نے ان کی ضرورت پوری فرمائی ہیں، آپ میری ضرورت بھی پوری فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] ''تمھاری کیا حاجت ہے؟'' اس نے عرض کی: آپ بس میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور میرے دل میں غنا بھر دے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا: [illegible] ''اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اور اسے دل کا غنی کر دے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے لیے اسی طرح عطیات دینے کا حکم دیا جیسا کہ اس کے دوسرے ساتھیوں کو دیے تھے۔ یہ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ پھر یہ 10 ھ حج کے موسم میں وادی منیٰ میں آپ ﷺ سے

1 الطبقات لابن سعد 315/1۔ 2 الطبقات لابن سعد 316/1، البدایۃ والنہایۃ 84,83/5

ملے۔ آپ ﷺ نے ان سے اس غلام کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے اس جیسا قانع شخص نہیں دیکھا۔ اللہ نے جو کچھ اسے عطا کیا ہے، وہ اس پر قناعت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فوت ہو جانے کے بعد جب اہل یمن مرتد ہوئے تو یہ غلام اپنی قوم میں کھڑا ہوا، انھیں وعظ و نصیحت کی اور اسلام پر کاربند رہنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اس کی اس تقریر کی وجہ سے قوم میں سے کوئی شخص بھی مرتد نہ ہوا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے یاد کرتے اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی ثابت قدمی اور قوم میں بھرپور کردار ادا کرنے کے بارے میں پتہ چلا تو آپ بہت خوش ہوئے۔[1]

وفد خولان

قحطانی قبیلہ خولان یمن میں آباد تھا، یہ بنو کہلان کی شاخ تھا اور خولان بن عمرو بن مالک بن حارث بن مرہ بن ادد سے منسوب تھا۔ 10 ھ میں خولان کے 10 آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے ضامن بھی ہیں۔ ہم نے آپ کی زیارت کے لیے اونٹوں پر دور دراز کا پُر مشقت سفر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

”تم لوگ خاطر جمع رکھو! تمھارا یہ مشکل سفر جس کی تم نے مشقت اٹھائی ہے، ضائع نہیں ہوا بلکہ جتنے قدم

1 الطبقات لابن سعد 323/1، شرح الزرقانی 202/5-204، البدایۃ والنہایۃ 84/5

صنعاء (یمن) سے 30 کلومیٹر جنوب مشرق میں دیار خولان کا قصبہ ہجرۃ النمس



تمھارے اونٹوں نے اٹھائے ہیں، ہر قدم پر تمھارے لیے نیکی ہے۔ پس جو شخص میری زیارت کے لیے مدینہ آتا ہے تو قیامت کے دن وہ میری ہمسائیگی میں ہوگا۔"

آپ ﷺ نے پوچھا: "عم انس کا کیا بنا؟" (یہ خولان کا بت تھا۔) انھوں نے کہا: الحمدللہ آپ کی ہدایت و تعلیم جو ہم تک پہنچی ہے، وہ بت پرستی کا نعم البدل ثابت ہوئی ہے۔ صرف چند بوڑھے مرد اور عورتیں ایسی رہ گئی ہیں جو ابھی تک اس بت کی پوجا کرتے ہیں، باقی تمام لوگوں نے بت پرستی چھوڑ دی ہے۔ ان شاء اللہ واپسی پر ہم اس بت کا نام و نشان بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ہم تو بہت بڑے دھوکے اور فتنے میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم نے اس کا سب سے بڑا فتنہ کیا دیکھا؟" انھوں نے کہا: ہم قحط میں مبتلا ہوئے، حالت یہ ہوگئی تھی کہ ہم نے بوسیدہ ہڈیاں بھی کھائیں لیکن اس بت کے لیے جو کچھ ہمارے پاس تھا، ہم نے جمع کیا۔ ہم نے 100 بیل خریدے اور ایک ہی وقت میں اس بت کے نام پر ذبح کر کے وہیں پھینک دیے۔ درندے انھیں نوچتے رہے جبکہ درندوں کے مقابلے میں ہمیں زیادہ ضرورت تھی۔ پھر ہم پر بارش برسی اور اس قدر ہریالی ہوئی کہ آدمی کے قد کے برابر ہوگئی۔ اس پر ہم میں سے کہنے والا کہتا: "ہم پر عم انس نے انعام فرمایا ہے۔"

اسی طرح انھوں نے کہا کہ ہم اپنے بتوں کے لیے اپنے جانوروں میں سے بعض جانور اور کھیتی میں سے کچھ خاص حصہ مختص کرتے تھے، یعنی کچھ حصہ بت کے نام اور کچھ اللہ کے نام کا ہوتا تھا۔ اگر بت کا حصہ ہلاک ہو جاتا یا آندھی اور طوفان میں تباہ ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کا حصہ بت کو دے دیتے تھے اور اگر اللہ کا حصہ تباہ یا ضائع ہو جاتا تو بت کے نام والا حصہ اللہ کے لیے نہیں دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ

"اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں مجھ پر یہ نازل فرمایا ہے: "اور انھوں نے اس میں سے اللہ کا حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا فرمایا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ (حصہ) اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے، پھر ان کے دیوتاؤں کا جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا حصہ ہے، وہ ان کے دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

پھر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس (بت) کے پاس اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کروانے جاتے تھے تو وہ ہم سے بات بھی کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''یہ شیاطین ہوتے تھے جو تم سے باتیں کرتے تھے۔''

اس گفتگو کے بعد آپ ﷺ نے اہل وفد کو دین حنیف کے فرائض، یعنی نماز، روزہ، حج اور زکاۃ کی تعلیم دی اور کچھ نصیحتیں فرمائیں کہ عہد کو پورا کرنا، امانت کو اس کے حق دار تک پہنچانا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، کسی پر ظلم نہ کرنا۔

انھیں رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا گیا اور ان کی خوب ضیافت کی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں عطیات سے نوازا۔ ہر ایک کو 12 اوقیے چاندی اور کچھ مزید بھی عطا کیا۔

جب یہ وفد واپس اپنے وطن پہنچا تو ان لوگوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا کہ عم انس نامی بت کو گرایا اور جو چیزیں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے حلال بتائی تھیں، انھیں حلال اور جو حرام بتائی تھیں، انھیں اپنے اوپر حرام سمجھا۔[1]

وفد جعفی

جعفی قحطانی قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا اور یہ جعفی بن سعد العشیرہ بن مالک (مذحج) سے منسوب تھا۔ ابوبکر بن قیس جعفی بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں جعفی قبیلے کے لوگ دل کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ جعفی قبیلے کے دو افراد قیس بن سلمہ اور سلمہ بن یزید، جو اخیافی بھائی تھے، مسلمان ہو گئے۔ ان کی والدہ کا نام ملیکہ بنت حلو بن مالک جعفی تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: [illegible] ''مجھے پتہ چلا ہے کہ تم لوگ دل نہیں کھاتے؟''

انھوں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے دل منگوایا، اسے بھنوایا اور سلمہ بن یزید کو دے دیا۔ جب اس نے دل پکڑا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے کھاؤ۔ اس نے بادل نخواستہ کھا لیا اور کہا:

[illegible]

''میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی دل کھایا اور جب میں نے اسے ہاتھ میں پکڑا تو میرا ہاتھ کانپ رہا تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے قیس بن سلمہ کے لیے ایک تحریر بھی لکھی جس کی عبارت یہ تھی:

[illegible]

---

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 663,662/2، سبل الہدیٰ والرشاد: 332,331/6.

وجہ سے میں اپنے امانت کو مکمل نہیں ڈال سکتا۔ آپ ﷺ نے ایک پیالا منگوا کر اس کے زخم پر رگڑا تو زخم صحیح ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے لیے اور اس کے دونوں بیٹوں کے لیے دعا فرمائی۔ پھر ابو سبرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یمن میں میری قوم کی ایک وادی ہے، وہ میرے نام کر دیجیے۔ اس وادی کا نام حُرّان تھا۔ آپ ﷺ نے وہ وادی اس کے نام کر دی۔[1]

وفد بنی ازد

بنو ازد ایک یمنی قحطانی قبیلے کا نام ہے۔ ازد اس قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ اسے ازد شنوءہ بھی کہتے ہیں۔

علقمہ بن زید اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ میں وفد بنو ازد کے ان سات آدمیوں میں شامل تھا جو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ بڑی خوش خلقی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [illegible] ''آپ کون لوگ ہیں؟'' ہم نے کہا: ہم مومن لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے، تمھاری اس بات کی اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟''

ہم نے عرض کیا: اس بات کی حقیقت ہماری پندرہ خصلتیں ہیں۔ ان میں پانچ وہ ہیں جو آپ کے قاصد آپ کی طرف سے حکما ہمارے پاس لائے اور ہم سب لوگ ان چیزوں پر ایمان لا چکے ہیں۔ باقی پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ آخری پانچ صفات وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت سے عمل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن کا میرے قاصدوں نے حکم دیا ہے؟'' ہم نے عرض کی: انھوں نے ہمیں اللہ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور موت کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

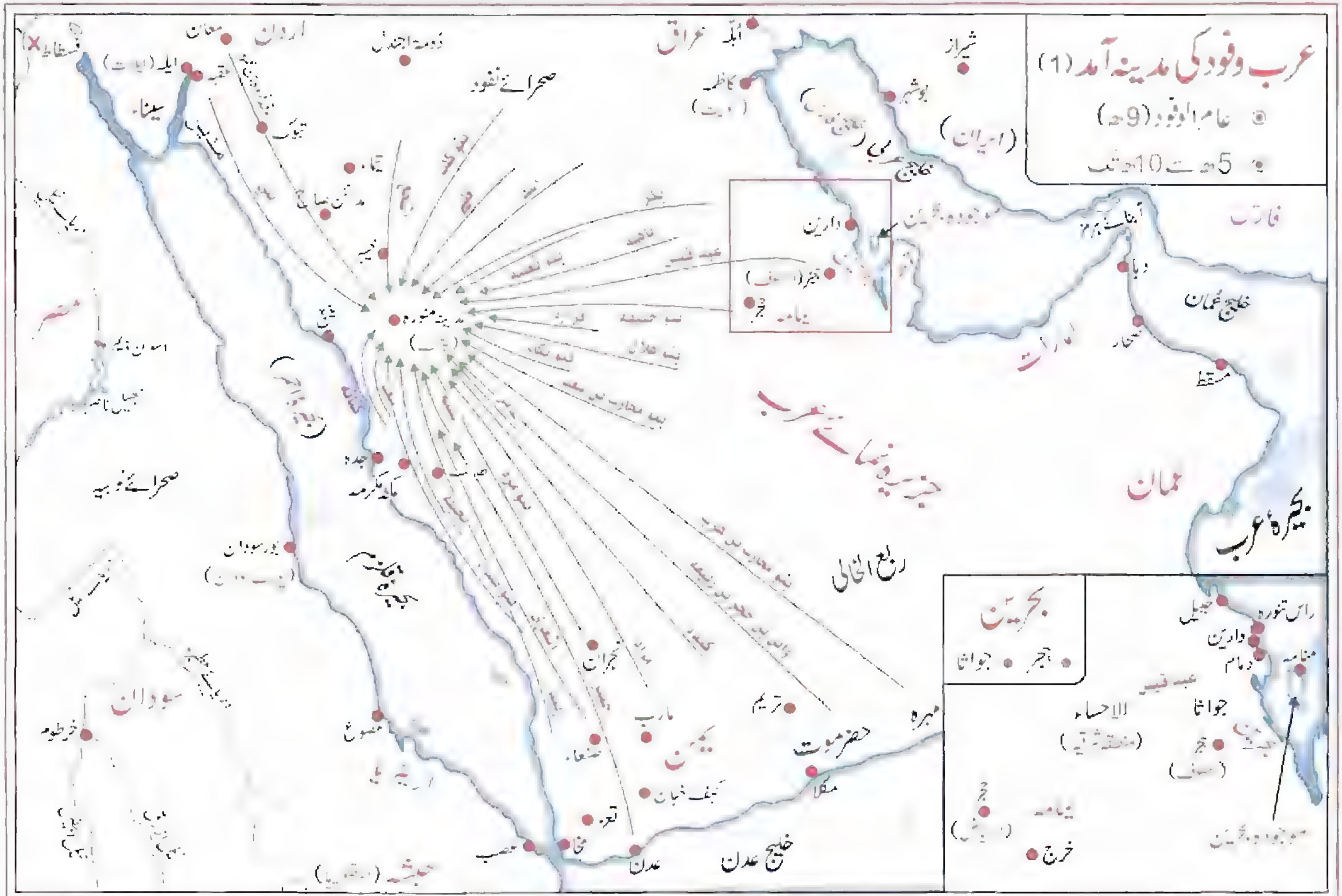
آپ ﷺ نے پھر وضاحت پوچھی:

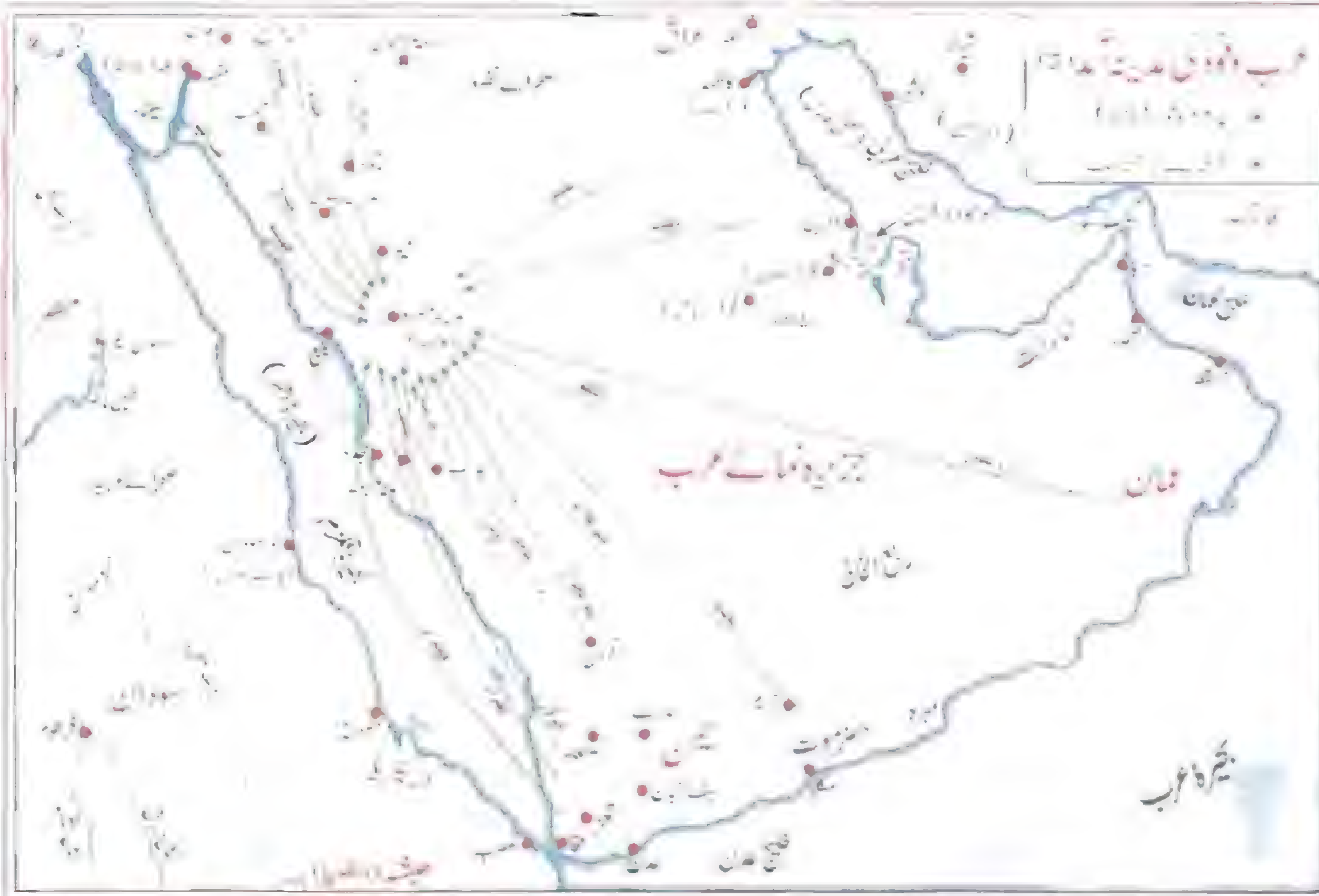
[illegible]

''اور وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن پر عمل کرنے کا تمھیں حکم دیا گیا ہے؟''

ہم نے عرض کی: آپ کے قاصدوں نے ہمیں لا الٰہ الا اللہ کا اقرار، نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے اور ہر صاحب استطاعت کو بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیا ہے۔

1 الطبقات لابن سعد 326,325/1


عرب وفود کی مدینہ آمد (1)
عام الوفود (9ھ)
5ھ سے 10ھ تک
جزیرہ نمائے عرب
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
جدہ
خیبر
تبوک
معان
اردن
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
عراق
ابلہ
کاظمہ
بوشہر
شیراز
ایران
خلیج عرب
دارین
ہجر
یمامہ
آبنائے ہرمز
دبا
صحار
مسقط
خلیج عمان
عمان
بحیرۂ عرب
ربع الخالی
نجران
مارب
تریم
حضرموت
مہرہ
مکلا
یمن
صنعاء
تعز
مخا
عدن
خلیج عدن
سودان
خرطوم
صحرائے نوبیہ
مصر
سینا
بحرین
ہجر
جواثا
جبیل
راس تنورہ
دمام
منامہ
الاحساء
خرج
قطر


جزیرہ نمائے عرب
عمان
بحیرۂ عرب
خلیج عدن
حضرموت

آپ ﷺ نے پوچھا:

’’اور وہ پانچ صفات کون سی ہیں جو تم لوگوں نے دور جاہلیت ہی سے اختیار کر رکھی ہیں؟‘‘

ہم نے کہا: خوشحالی میسر ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا، مصیبت آنے پر صبر کرنا، ہر حال میں راضی بقضا رہنا اور ملاقات کے وقت ہمیشہ سچ بولنا اور دشمنوں کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔

اہل وفد کی گفتگو اور جوابات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’بڑے حکیم اور دانشور ہیں۔ فقاہت اور سمجھداری کی وجہ سے مقام نبوت کے قریب ہیں۔‘‘

پھر ارشاد فرمایا:

’’میں تمھیں پانچ خصلتیں اور بتاتا ہوں تاکہ بیس پوری ہو جائیں۔ اگر تم اسی طرح ہو جیسے تم کہتے ہو تو 1 جس چیز کو کھانا نہ ہو اسے جمع نہ کرو۔ 2 ایسی عمارت مت بناؤ جس میں رہنا نہ ہو۔ 3 جس چیز کو تم چھوڑ کر جانے والے ہو، اس کے لیے اتنی بھاگ دوڑ نہ کرو۔ 4 اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم لوٹ کر جانے والے ہو اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ 5 اور اس چیز میں رغبت کرو جس کی طرف تم جا رہے ہو اور جس میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔‘‘

یہ لوگ آپ ﷺ کی وصیت کو لے کر واپس ہوئے، اسے خوب یاد رکھا اور اس پر عمل پیرا رہے۔[1]

وفد صدف[2]

شرحبیل بن عبدالعزیز صدفی اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ ہم تیرہ سے انیس کے درمیان کی تعداد میں

1 زاد المعاد: 54/3، سبل الہدیٰ والرشاد: 226-230، البدایۃ والنہایۃ: 85،84/5۔ 2 بنو صدف اس نام کے دو قبیلے تھے۔ صدف بن اسلم قبیلہ حضرموت کی ایک شاخ تھے جبکہ صدف بن عمرو کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ (معجم قبائل العرب: 637/2)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم مضبوط اور نوجوان اونٹنیوں پر سوار تھے۔ ہم نے چادریں پہنی ہوئی تھیں۔ ہم آپ ﷺ سے آپ کے گھر اور منبر کے درمیانی رستے میں ملے۔ ہم جا کر بیٹھ گئے اور سلام نہ کہا۔
آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کیا تم مسلمان ہو؟''
اہل وفد نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تو پھر تم لوگوں نے سلام کیوں نہیں کیا؟''
چنانچہ یہ لوگ اسی وقت کھڑے ہوئے اور کہا: [illegible] ''اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اور تم پر بھی سلامتی ہو، اب بیٹھ جاؤ۔''
وہ بیٹھ گئے۔ پھر انھوں نے آپ ﷺ سے نمازوں کے اوقات کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انھیں نمازوں کے اوقات سے آگاہ فرمایا۔[1]

وفد خشین[2]

خشن بن وہب فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت خیبر جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ اسی موقع پر مسلمان ہو گئے اور غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد 7 افراد قبیلہ خشین سے آئے اور ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ یہ افراد بھی مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے بیعت اسلام کی اور اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے۔[3]

وفد بنی سعد ہذیم

سعد ہذیم، قضاعہ کی شاخ لیث بن سود سے تعلق رکھتے تھے۔ ابونعمان اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم (سعد ہذیم) کے چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ ہم لوگوں نے مدینہ کے قریب ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا، پھر ہم وہاں سے مسجد نبوی کی طرف چل پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں کسی کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ جب فارغ ہوئے اور ہمیں دیکھا تو پوچھا: [illegible] ''آپ کون لوگ ہیں؟'' ہم نے کہا: ہم بنو سعد ہذیم سے ہیں۔ آخر ہم مسلمان ہو گئے۔ ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ اس کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ پر چلے گئے۔ آپ ﷺ نے ہماری خاطر تواضع کا حکم دیا، ہماری خوب مدارات کی گئی۔ ہم تین دن وہاں رہے۔ اس کے بعد ہم آپ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے

1 الطبقات لابن سعد 329/1 2 بنو خشین، بنو خشین بن نمر بن وبرہ کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ [illegible] 344/1
3 الطبقات لابن سعد 329/1

حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کرلو۔'' پھر آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو انھیں تحائف دینے کا حکم دیا تو انھوں نے انھیں کچھ اوقیے چاندی عطا کردی۔ ہم اپنے گھروں کو لوٹ آئے اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ بھی مسلمان ہوگئی۔[1]

عذرہ بن سعد کا وفد

بنو عذرہ بن سعد قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ تھے۔ ان کی نسبت عذرہ بن سعد بن ہذیم سے تھی۔ صفر 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عذرہ بن سعد کا ایک وفد حاضر ہوا۔ یہ کل 12 افراد تھے۔ ان میں حمزہ بن نعمان عذری، مالک بن ابی ریاح، سلیم بن مالک اور سعد بن مالک تھے اور یہ آخر الذکر دونوں بھائی تھے۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث نجاریہ کے گھر میں ٹھہرے، پھر نبی ﷺ کے پاس آئے اور جاہلیت والا سلام کیا اور کہا: ہم لوگ قصی کے اخیافی بھائی ہیں، ہم ہی نے مکہ سے خزاعہ اور بنو بکر کو ہٹایا تھا اور ہماری قرابتیں اور رشتہ داریاں بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''خوش آمدید! میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم لوگوں نے اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیوں نہیں کیا؟''

انھوں نے عرض کی: ہم اپنے آباء و اجداد کے دین پر ہیں اور ہم اپنے اور اپنی قوم کے لیے اچھی رہائش اور اچھا آب و دانہ تلاش کرنے آئے ہیں۔ آپ بتائیے کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''میں دعوت دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دو کہ میں تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔''

ان میں سے ایک نے کہا: اس کے فرائض کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے انھیں دین اسلام کے اہم فرائض سے آگاہ فرمایا۔ پھر سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم لوگوں کو دعوت حق دی جو ہم نے صدق دل سے قبول کر لی ہے۔ اب ہم آپ کے انصار و مددگار ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم شام تجارت کرنے جاتے ہیں، وہاں ہرقل کی حکومت ہے۔ کیا اس کے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1 الطبقات لابن سعد: 1/329، 330، والبدایۃ والنہایۃ: 5/85، 86

[illegible]

''خوش ہو جاؤ، عنقریب (ملک) شام مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگا اور ہرقل اپنے محفوظ مقام کی طرف بھاگ کر اپنی جان بچائے گا۔''

آپ ﷺ نے انھیں کاہنہ عورتوں سے سوال کرنے اور بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے سے بھی روک دیا۔ آپ نے انھیں یہ بھی بتایا کہ اسلام نے ان کے لیے عیدالاضحی کے موقع پر سال میں ایک مرتبہ قربانی رکھی ہے۔

یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ چند دن وہاں مدینہ میں قیام کیا، پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی اسی طرح عطیات سے نوازا جیسا کہ آپ دوسرے وفود کو نوازتے تھے۔ ان میں سے ایک کو خصوصی طور پر ایک چادر بھی عنایت کی۔

اسی طرح زمل بن عمرو عذری نبی ﷺ کے پاس آئے۔ انھوں نے نبی ﷺ کو اپنے بت سے سنی ہوئی باتوں سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [illegible] ''یہ جنوں میں سے ایمان لانے والا جن ہے۔''

زمل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی قوم کے لیے انھیں ایک جھنڈا بھی باندھ کر دیا۔ زمل رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ اسی طرح جنگ مرج میں بھی شامل ہوئے اور اسی میں شہید ہو گئے۔[1]

وفد سلامان

قبیلہ سلامان بن سعد کا تعلق قضاعہ سے تھا۔ اس میں صحابہ کثرت سے تھے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد محترم کی کتابوں میں یہ تحریر لکھی ہوئی پائی ہے کہ حبیب بن عمرو سلامانی بیان کرتے تھے کہ ہم سات آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہماری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے مسجد نبوی کے باہر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کسی کا جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تم پر بھی، تم کون لوگ ہو؟'' ہم نے عرض کی: ہم قبیلہ سلامان سے ہیں۔ ہم آپ کے مبارک ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنے آئے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے بھی ضامن ہیں۔

آپ ﷺ اپنے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: [illegible]

''ان وفد والوں کو وہیں ٹھہراؤ جہاں دوسرے وفد ٹھہرتے ہیں۔''

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 1/331، 332، شرح الزرقانی 5/215، 216، زاد المعاد 3/569

نبی ﷺ نماز ظہر پڑھا کر جب ریاض الجنہ میں تشریف فرما ہوئے تو ہم آگے بڑھے اور آپ ﷺ سے نماز اور اسلام کے دوسرے احکامات کے متعلق دریافت کیا۔ اسی طرح دم جھاڑ کے متعلق بھی ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ پھر ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ہم میں سے ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیے چاندی عطا فرمائی۔ ہم اپنے گھروں کو لوٹ آئے، یہ شوال 10ھ کی بات ہے۔[1]

وفد جہینہ

قحطانی قبیلے جہینہ کا نسب جہینہ بن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحافی بن قضاعہ ہے۔ ابو عبدالرحمن مدنی کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عبدالعزیٰ بن بدر بن زید جہنی اپنے اخیافی بھائی ابو روعہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے نام پوچھے تو انھوں نے اپنے نام بتائے۔ آپ ﷺ نے عبدالعزیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا: [illegible] ''اب تیرا نام عبداللہ ہے۔'' اور ابو روعہ سے فرمایا: [illegible] ''تم ان شاء اللہ دشمنوں کو ڈراؤ گے۔'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا [illegible] ''تم کس قبیلے سے ہو؟'' انھوں نے کہا: ہم بنو غیان سے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [illegible] ''تم بنو رشدان ہو۔'' اسی طرح جس وادی میں وہ رہتے تھے، اس کا نام غوی تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام بھی تبدیل کر کے رشد رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے جہینہ کے دو مشہور پہاڑوں اجرد اور اشعر کے بارے میں ارشاد فرمایا: [illegible] ''یہ دونوں پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں، ان پر کوئی فتنہ اثر انداز نہیں ہوگا۔''

فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ (عبدالعزیٰ) بن بدر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں ان کے لیے مسجد کی جگہ بھی منتخب کر دی۔ یہ مدینہ میں پہلی مسجد تھی جس کی جگہ رسول اللہ ﷺ نے خود منتخب فرمائی تھی۔

عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارا ایک بت تھا جس کی ہم خوب تعظیم کرتے تھے۔ میں خود اس کا خادم اور دربان تھا۔ جب میں نے نبی ﷺ کی دعوت سنی تو میں نے وہ بت توڑ ڈالا اور نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، حق کی گواہی دی اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے ہر حلال و حرام پر ایمان لے آیا۔ میں نے اس وقت یہ اشعار کہے تھے:

[illegible]

[illegible]

1 الطبقات لابن سعد 1/333،332.

"میں نے گواہی دی کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور میں پتھر کے معبودوں کو سب سے پہلے چھوڑنے والا ہوں۔ اور (اے محمد!) میں لمبے چوڑے صحراؤں اور ٹیلوں کو عبور کرتے ہوئے مہاجر بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان کی قوم کی طرف داعی بنا کر بھیجا۔ قوم نے ان کی دعوت قبول کر لی سوائے ایک آدمی کے۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے لیے بددعا کی تو اسے لقوہ ہو گیا، وہ بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بعد میں وہ اندھا اور محتاج ہو گیا۔[1] واللہ اعلم۔

وفد کلب

قحطانی قبیلہ کلب بن وبرہ کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ یہ قبیلہ شمالی عرب اور اردن کے علاقے میں آباد تھا۔ عبد عمرو بن جبلہ کلبی بیان کرتے ہیں کہ میں اور بنو رقاش کا عاصم نامی جوان رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ہم مسلمان ہو گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"میں امی نبی ہوں، میں سچا اور پاک انسان ہوں۔ جس نے مجھے جھٹلایا، مجھ سے منہ موڑا اور میرے ساتھ لڑائی کی تو ایسے شخص کے لیے تباہی ہی تباہی ہے۔ اور جس نے مجھے ٹھکانا دیا، میری مدد کی، مجھ پر ایمان لایا، میری بات کی تصدیق کی اور میرے ساتھ جہاد کیا تو ایسے آدمی کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔"

راوی بیان کرتا ہے کہ ہم نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر ہم مسلمان ہو گئے۔ عبد عمرو نے اس موقع پر چند اشعار بھی کہے تھے۔

اسی طرح ربیعہ بن ابراہیم دمشقی بیان کرتے ہیں کہ حارثہ بن قطن کلبی اور حمل بن سعدانہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حمل بن سعدانہ کے لیے ایک جھنڈا باندھا۔ وہ یہی جھنڈا لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے حارثہ بن قطن کے لیے ایک تحریر لکھوائی جس کا متن درج ذیل تھا:

[illegible]

[1] الطبقات لابن سعد 1/333، 334

[illegible]

”یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے اہل دومۃ الجندل اور اس کے گردونواح میں موجود قبیلہ کلب کے لوگوں کے نام ہے۔ یہ خط حارثہ بن قطن کے پاس ہے۔ شہر سے باہر بارانی زمینیں ہماری ہوں گی اور شہر کی آباد زمینوں کی پیداوار تمھاری ہوگی۔ شہر کی بارانی زمین کی پیداوار کا عشر وصول لیا جائے گا اور وہ زمینیں جنھیں خود کاشت کیا جائے، ان سے بیسواں حصہ زکاۃ کے طور پر وصول کیا جائے گا۔ تمھارے جانوروں کو (صدقہ وصول کرنے والے کے پاس) جمع نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسے خود جا کر وصول کرنا ہوگا) اور جو جانور علیحدہ ہیں، انھیں شمار نہیں کیا جائے گا۔ تم لوگ وقت پر نماز قائم کرو گے اور حق داروں کو پوری پوری زکاۃ ادا کرو گے۔ تمھیں کاشت کاری سے نہیں روکا جائے گا اور نہ چراگاہ سے منع کیا جائے گا۔ گھریلو سامان پر عشر نہیں لیا جائے گا۔ تمھارے لیے یہ عہد اور میثاق ہے (جو تمھیں نبھانا ہے) اور ہمارے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کرنا تم پر فرض ہے۔ تم اللہ اور اس کے رسول کے ذمے میں رہو گے۔ اس تحریر پر اللہ تعالیٰ اور حاضر مسلمانوں کی گواہی ثبت ہے۔“ [1]

وفد جرم

قبیلہ جرم بن زبان کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ یہ علاف (جرم) بن زبان بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ سے نسبت رکھتے تھے۔ سیدنا عمرو بن سلمہ بن قیس جرمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں ہمارا قیام ایک چشمے پر تھا۔ یہ ایک عام راستہ تھا۔ یہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ ہم ان قافلے والوں سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے کیا حالات ہیں؟ اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟ (یہ اشارہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہوتا تھا۔) لوگ بتاتے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انھیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ نے ان پر یہ وحی نازل کی ہے (وہ قرآن کی کوئی آیت سناتے)۔ میں وہ آیت فوراً یاد کر لیتا، گویا کہ وہ میرے سینے میں گاڑ دی جاتی تھی۔ ادھر سارے عرب والے اپنے اسلام کو موقوف کیے ہوئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس نبی کو اور اس کی قوم (قریش) کو نمٹنے دو۔ اگر وہ شخص ان پر غالب آ گیا تو وہ واقعی سچے نبی ہوں گے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں جلدی کی اور میرے

1 الطبقات لابن سعد 335/1

والد نے میری قوم میں سے اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔ وہ قوم کے چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا اور قرآن بھی سیکھا۔ جب واپس ہونے لگے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں نماز کون پڑھائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''تمھیں وہ شخص نماز پڑھائے جسے تم میں سے قرآن زیادہ یاد ہو۔''

پھر جب وہ مدینے سے واپس آئے تو کہا: اللہ کی قسم! میں ایک سچے نبی کے پاس سے آرہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

[illegible]

''فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور وہ شخص نماز کی امامت کرائے جسے تم میں سے قرآن سب سے زیادہ یاد ہو۔''

جب لوگوں نے دیکھا کہ قرآن سب سے زیادہ کسے یاد ہے تو میرے خاندان میں مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں آنے جانے والے قافلوں سے قرآن سن کر یاد کر لیا کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے امام بنا لیا گیا جبکہ میری عمر چھ یا سات سال تھی اور میرے پاس جو چادر تھی، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ اوپر ہو جاتی اور (پیچھے کی جگہ) کھل جاتی۔ خاندان کی ایک خاتون نے لوگوں سے کہا: [illegible] ''تم ہم سے اپنے قاری کا سرین کیوں نہیں چھپاتے؟'' چنانچہ انھوں نے ایک کپڑا خرید کر میرے لیے ایک قمیص بنائی۔ میں جتنا خوش اس قمیص سے ہوا اتنا کسی اور چیز سے نہیں ہوا تھا۔[1]

وفد بہراء

کریمہ بنت مقداد بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ محترمہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب نے مجھے بتایا کہ یمن سے بہراء کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ کل 13 افراد تھے۔ یہ لوگ بنو جدیلہ کے مقداد بن عمرو کے گھر کے قریب آکر ٹھہرے۔ مقداد اپنے گھر سے نکلے، انھیں مرحبا کہا اور اپنے ایک گھر میں ٹھہرایا۔ بعد میں یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کی دعوت پر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اسلامی احکامات

[1] صحیح البخاري، 4302، الطبقات لابن سعد: 335/1-337

سکھے۔ کچھ دن قیام کرنے کے بعد جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپ ﷺ کی خدمت میں آکر آپ کو الوداع کہا۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے عطیات دینے کا حکم دیا اور پھر یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔[1]

وفد ہمدان

قبیلہ ہمدان کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں حمزہ بن مالک بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے بہ عافیت واپس تشریف لائے تو انھیں حاضری اور ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس وقت ان لوگوں نے دھاری دار یمنی چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور عدنی عمامے باندھ رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

”ہمدان بہترین قبیلہ ہے، وہ مدد کرنے میں کس قدر تیز ہیں اور جہد و مشقت کے وقت کس قدر صبر کرنے والے ہیں۔“

یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔[2]

وفد جیشان

عمرو بن شعیب کہتے ہیں: ابو وہب جیشانی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وفد میں ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یمن کے چند مشروبات کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے شہد سے تیار ہونے والے مشروب ”البتع“ اور جو سے تیار ہونے والے مشروب ”المزر“ کے متعلق پوچھا: آیا اسے استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"[illegible]"

”کیا اسے پینے سے نشہ ہوتا ہے؟“

انھوں نے عرض کی: ہاں، اگر زیادہ پی لیں تو ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”جس کے زیادہ پینے سے نشہ ہوتا ہو، اس کا تھوڑا سا حصہ بھی حرام ہے۔“

اسی طرح انھوں نے پوچھا: جو شخص شراب تیار کر کے اپنے عمال کو پلاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 331/1. 2 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 340/1، 341، شرح الزرقاني علی المواهب 174/5-178

ارشاد فرمایا: [illegible] ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''[1]

درندوں کا وفد

طبقات ابن سعد میں ایک مرسل روایت ہے جس میں مطلب بن عبداللہ بن حنطب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھوتھنی اٹھا کر مسلسل چیخنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''تمھارے پاس یہ بھیڑیا درندوں کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہے۔ اگر تم پسند کرو تو اس کے لیے کوئی چیز خاص کر دو، پھر وہ کسی اور چیز کی طرف نہ بھاگے اور اگر چاہو تو اسے آزاد چھوڑ دو اور اس سے محتاط رہو، پھر وہ جو چیز بھی پکڑ لے گا، وہ اس کا رزق ہوگا۔''

صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کی: ہمارے دل اس کے لیے کسی چیز کو پسند نہیں کر رہے۔ نبی ﷺ نے بھیڑیے کی طرف اپنی مبارک انگلیوں سے اشارہ کیا کہ جو مرضی شکار کرو۔ چنانچہ وہ جھومتا ہوا لوٹ گیا۔[2] واللہ اعلم۔

دیگر وفود

سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکورہ وفود کے علاوہ کچھ اور غیر معروف وفود کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی کچھ تفصیلات بھی موجود ہیں جبکہ کچھ وفود ایسے بھی ہیں جن کی تفصیلات ذکر نہیں کی گئیں۔ طوالت کے ڈر سے ہم صرف ان کے ناموں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ وفود کے علاوہ درج ذیل وفود بھی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے: وفد مہرہ، وفد جذام، وفد اسلم، وفد ثمالہ و حدان، وفد بارق، وفد غافق، وفد خثعم، وفد ازدعمان، وفد غامد، وفد داریین، وفد سعد العشیرہ، وفد غسان، وفد عنس، وفد نخع وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

[1] سبل الهدى والرشاد: 318/6، الطبقات لابن سعد: 359/1. [2] الطبقات لابن سعد: 359/1، البداية والنهاية: 86/5

رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت اور وفات

اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کو عمر مبارک کے آخری دور میں ایک فرزند عطا فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی زندہ تھیں، دیگر تمام صاحبزادیاں اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں۔ اس صورتحال میں جب آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو قدرتی طور پر آپ ﷺ کو بے حد مسرت ہوئی۔ آپ ﷺ کو اپنے اس فرزندِ دلبند سے کس قدر زبردست محبت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے بلا ناغہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے کاشانے پر تشریف لے جاتے تھے اور نومولود نورِ نظر کو چمکارتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معصوم بچے کو صرف 18 مہینے کی عمر عطا فرمائی، پھر اپنے پاس بلا لیا۔ ننھے ابراہیم کی الم انگیز وفات پر آپ ﷺ نے جس وقار اور صبر و ثبات کا ثبوت دیا، وہ پوری عالمِ انسانیت کے لیے صبرِ جمیل کا لازوال سبق بن گیا۔ آیئے اس واقعے کی تفصیلات پڑھیے:

رسول اللہ ﷺ کے لختِ جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ذوالحجہ 8ھ میں ہوئی۔ ابراہیم آپ ﷺ کی لونڈی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ 6ھ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے ہم عصر سلاطین و حکام کو دعوتی خطوط بھیجے تو آپ ﷺ نے ایک مراسلہ مصر کے حاکم مقوقس کے نام بھی ارسال فرمایا۔ مقوقس نے مثبت جواب دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جوابی خط بھی لکھا اور تحائف بھی بھیجے جن میں لونڈیاں بھی شامل تھیں۔ ماریہ بنت شمعون قبطیہ انھی لونڈیوں میں سے ایک تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ماریہ کو اپنے لیے خاص کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ماریہ رضی اللہ عنہا کے حاملہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ کی ساری اولاد میں سے اب صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی باقی تھیں اور اس وقت آپ کی عمر مبارک 60 سال کے قریب ہو چکی تھی۔ ابراہیم رسول اللہ ﷺ کی آخری اولاد تھے۔



ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت

رسول اللہ ﷺ کے لختِ جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس خوشی میں سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام ہبہ کر دیا۔ ساتویں دن نومولود کے بال مونڈے گئے۔ یہ خدمت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے انجام دی۔ آپ ﷺ کے حکم پر بالوں کو دفن کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی اور عقیقہ بھی کیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت کے موقع پر فرمایا تھا:

وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ

''آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے۔ میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم کے نام پر رکھا ہے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نومولود صاحبزادے کو ام سیف کی کفالت میں دے دیا۔ یہ خاتون ابو سیف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جو لوہار تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے بچے سے ملنے کے لیے ابو سیف رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے ابو سیف کے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ابو سیف رضی اللہ عنہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ بھٹی پھونک رہے تھے جس کی وجہ سے پورے گھر میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا تھا۔ میں جلدی سے آگے بڑھا اور ابو سیف سے کہا: ابو سیف! اب بس کرو، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ یہ سن کر ابو سیف رک گئے۔ آپ ﷺ نے بچے کو اٹھا کر گلے سے لگایا اور پھر کچھ کہا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے کیا الفاظ کہے۔[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابراہیم کی کفالت اور رضاعت کی ذمہ داری ام بردہ بنت منذر نجاریہ کو سونپی تھی جو براء بن اوس کی زوجہ تھیں۔ یہ بنو نجار کے محلے میں رہتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لاتے، ام بردہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیلولہ بھی فرماتے اور اپنے بیٹے سے بھی ملتے۔[2]

پہلی روایت ہی صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح مسلم میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ابراہیم کی ولادت ہوئی تو جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

1 صحیح مسلم، 2315۔ 2 الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 136/1

السلام عليك يا أبا إبراهيم

''اے ابوابراہیم! آپ پر سلامتی ہو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادہ پیدا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اٹھا کر میرے پاس لائے اور فرمایا: انظري إلى شبهه بي ''عائشہ! دیکھو، یہ بچہ مجھ سے کتنی مشابہت رکھتا ہے۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: ما أرى شبها ''مجھے تو کوئی مشابہت نظر نہیں آرہی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا ترين إلى بياضه ولحمه

''کیا تم اس کی سفید رنگت اور گوشت کو نہیں دیکھ رہی؟''

سیدہ فرماتی ہیں: میں نے کہا: من قصر عليه اللقاح وسقي ألبانها ابيض وسمن ''اللہ کے رسول! جسے بھی اونٹنیوں اور بھیڑوں کا دودھ پلایا جائے، اس کی رنگت سفید ہی ہوتی ہے اور جسمانی لحاظ سے وہ بچہ صحت مند اور موٹا بھی ہوتا ہے۔'' (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات ماریہ رضی اللہ عنہا سے رشک وغیرت کی بنا پر کہی تھی ورنہ وہ خوب جانتی تھیں کہ ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے۔)[1] واللہ اعلم بالصواب۔

ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کی ولادت ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أعتقها ولدها

''ام ابراہیم (ماریہ) کو اس کے بیٹے (ابراہیم) نے آزاد کرا دیا ہے۔''[2]

ابراہیم کی وفات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر ابراہیم صرف 18 ماہ کی عمر پا کر 20 ربیع الاول بروز منگل 10 ھ میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا شدید قلق ہوا۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس گھر میں لے گئے جہاں آپ کا بیٹا ابراہیم رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو اپنی گود میں اٹھایا۔ اس وقت ابراہیم پر جان کنی کا عالم طاری تھا۔ یہ منظر دیکھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بھی رو رہے ہیں؟ کیا آپ نے ہمیں رونے سے منع نہیں فرمایا؟

[1] الطبقات لابن سعد 1/134-137، صحيح مسلم: 2315 [2] الطبقات لابن سعد 1/136

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

’’میں نے نوحہ کرنے سے منع کیا ہے، دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں سے روکا ہے۔ ایک وہ آواز جو کسی نعمت کے موقع پر لہوولعب اور شیطانی آواز کی صورت میں بلند ہو اور دوسری وہ آواز جو کسی ناگہانی مصیبت کے آپڑنے پر نکالی جائے، یعنی چہرے کو نوچنا، گریبان پھاڑنا اور شیطان کی طرح اونچی آواز کے ساتھ رونا۔‘‘

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

[illegible]

’’یہ آنسو تو رحمت اور شفقت کے آنسو ہیں اور جو شخص رحم نہیں کھاتا، اس پر بھی کوئی رحم نہیں کرتا۔ اے ابراہیم! اگر موت برحق اور سچا وعدہ نہ ہوتی، ہر کسی کا اس پر یہ وقت آنے والا نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ بعد میں آنے والوں کو اپنے سے پہلے آنے والوں سے جاملنا ہے، تو ہم تجھ پر اس سے بھی بڑھ کر غم واندوہ کا اظہار کرتے۔ بہرحال ہمیں تیری جدائی کا شدید غم ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم سے ڈوبا جا رہا ہے لیکن ہم اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالیں گے جس سے ہمارا رب اللہ عزوجل ناراض ہو۔‘‘

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[illegible]

’’میں نے نوحہ اور بین کرنے سے روکا تھا اور اس بات سے منع کیا تھا کہ میت کی طرف وہ اوصاف منسوب کیے جائیں جو اس میں نہ ہوں۔ یہ رونا تو رحمت ہے۔‘‘

جبیر بن عبداللہ بن ابی نجیح بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ شدت غم سے رو پڑے۔ یہ الم انگیز صورتحال دیکھ کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی غم کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو چیخنے سے روک دیا۔ انھوں نے نہایت ادب سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی تو رو رہے

ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

[illegible]

”رونا تو رحمت کی علامت ہے اور چیخیں مارنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔“

ابراہیم چونکہ مدت رضاعت میں فوت ہوئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”ابراہیم میرا بیٹا تھا۔ وہ مدت رضاعت میں فوت ہوگیا۔ اب اس کے لیے جنت میں دو دائیاں ہیں جو اسے دودھ پلانے کی مدت پوری کریں گی۔“[1]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابراہیم کی وفات پر فرمایا: [illegible]

”اس کے لیے جنت میں ایک دایہ مقرر ہوئی ہے۔“[2]

امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر ارشاد فرمایا تھا: [illegible] ”اگر ابراہیم زندہ رہتا تو میں ہر قبطی سے جزیہ ختم کر دیتا۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [illegible] ”اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں (قبطی شخص) غلام نہ رہتا۔“[3]

اسی طرح اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ان کی وفات بچپن ہی میں ہوگئی تھی اور اگر یہ طے ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد ہوگی تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔[4]

غسل اور نماز جنازہ

ابراہیم رضی اللہ عنہ کو سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے غسل دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ ام بردہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کا جنازہ پڑھایا تھا یا نہیں؟ اس کے بارے میں اسماعیل سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کا جنازہ پڑھا تھا؟ انھوں نے جواب دیا:

[illegible]

1 [illegible] 1/138، 139۔ 2 صحیح البخاری، 6195۔ 3 [illegible] 1/144۔ 4 صحیح البخاری، 6194۔

"مجھے نہیں معلوم، اللہ ابراہیم پر رحمت فرمائے، اگر وہ زندہ رہتے تو صدیق اور نبی ہوتے۔"[1]

البتہ ایک دوسری روایت میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات اٹھارہ ماہ کی عمر میں ہوئی، آپ ﷺ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔[2] اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ ابراہیم کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا۔ بعض دوسری روایات میں جنازہ پڑھنے کا تذکرہ بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہیں۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس دن سورج گرہن ہوا تھا جیسا کہ آگے آ رہا ہے، اس کی نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے جنازہ چھوڑ دیا گیا یا پھر اس فضیلت پر اکتفا کیا گیا جو انھیں رسول اللہ ﷺ کے فرزند ہونے کی نسبت سے حاصل تھی۔[3]

ابراہیم کی تدفین

جب ابراہیم کو دفنانے کا وقت آیا تو پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کہاں دفن کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہمارے پیش رو عثمان بن مظعون کے قریب دفن کرو۔" ابراہیم کی قبر پر ایک پتھر رکھا گیا اور پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔[4]

آل علی رضی اللہ عنہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم کو دفن دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہے کوئی شخص جو مشکیزہ لے آئے؟"

ایک انصاری صحابی پانی سے بھرا ایک مشکیزہ لے آئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اب ابراہیم کی قبر پر اس پانی کا چھڑکاؤ کرو۔"

عطاء کہتے ہیں: جب ابراہیم کی قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبر کی ایک جانب ایک پتھر ابھرا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے برابر کر دیا اور فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسے مضبوط اور اچھے طریقے سے کرے۔ اس سے مصیبت زدہ کو تسلی ملتی ہے۔"

مکحول کہتے ہیں کہ جب ابراہیم کو دفنایا جا رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ قبر کے کنارے تشریف فرما تھے۔

1 صحیح الجامع 5/333، مسند احمد 3/280. 2 سنن ابی داود: 3187. 3 مزید دیکھیے: احکام الجنائز للالبانی، ص 103، 104، شرح ... 4/446، 447. 4 الطبقات لابن سعد 1/144.

آپ ﷺ نے لحد میں ایک سوراخ دیکھا تو اسے بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''اس سے میت کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا، البتہ زندوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔'' ابراہیم کی قبر بقیع میں دارِ عقیل کے قریب بنائی گئی تھی۔[1]

وفات کے دن سورج گرہن

رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم جس دن فوت ہوئے، اسی دن اتفاق سے سورج گرہن ہوا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا: ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج بھی بے نور ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو آپ نے اس عقیدے کی نفی کی اور قوم کی اصلاح فرمائی۔ صحیح بخاری میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ سے مروی ہے کہ جس دن ابراہیم فوت ہوئے، اُسی دن سورج کو گرہن لگا تو لوگوں نے کہا: ''ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات کے باعث انھیں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ان دونوں کا گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور اس وقت تک نماز پڑھتے رہو جب تک ان کا گرہن ختم نہ ہو جائے۔''[2]

سنن نسائی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

''جب تم گرہن دیکھو تو نماز پڑھو، صدقہ و خیرات کرو اور اللہ عزوجل کا ذکر کرو۔''

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے سورج اور چاند کے گرہن کا مقصد بھی بتایا، فرمایا:

''بلاشبہ سورج اور چاند کسی کی موت و حیات کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے، یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمھیں ڈراتا ہے۔''[3]

1 الطبقات لابن سعد: 142،141/1. 2 صحیح البخاري: 1060. 3 سنن النسائي: 1501، الطبقات لابن سعد: 1/134-144، البداية والنهاية: 5/332، سبل الهدى والرشاد: 11/21-26

سیدنا خالد بن ولید ؓ کا حملہ نجران

9 ھ میں غزوۂ تبوک رسول اللہ ﷺ کا آخری معرکہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے بنفس نفیس کسی معرکے میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس غزوے کے اختتام تک پورا جزیرہ نمائے عرب مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ بس جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں مدینہ منورہ سے بہت دور دو قبیلے ایسے تھے جو ابھی تک کفر پر قائم تھے۔ انھوں نے ابھی تک اپنا کوئی وفد مدینہ منورہ نہیں بھیجا تھا اور اپنے قبائل کے اسلام قبول کرنے یا صلح کا معاہدہ کرنے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ دو قبائل یمن کے مذحج اور نجران کے بنو حارث بن کعب تھے۔ نبی ﷺ نے مذحج کو سبق سکھانے کے لیے سیدنا علی بن ابی طالب ؓ کو یمن بھیجا۔ اسی طرح 10 ھ جمادی الاولیٰ یا ربیع الآخر میں سیدنا خالد بن ولید ؓ کو ایک لشکر جرار دے کر نجران روانہ کیا۔ ان کا مقابلہ بنو حارث بن کعب سے تھا۔[1] وہ زمانہ قدیم سے بہت بڑی جنگی قوت مانے جاتے تھے۔ وہ اپنے خونریز معرکوں، بہادری کے کارناموں اور اپنے اتحاد و اتفاق کی وجہ سے پورے عرب میں معروف تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید ؓ کو ایک طاقتور لشکر دے کر روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کے قائد کو نصیحت فرمائی کہ ”بنو حارث کو تین دن تک اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہت اچھی بات ہے، بصورت دیگر تین دن گزرنے کے بعد ان سے لڑائی کرنا۔“

سیدنا خالد ؓ یہ قیمتی ہدایتیں حاصل کر کے چل پڑے۔ انھوں نے نجران پہنچ کر، بنو حارث کے مختلف علاقوں میں اپنے منادی بھیجے۔ وہ لوگوں کو بلند آواز سے اسلام کی دعوت دینے لگے: ”لوگو! مسلمان ہو جاؤ، اس طرح تم سلامت رہو گے۔“ لوگوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور مسلمانوں کے بھائی بن گئے۔ اس طرح بنو حارث لڑائی لڑے بغیر ہی راہ راست پر آ گئے۔

ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا خالد ؓ نجران ہی میں رک گئے اور لوگوں کو قرآن مجید اور سنت رسول

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ ”خالد بن ولید ؓ کو ربیع الاول 10 ھ میں بنو عبدالمدان کی طرف نجران بھیجا گیا۔“ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 169/2) بنو عبدالمدان بنو مذحج (یمن) کی شاخ بنو حارث بن کعب میں سے تھے۔ عہد نبوی میں یزید بن عبدالمدان، بنو حارث کا رئیس تھا۔ (معجم قبائل العرب: 231/1)

کے احکام سکھانے شروع کر دیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا وہ آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل میں لگ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ خوش خبری دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

خالد بن ولید کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بلاشبہ میں اس اللہ کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اما بعد! اے اللہ کے رسول! آپ پر اللہ رب العزت کی رحمتیں ہوں۔ آپ نے مجھے بنو حارث بن کعب کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں انھیں تین دن تک اسلام کی دعوت دوں۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو میں ان کے پاس ٹھہر جاؤں۔ ان کا اسلام لانا قبول کر لوں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کروں۔ انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کراؤں۔ انھیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم دوں۔ اور اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان سے جہاد کروں۔ لہٰذا میں ان کے علاقے میں آپہنچا۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق انھیں تین دن تک اسلام کی دعوت دی۔ میں نے اپنے گھڑ سوار مبلغین ان کے پورے علاقے میں پھیلا دیے۔ مبلغین نے بنو حارث کو بلند آہنگی سے اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا: اے بنو حارث! مسلمان ہو جاؤ، اس طرح تم سلامت رہو گے۔ لہٰذا وہ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے لڑائی نہیں کی۔ اب میں انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا رہا ہوں۔ سنت نبوی سکھا رہا ہوں اور اس خوش خبری سے آپ کو مطلع کر رہا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جوابی خط ارسال فرمایا۔ اس میں اہل نجران کے اسلام قبول کرنے پر حکم دیا کہ ان کے رؤساء کا ایک وفد مدینہ منورہ روانہ کیا جائے۔ آپ کے مبارک مراسلے کا متن درج ذیل ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد النبي رسول الله إلى خالد بن الوليد، سلام عليك،

فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد،

فإن كتابك جاءني مع رسولك تخبر أن بني الحارث بن كعب قد أسلموا قبل أن تقاتلهم

وأجابوا إلى ما دعوتهم إليه من الإسلام وشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده

ورسوله وأن قد هداهم الله بهداه فبشرهم وأنذرهم [illegible]

[illegible]

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
محمد نبی رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے خالد بن ولید کے نام!
سلام علیک. یقیناً میں بھی اللہ کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اما بعد!
تمھارے پیغام بر کے ذریعے تمھارا خط ملا۔ اس میں یہ خوش خبری ملی کہ بنو حارث بن کعب لڑے بغیر ہی مسلمان ہوگئے ہیں۔ انھوں نے تمھاری دعوت پر اسلام قبول کر لیا ہے، ایک اللہ کے معبود برحق ہونے کی گواہی دے دی ہے اور اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی خاص ہدایت سے سرفراز فرما دیا ہے۔ تم انھیں جنت کی خوشخبری دو اور اللہ کے عذاب سے ڈراؤ اور ان کے ایک وفد کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ پہنچ جاؤ۔
والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

رسول اللہ ﷺ کا مبارک نامہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ بنو حارث کے زعماء کا ایک وفد ساتھ لے کر سوئے مدینہ چل پڑے۔ اس وفد میں بنو حارث کے سردار قیس بن حصین ذوالغصہ، یزید بن عبدالمدان، یزید بن محجل، عبداللہ بن قراد زیادی، شداد بن عبداللہ قنانی اور عمرو بن عبداللہ ضبابی شامل تھے۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: "یہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو ہندی لگ رہے ہیں۔" آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ بنو حارث کا وفد ہے۔ وفد کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: [illegible] "ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔" ان کے توحید و رسالت کے اس اقرار پر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔"
پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: [illegible] "کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنھیں جنگ پر اکسایا جائے تو وہ پھر بھی پیش قدمی کرتے ہیں؟"
وفد کے ارکان خاموش رہے۔ کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو کوئی جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: "کیا تم ہی ہو جو جنگ میں پہل تو نہیں کرتے مگر کوئی للکارے تو خوب جم کر لڑتے ہو؟" اس بار بھی سب ادب کی وجہ

سے چپ رہے۔ آپ نے یہ بات تیسری اور چوتھی بار کہی تو یزید بن عبدالمدان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! ہم وہی ہیں جنھیں اشتعال دلایا جائے تو خوب لڑتے ہیں۔ انھوں نے یہ بات چار دفعہ دہرائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر خالد بن ولید نے مجھے یہ اطلاع نہ دی ہوتی کہ تم نے لڑائی لڑے بغیر اسلام قبول کر لیا ہے تو تمھاری گردنیں کاٹ کر تمھارے قدموں میں ڈھیر کر دی جاتیں۔'' اس پر یزید بن عبدالمدان نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر ہم آپ ﷺ کے یا خالد کے شکر گزار نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''پھر تم کس کے شکر گزار ہو؟''

سب نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں جس نے آپ ﷺ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت سے نوازا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کہا۔''

پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم جاہلیت میں اپنے دشمن پر کس طرح غالب آتے تھے؟'' وہ عرض کرنے لگے: ہم کسی پر غلبہ پانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! تم تو ہر اس قبیلے پر غالب آجاتے تھے جو تم سے لڑتا تھا۔'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی ہم پر حملہ کرتا تو ہم متحد ہو کر اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اس طرح ہمیں فتح حاصل ہوتی اور ہمارا دشمن ہار جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کہا ہے۔'' آپ ﷺ نے قیس بن حصین کو بنو حارث کا امیر مقرر فرمایا۔ اس طرح یہ وفد شوال کے آخر یا ذوالقعدہ کے آغاز میں اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔ ابھی یہ لوگ اپنے علاقے میں بمشکل چار مہینے ہی ٹھہرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو دین اسلام سکھانے، انھیں تربیت دینے اور سنت نبوی سے روشناس کرانے کے لیے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور انھیں زکاۃ کی وصولی کا ذمہ دار بھی بنایا تھا۔ آپ نے انھیں نہایت ضروری احکام پر مشتمل ایک جامع تحریر بھی مرحمت فرمائی۔ اس تحریر کی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا بیان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کرو۔''

یہ محمد نبی رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے نام عہد نامہ ہے جو انھیں یمن روانہ کرتے وقت عطا کیا گیا۔ آپ نے انھیں تمام معاملات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ متقی اور احسان کرنے والے لوگوں

کے ساتھ ہے۔ ان کا مددگار اور حامی ہے۔ آپ نے انھیں حق کا ساتھ دینے کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ لوگوں کو خیر و خوبی کی بشارت دینے کا حکم دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو خیر اور بھلائی کی تلقین کریں اور ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ انھیں احکام دین سکھائیں۔ برے اعمال سے روکیں۔ کوئی شخص بغیر طہارت حاصل کیے قرآن کو نہ چھوئے۔ لوگوں کو ان کے حقوق اور فرائض کی تعلیم دیں۔ حق کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ نرمی برتیں اور ظالموں سے سختی کے ساتھ نمٹیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم سے منع فرمایا ہے اور ظلم کو ناپسند کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

انھیں چاہیے کہ لوگوں کو جنت کی خوش خبری دیں اور جنت میں پہنچانے والے اعمال سے روشناس کرائیں۔ لوگوں کو جہنم سے ڈرائیں اور جہنم رسید کرانے والے اعمال سے ڈرائیں۔ لوگوں سے انس و محبت بڑھائیں تاکہ وہ دینی احکام و مسائل سیکھ سکیں۔ لوگوں کو مناسک حج کی تربیت دیں۔ انھیں مناسک حج کے فرائض و سنن سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعلیم دیں۔ حج اکبر سے مراد حج ہے اور حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔ لوگوں کو ایک تنگ اور مختصر کپڑے میں نماز پڑھنے سے روکیں۔ ہاں اگر ایک ہی چادر ہو، وہ کندھوں پر ڈال لی جائے اور ستر چھپ جائے تو اس میں نماز پڑھ لیں۔ لوگوں کو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع کریں جبکہ ان کے جسم پر صرف ایک ہی کپڑا ہو اور حبوہ باندھنے سے ستر کھل جائے۔ کوئی شخص گدی میں اپنے بالوں کا جوڑا نہ بنائے۔ لوگوں کو قبائلی عصبیت اور خاندانی فخر و غرور کی دعوت دینے اور اعلان کرنے سے روکیں۔ صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں۔ جو شخص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت نہ دے اور قبائلی عصبیت اور فخر و غرور کی طرف بلائے تو اسے تلوار سے سبق سکھا دیا جائے حتی کہ وہ بھی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی توحید کی دعوت دینے لگے۔ لوگوں کو مکمل وضو کرنے کا حکم دیں۔ چہرے دھوئیں، بازو کہنیوں سمیت دھوئیں، پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئیں اور سر کا مسح کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز اس کے وقت پر ادا کی جائے۔ رکوع و سجود اطمینان و سکون سے ادا کریں۔ صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کریں۔ ظہر کی نماز سورج ڈھلنے پر پڑھیں۔ نماز عصر سورج کے مغرب کی طرف مائل ہونے پر ادا کریں، سورج غروب ہونے پر نماز مغرب ادا کریں۔ آسمان پر ستارے جگمگانے تک نماز مغرب کو مؤخر نہ کریں۔ نماز عشاء رات کے ابتدائی حصے میں ادا کریں۔ جمعے کے روز اذان جمعہ کے وقت اہتمام کے ساتھ جمعے کے لیے آئیں۔ نماز جمعہ کے لیے غسل کر کے آئیں۔ غنیموں میں سے اللہ تعالیٰ کا حق خمس

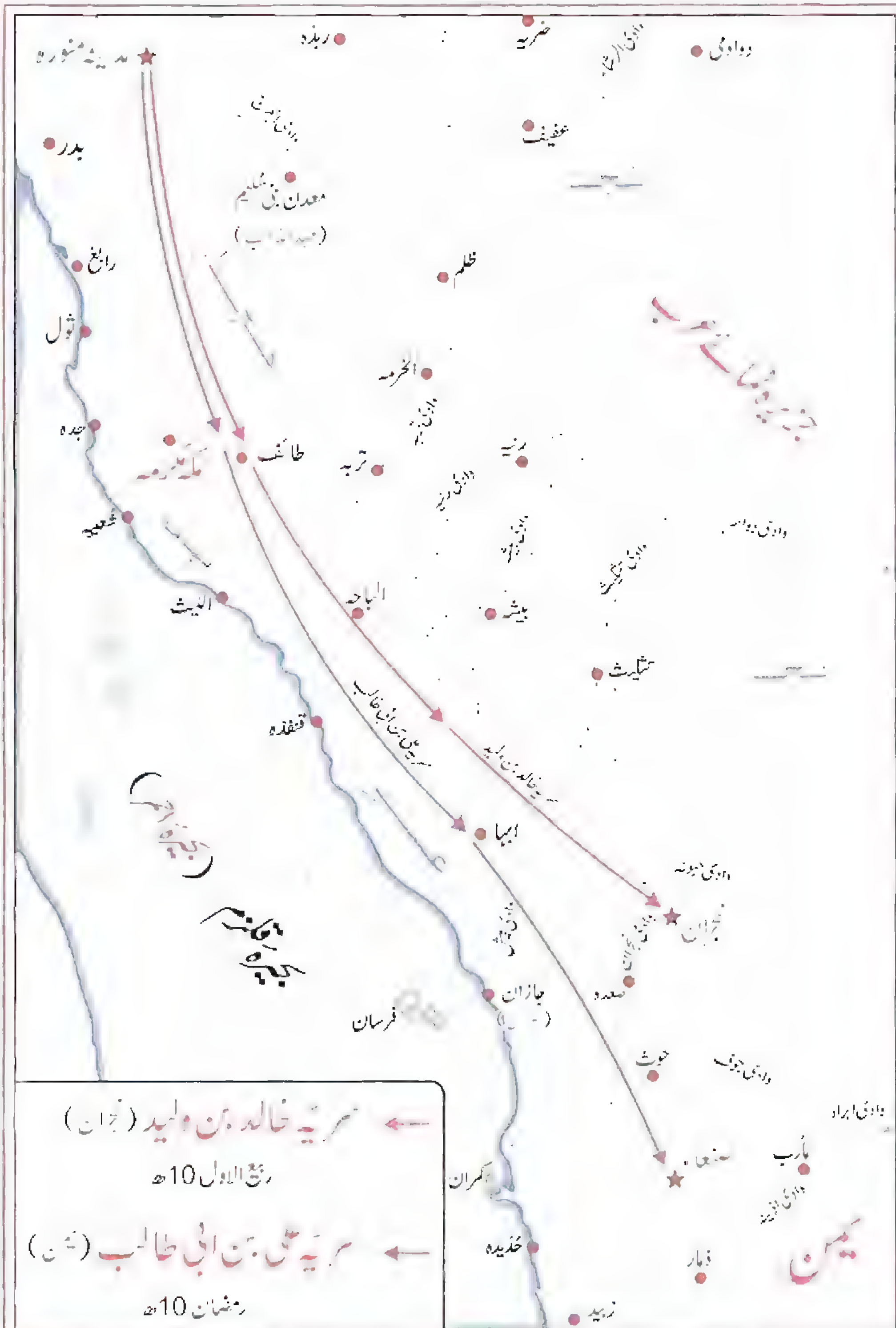
وصول کریں۔ جن فصلوں کو چشموں اور برساتی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، ان میں سے عشر بطور صدقہ وصول کیا جائے۔ اور جنھیں ڈول کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے، ان میں سے نصف عشر وصول کیا جائے۔ دس اونٹوں پر دو بکریاں زکاۃ لی جائے۔ تیس اونٹوں کی زکاۃ چار بکریاں ہوں گی۔ ہر چالیس گایوں پر ایک گائے زکاۃ ہوگی۔ ہر تیس گایوں پر ایک تین سالہ بچھڑا یا بچھڑی زکاۃ ہوگی۔ چرنے والی ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری زکاۃ ہوگی۔ یہ زکاۃ کی وہ مقدار ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر مقرر کی ہے۔ جو شخص اضافی مقدار دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ جو یہودی یا عیسائی خلوص دل سے اسلام قبول کرلے، وہ مومنوں میں شمار ہوگا۔ اس کے مسلمانوں جیسے حقوق و فرائض ہوں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا عیسائیت پر برقرار رہنا چاہے تو اسے مجبور نہ کیا جائے (ان غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جائے)۔ ہر بالغ مرد و عورت پر، وہ آزاد ہو یا غلام ایک دینار یا اس کی مقدار کے برابر کپڑے جزیہ ہوں گے۔ جس نے یہ جزیہ ادا کر دیا، اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہوگا (اس کے جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمے ہوگی)۔ اور جو جزیہ ادا نہ کرے، وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) اور تمام مومنوں کا دشمن ہے۔

صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام: 2/661-664، دلائل النبوة للبيهقي: 5/411-415، السيرة لابن هشام: 4/242,243، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1880-1885

شہر نجران اور نخلستان (سعودی عرب)




مدینہ منورہ
ربذہ
ضریہ
دوادمی
بدر
عفیف
معدان بنی سلیم
ظلم
رابغ
ثول
الخرمہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
رنیہ
اللیث
الباحہ
بیشہ
تثلیث
قنفذہ
ابہا
بحیرۂ احمر
نجران
صعدہ
جازان
فرسان
حوث
صنعاء
مأرب
کمران
حدیدہ
ذمار
زبید
یمن
سریہ خالد بن ولید (نجران)
ربیع الاول 10ھ
سریہ علی بن ابی طالب (یمن)
رمضان 10ھ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریۂ یمن

10 ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ جنوبی یمن میں موجود مذحج قبیلے نے ہٹ دھرمی اور عناد کی بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں سے دشمنی مول لے کر جزیرہ نمائے عرب میں رہنا کسی کے لیے ممکن نہیں تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کے تقریباً تمام قبائل مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمانوں کو جزیہ دے کر صلح کر چکے تھے، لہٰذا اس باغی قبیلے کو توحید کا سبق سکھانے کے لیے رمضان المبارک 10 ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک شہسوار دستہ بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس جھنڈا تیار کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک عمامہ لیا، اسے دہرا کر کے چوکور شکل میں لپیٹا، پھر اسے ایک نیزے کے اوپر لگا دیا۔ پھر فرمایا: ''لواء ایسا ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے سر پر تین تہوں والا عمامہ باندھا۔ ایک ذراع کے برابر کنارہ آگے اور ایک بالشت کے برابر پلا پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تین سو گھڑ سوار مجاہد دے کر حکم دیا کہ ذوالحلیفہ جا کر معسکر قائم کرو تاکہ تمام مجاہدین تیاری کر کے وہاں جمع ہو جائیں۔ بعد ازاں وہاں سے پورا لشکر روانہ ہو جائے۔

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو انھیں تاکید فرمائی کہ جاؤ، ادھر ادھر التفات مت کرنا، یعنی صرف اپنی منزل مقصود ہی کو پیش نظر رکھنا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اہل یمن سے کیسا سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ تو جب تک وہ لڑائی شروع نہ کریں، تم لڑائی کا آغاز مت کرنا۔ اگر وہ لڑائی کی ابتدا کریں تو تم اس وقت تک ان پر حملہ نہ کرنا جب تک کہ تم میں سے کوئی مجاہد شہید نہ ہو جائے۔ اس کے بعد صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا۔ انھیں سوچنے کی مہلت دینا۔ پھر انھیں اسلام کی دعوت دینا۔ ان سے کہنا: کیا تم لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار ہو؟ اگر وہ یہ بات مان لیں تو ان سے کہنا: کیا تم نمازیں ادا کرو گے؟ اگر وہ یہ بات بھی تسلیم کریں تو ان سے پوچھنا: کیا تمھارے امراء اور خوشحال لوگ زکاۃ دیں گے جو تمھارے ہی غرباء کو دی جائے گی؟ اگر وہ یہ بات بھی مان جائیں تو پھر ان سے کوئی اور مطالبہ نہ کرنا۔ اللہ کی قسم! اگر تمھارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت سے نواز دے تو یہ تمھارے لیے ساری دنیا سے بہتر ہے۔''

چنانچہ سیدنا علی ؓ تین سو گھڑ سواروں کا لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ یہ پہلا لشکر تھا جو قبیلہ مذحج کے علاقے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر سیدنا علی ؓ نے اپنے مجاہدین کو مختلف اطراف میں روانہ کر دیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں بہت سے اونٹ، بکریاں، بچے اور عورتیں گرفتار کر کے لے آئے۔ سیدنا علی ؓ نے ان اموال اور دیگر اسباب کی نگرانی کی ذمہ داری سیدنا بریدہ بن حصیب ؓ کو سونپ دی۔ پھر اسلامی لشکر کا سامنا مذحج کے جنگجوؤں سے ہو گیا۔ سیدنا علی ؓ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے انکار کر دیا اور اسلامی لشکر پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ سیدنا علی ؓ نے اسلامی جھنڈا سیدنا مسعود بن سنان سلمی ؓ کو دیا، وہ آگے بڑھے اور باقاعدہ مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ اس دوران ایک مذحجی شخص نے مقابلے کے لیے للکارا۔ کافر کی للکار سن کر شیر دل مجاہدین کی صفوں میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ سیدنا اسود بن خزاعی سلمی ؓ نے دشمن کا چیلنج فوراً قبول کیا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، چند لمحوں میں خم ٹھونک کر سامنے آ گئے اور معرکہ حق و باطل شروع ہو گیا۔ دو چار واروں کا تبادلہ ہوا اور کافر فوجی تڑپتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ سیدنا اسود نے اس کا اسلحہ اپنے قبضے میں لیا اور واپس لشکر میں آ گئے۔ پھر سیدنا علی ؓ نے بھرپور حملے کا حکم دیا اور اسلامی لشکر نے مذحجی جنگجوؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کا لشکر دم دبا کر بھاگ نکلا۔ میدان کارزار میں ان کا پامال جھنڈا ان کی حالت زار بیان کر رہا تھا جسے وہ بھاگتے ہوئے وہیں چھوڑ گئے تھے۔ بیس لاشے میدان میں پڑے تھے جو ان کی سرکشی اور عداوت کی سزا تھی۔ باقی فوجیوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ نکلا۔ سیدنا علی ؓ نے اپنے جوانوں کو تعاقب کرنے سے روک دیا۔ انھیں امید تھی کہ اب کافروں کو اسلام کی قوت و حقانیت کا احساس ہو گیا ہوگا اور وہ اسلام قبول کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا علی ؓ نے انھیں دوبارہ اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً حاضر ہو گئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے چند رؤسا اور سردار آگے بڑھے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا اور سیدنا علی ؓ کی بیعت کی۔ بیعت کے بعد عرض کی: ہم اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے صدقات بھی حاضر ہیں، آپ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حق وصول کیجیے۔ اس طرح ایک اور سرکش گروہ اسلام کے تابع بنا دیا گیا۔ علی ؓ نے غنیمتیں جمع کرائیں۔ انھیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر قرعہ اندازی کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کا مخصوص خمس منتخب کیا اور اسے محفوظ کر کے بقیہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کرا دیا۔ اس سے قبل اسلامی لشکر کے قائدین مجاہدین کو خمس میں سے بھی کچھ عطا کر دیتے تھے مگر انھوں نے اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ ساتھیوں نے اس میں سے بھی عطیے کا مطالبہ کیا تو سیدنا علی ؓ نے فرمایا: میں خمس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، وہی اس کا فیصلہ فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے مکہ مکرمہ آ رہے ہیں۔ ہم آپ سے ملاقات کریں گے۔ پھر

آپ ﷺ اس مال کے متعلق جو حکم دیں گے، اسی پر عمل ہوگا۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ اموال لے کر روانہ ہوئے۔ انھوں نے مقام فتق پر پہنچ کر سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت اور لشکر کی ذمہ داری دی اور خود تیز رفتاری سے آگے چل پڑے۔ اس مال غنیمت میں یمنی کپڑوں کے ڈھیر اور اونٹ شامل تھے۔ ان کے ساتھ زکاۃ کے چھ اونٹ بھی تھے۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ وہ فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہمیں صدقے کے اونٹوں پر سواری کرنے سے منع کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابو رافع کو امیر بنا کر خود آگے نکل گئے تو ساتھیوں نے نئے امیر سے گزارش کی کہ انھیں دو دو چادریں عطا کر دیں۔ انھوں نے ساتھیوں کی فرمائش پوری کر دی۔ جب لشکر مقام سدرہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے لگا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تاکہ لشکر کے پڑاؤ کا مناسب بندوبست کر سکیں۔ جب انھوں نے سب لوگوں کو دو دو نئی چادریں پہنے ہوئے دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ خمس کی چادریں ہیں۔ انھوں نے سیدنا ابو رافع سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کیا تم نے خمس کی چادریں بانٹ دیں؟ انھوں نے عرض کی: میں نے ان کی شکایات سے بچنے کے لیے انھیں چادریں دے دیں اور میرا خیال تھا کہ آپ بھی اسے معمول کا معاملہ سمجھیں گے۔ آپ سے پہلے امرا بھی مجاہدین کو خمس میں سے کچھ حصہ دے دیا کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے کہ میں نے تو انھیں خمس میں سے کچھ دینے سے انکار کیا تھا لیکن تم نے دے دیا، حالانکہ میں نے تمھیں اس مال کی حفاظت کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے حکم دیا کہ چادریں واپس لے لی جائیں، چنانچہ مجاہدین سے چادریں واپس لے لی گئیں۔ جب مجاہدین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے شکوہ کیا کہ ہمیں چادریں دینے کے بعد واپس لے لی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے وضاحت طلب کی تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان کا شکوہ ٹھیک نہیں۔ میں ان سب کو ان کے حصے دے چکا ہوں۔ صرف آپ کا خمس محفوظ رکھا ہے تاکہ آپ اسے خود تقسیم فرمائیں۔ مجھ سے پہلے امرا اس حصے میں سے بھی مناسب مواقع پر خرچ کر لیتے تھے مگر میں نے ایسا نہیں کیا تاکہ آپ خود ہی فیصلہ فرما دیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دشمن پر غلبہ پا لیا اور وہ مسلمان ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جمع کیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو سونپی اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس میں آپ کو فتح یابی کی خوش خبری دی اور بتایا کہ ان کی مڈبھیڑ زبید قبیلے سے ہوئی۔ انھیں اسلام کی دعوت دی گئی اور بتایا گیا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تم پر حملہ نہیں ہوگا۔ لیکن انھوں نے اسلام کی دعوت قبول نہیں کی۔ اس لیے ان پر حملہ کر کے انھیں سبق سکھا دیا گیا۔ پھر انھیں اسلام لانے کی دعوت دی گئی

تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مال غنیمت بھی حاصل ہوا جبکہ بنو زبید کو ابتدائی سرکشی کی وجہ سے شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے کئی افراد قتل اور زخمی ہوئے ہیں۔ اب وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے اموال کی زکاۃ بھی ادا کر دی ہے۔ ان لوگوں کو دینی احکام اور قرآن مجید کی تعلیم دی گئی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ خط رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے انھیں پیغام بھیجا کہ وہ موسم حج میں مکہ مکرمہ آ جائیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ پیغام لے کر واپس گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نے احرام باندھتے وقت نیت کیسے کی تھی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کی نیت کے مطابق نیت کی تھی۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا: ''چونکہ تم قربانی کا جانور بھی ساتھ لائے ہوئے ہو، اس لیے حج کے تمام مناسک ادا کرنے تک احرام ہی میں رہو۔''[1]

اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج قران کیا۔

کعب احبار کا قبول اسلام

علامہ واقدی رقم طراز ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو انھوں نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ کعب احبار کو ان کے خطبے کی اطلاع ملی تو وہ خوبصورت حلہ زیب تن کر کے اپنی سواری پر بیٹھ کر خطبہ سننے آئے۔ ان کے ساتھ ایک یہودی عالم بھی تھا۔ دونوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا۔ وہ فرما رہے تھے: ''بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں رات کو خوب دکھائی دیتا ہے جبکہ دن کو وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے۔'' کعب نے کہا: درست فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں رات کو کچھ دکھائی دیتا ہے نہ دن کو کچھ نظر آتا ہے۔'' کعب نے پھر تائید کی اور کہا: جناب والا! آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو چھوٹے ہاتھ سے دیتا ہے (تھوڑا صدقہ کرتا ہے)، اسے طویل ہاتھ سے عنایت کیا جاتا ہے۔'' کعب نے پھر کہا: جی بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے۔ اس بار یہودی عالم سے نہ رہا گیا، وہ بول اٹھا: آپ کیسے ان کی تصدیق کر رہے ہیں؟ کعب نے اس کی تسلی کے لیے کہا: ''ان کا یہ فرمان کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں رات کو خوب دکھائی دیتا ہے اور وہ دن کو دیکھ نہیں سکتے۔'' یہ دراصل اس مومن کی مثال ہے جو پہلی کتاب پر ایمان رکھتا ہے لیکن آخری کتاب پر ایمان نہیں لاتا۔ ان کا یہ فرمانا کہ ''جو چھوٹے ہاتھ سے دیتا ہے، اسے بڑے ہاتھ سے عطا کیا جاتا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ خوب نوازتا ہے۔ اور یہ چیز بہت واضح ہے۔ اس دوران ایک سائل آیا۔ اس نے سیدنا کعب

[1] صحیح البخاری: 1652

کے سامنے دست سوال دراز کیا تو انھوں نے اسے اپنا حلہ عطا کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر یہودی عالم کو بڑا غصہ آیا، وہ وہاں سے بڑبڑاتا ہوا چل دیا۔

پھر ایک عورت آئی اور کعب کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ کہنے لگی: سواری کے بدلے سواری کون دے گا؟ کعب نے کہا: میں سواری کے بدلے سواری دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ مجھے ایک حلہ دیا جائے۔ وہ عورت راضی ہوگئی۔ کعب نے اپنی سواری اس کے حوالے کر کے اس کی سواری لے لی، حلہ زیب تن کیا اور سوار ہو کر چل دیے۔ انھوں نے سواری کو بہت تیز بھگایا اور اس یہودی عالم کو جا لیا۔ اس وقت کعب کہہ رہے تھے: جو تھوڑا دیتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ زیادہ عطا کرتا ہے۔ یعنی انھیں اپنے حلے کے بدلے حلہ مل گیا اور صدقے کا ثواب بھی حاصل ہوا۔

جناب کعب کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو میں ان سے ملا۔ میں نے پوچھا کہ محمد ﷺ کی صفات اور خوبیاں کیا ہیں؟ وہ مجھے رسالت مآب ﷺ کے فضائل و مناقب اور ذاتی محاسن بتا رہے تھے اور میں مسکرا رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے میرے مسکرانے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کی: آپ کی بتائی ہوئی خوبیاں ہو بہو ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سی چیزیں حلال اور کون سی حرام قرار دیتے ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حرام و حلال کی تفصیل بتائی تو میں نے کہا: بالکل یہی ہماری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ پھر جناب کعب نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے وہاں موجود یہودی علماء کو بلایا، انھیں اپنی کتاب دکھائی اور کہا کہ لو دیکھو! جو صفات آخری نبی کی اس میں لکھی ہیں، وہ ساری صفات محمد ﷺ میں موجود ہیں۔ میرے والد نے مجھے یہ کتاب پڑھائی تھی اور وصیت کی تھی کہ میں اسے اس وقت تک نہ کھولوں جب تک یثرب کے نبی کے ظہور کا چرچا نہ سن لوں، چنانچہ آج میں نے والد کی وصیت کے مطابق اسے کھولا تو اس میں آپ ﷺ کی ساری خوبیاں مذکور پائیں۔ لہٰذا میں مسلمان ہوگیا ہوں۔

جناب کعب نے دیگر یہودی علماء کو دعوت فکر اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ پھر یمن ہی میں مقیم رہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور وہ بھی عمر مستعار گزار کر سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ ادھر کعب ابھی تک یمن ہی میں تھے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مدینہ منورہ تشریف لائے۔ وہ کف افسوس ملتے تھے اور کہا کرتے تھے: اے کاش! میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے میں جلدی کرتا!! کیونکہ تاخیر کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے بے مثل شرف سے محروم رہ گئے تھے۔[1]

1 المغازي للواقدي: 2/445-448، الطبقات لابن سعد: 2/169، 170، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1885-1887.

حجۃ الوداع

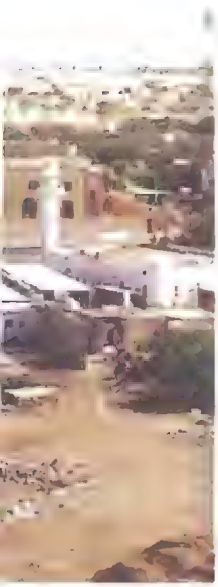


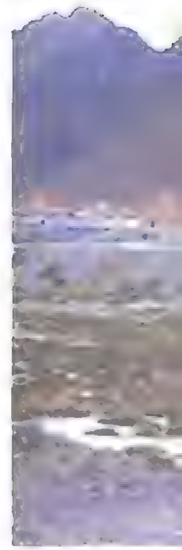
اس مبارک موقع پر حج کے مسنون آداب و تعلیمات کی تلقین، مقدس دین
کی تکمیل کی خوشخبری، ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت
کی حفاظت اور ہمیشہ کے لیے سود کے خاتمے
کے احکام جاری کیے گئے

إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعلمين

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

اس باب میں





آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ حجۃ الوداع درحقیقت تکمیلِ دین کی رفیع الشان خوشخبری اور لامحدود دینی و روحانی ثمرات، برکات اور حسنات کا دن تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ساری دنیا کفر و شرک اور فتنہ و فساد کا جہنم زار بنی ہوئی تھی۔ کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ ان حالات میں حرمِ کعبہ اور جبلِ عرفات سے خاتم الانبیا، محمد رسول اللہ ﷺ کی صدائے دلنواز بلند ہوئی اور ساری دنیا کو امن و انصاف کی دائمی بشارت دے گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج حج کے دن، حج کے مہینے اور مکہ مکرمہ کے تقدس کی طرح تم سب پر ایک دوسرے کا خون، مال اور آبرو حرام ہے۔ خبردار! اچھی طرح سن لو! میں نے جاہلیت کی تمام رسومِ قبیحہ کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے خون بہا اور انتقام کی ریت اب ہمیشہ کے لیے کالعدم ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے بھائی ابن ربیعہ کے خون کے انتقام سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اب سود خوری بھی ہمیشہ کے لیے ختم کی جاتی ہے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا سود چھوڑ رہا ہوں۔

......اگلے اوراق میں حجۃ الوداع کے تمام واقعات، تفصیلات اور جزئیات استنادی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے۔



حج نبوی کا ایمان افروز تذکرہ

اسلام کے ارکان میں سے حج ایک بنیادی رکن ہے جو ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا حکم ہے: وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ”اور لوگوں میں حج کا اعلان کردیں۔“ یہ حکم درحقیقت اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ بیت اللہ کا حج پوری انسانیت کے لیے ہے۔ انبیائے کرام ؑ نے اپنے اپنے زمانے میں بیت اللہ کا حج کیا، لوگوں کو شرک و بدعات سے روکا، سچی اسلامی تعلیمات اور اس کے شعائر و مناسک سے آگاہ کیا۔ لیکن زمانے اور زندگی کے الٹ پھیر، معاشرتی تبدیلیوں اور بے لگام خواہشات کی پیروی کی وجہ سے دین حنیف میں بہت سی بدعات و خرافات کی آمیزش ہوگئی، تاہم جزیرۂ نمائے عرب کی قدیم دینی اور نظریاتی روایت کے حامل لوگ بدستور اللہ تبارک وتعالی پر ایمان رکھنے کا دعوی کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی دینداری کا ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا جس سے وہ اکٹھے ہوتے تھے اور اللہ کے سامنے اپنی عبودیت کے اظہار کے لیے لبیک لبیک کا اعلان کرتے تھے۔ ان کی اجتماعی عبادت کی یہ کیفیت سنت ابراہیمی سے منسوب تھی جس میں وہ کعبے کی تقدیس اور حرمت کا اعلان کرنے کے لیے ہر سال اس کا حج کرتے تھے۔ حج کے مناسک انھوں نے اپنے آباء واجداد سے متواتر حاصل کیے تھے اور وہ بیت اللہ کی تعظیم میں انتہائی محبت وخلوص کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن وہ اچھے وارث ثابت نہ ہوئے۔ انھوں نے انصاب و ازلام اور اصنام و اوثان کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنا لیا۔ اہل مکہ اپنے آپ کو اللہ تعالی کے مقرب سمجھتے تھے اور اللہ تعالی سے اپنا خاص تعلق جتلا کر لوگوں پر جبرا اپنی حاکمیت کا سکہ بٹھاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے 8 ھ میں مکہ فتح کر لیا اور اللہ تعالی نے اسلام کا نور پورے جزیرہ نمائے عرب میں عام کر دیا۔ اطراف و اکناف سے قبائل رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوکر مسلمان ہونے لگے اور نور ہدایت چہار سو پھیلنے لگا۔ اس طرح لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے، آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنے اور آپ کی اتباع کا جذبہ پروان چڑھنے لگا تو اللہ تعالی نے اپنے گھر کی عظمت و رفعت اور تقدیس و تعظیم کو چار چاند لگانے اور اہل اسلام کی آنکھیں مغفرت وغفران سے ٹھنڈی کرنے کے لیے بیت اللہ کی زیارت وطواف یعنی حج کو صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض قرار دے دیا اور سنت ابراہیمی کو شریعت مصطفوی بنا کر ابد الآباد تک یہ اعلان کر دیا:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' [1]

اس کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی شان ان الفاظ میں دو چند کر دی:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

''اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے اور (حرم والی) قربانی اور پٹوں والے جانوروں کو بھی، یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' [2]

فریضۂ حج کوئی معمولی بات نہیں، یہ ایمان کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔ اس عبادت میں انسان دنیاوی اغراض و مقاصد اور مادی منفعت سے بے نیاز ہو کر مناسک کی ادائیگی اور شعائر کی تعظیم کا عظیم فریضہ بجا لاتا ہے۔ سلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس زیب تن کرتا ہے، بالوں کی پراگندگی کی پروا نہیں کرتا اور کبھی بیت اللہ کے گرد، کبھی صفا و مروہ پر، کبھی عرفات کے میدان میں، کبھی مزدلفہ کی سرزمین پر اور کبھی منیٰ کی وادی میں لبیک لبیک پکارتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ اللہ کی رضا کے لیے قربانی کرتا، سر کے بال منڈواتا، جمرات کو کنکریاں مارتا اور ذکر الٰہی کرتا ہے۔ یہ ایسی واحد عبادت ہے جس میں ہر رنگ، ہر صنف، ہر نسل، ہر قوم اور ہر درجہ اور ہر عمر کے لوگوں میں مساوات کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایسی بے مثل اجتماعیت اور زبردست وحدت کے ذریعے سے اللہ کی رضا تلاش کرنا اتنا عظیم الشان عمل ہے کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آ جاتی ہے جیسا کہ صادق و امین ﷺ کی زبان سے یہ اعلان ہوا ہے:

«مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا، اس میں نہ کوئی شہوانی حرکت کی اور نہ گناہ کیا، وہ اس طرح پاک صاف ہو کر لوٹے گا جس طرح اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔'' [3]

نیز فرمایا: «اَلْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ» ''حج مبرور کا صلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔'' [4]

حج کرنے والا انفرادی طور پر بھی اپنا محاسبہ کرتے ہوئے خیر کثیر اور نفع حاصل کرنے کی دعائیں مانگتا ہے اور

1 آل عمران 3:97، 2 المآئدة 5:97، 3 صحيح البخاري: 1521، 4 صحيح البخاري: 1773.

نقصان و شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہے۔ یہ وہ نتیجہ ہے جو اسے اپنے رب کے قریب تر کر دیتی ہے۔

اگر ہم حج بیت اللہ کے تمام مراحل و جہات کو مدنظر رکھ کر دیکھیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ بڑا رحم و کرم کا معاملہ فرمایا ہے کہ اس عمل مبارک میں بدعات و خرافات سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو اسوہ بنا کر ساری امت پر احسان فرمایا تاکہ لوگوں کے لیے حج کا طریقہ اجاگر ہو جائے اور وہ ہر قسم کی لغزش سے بچ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حج کے یہ طریقے اور سلیقے سکھائے کہ لوگوں کو عبادت کرنے اور مناسک کی ادائیگی میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

آپ ﷺ نے اس سے قبل عمرے تو کیے تھے لیکن جب سے آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تھے، آپ نے حج نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے لوگوں کے سامنے حج کرنے کا حکم ہوا اور یہ حکم عین اس وقت نازل ہوا جب پورا جزیرہ نمائے عرب اسلام کی چھاؤں میں آ گیا تھا اور سارے عرب کا ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہونا واضح ہو گیا تھا۔ اب جھنڈا بھی رسول اللہ ﷺ کا تھا، شریعت بھی آپ ہی کی تھی اور امت بھی ایک تھی تو اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی وحدانیت کے اظہار و اعلان کے لیے یہ تلبیہ پکارنے کا حکم دیا: لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک، لا شریک لک چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال، ذوالقعدہ کے مہینے میں لوگوں کو حج کے لیے اکٹھے ہونے کا حکم صادر فرما دیا۔

لوگوں کو یہ مژدہ بھی سنایا گیا کہ اس حج میں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد ﷺ بنفس نفیس شامل ہو کر لوگوں کی راہنمائی کریں گے اور انھیں مناسک حج کی ادائیگی کے طریقوں سے روشناس کرائیں گے، تاکہ قیامت تک نبوی سنت قائم ہو جائے۔

ریاست اسلامیہ میں جگہ جگہ یہ اعلان پہنچ گیا۔ لوگ نبی ﷺ کی دعوت پر جوق در جوق مدینہ کا رخ کرنے لگے۔ دور و نزدیک کی بستیوں اور شہروں سے نکل کر آنے والے انبوہ کثیر نے مدینے کے گرد اگرد خیمہ بستیاں آباد کر دیں۔ یہ نہایت مطمئن، اخوت اسلامی کے مظہر اور اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ عملی نمائندے نظر آتے تھے۔

حج کس سال فرض ہوا؟

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے مکہ آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے 9ھ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حج کا قافلہ روانہ کیا۔ آپ ﷺ کے اس عمل مبارک سے یوں لگتا ہے کہ آپ کے حج کرنے سے قبل حج فرض ہو چکا تھا۔ حج کس سال فرض ہوا؟ اس بارے میں سیرت نگاروں میں اختلاف

ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ہجرت کے پانچویں سال حج فرض ہوا۔ بعض کے نزدیک نویں سال فرض ہوا۔ یہ موقف علامہ نووی، قاضی عیاض اور امام قرطبی کا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک ہجرت کے چھٹے سال حج فرض ہوا کیونکہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ ''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔''[1] اس آیت کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جو ہجرت کے چھٹے سال ہوئی تھی جیسا کہ کعب بن عجرہ ﷛ کے واقعے میں بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حدیبیہ میں تھا، رسول اللہ ﷺ میرے قریب سے گزرے، اس وقت میں ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں، آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: [illegible] ''کیا تمھیں جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟'' میں نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اپنا سر مونڈ دو، اور تین دن کے روزے رکھ لو، یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو، یا ایک بکری ذبح کر دو۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ بعدازاں باری تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾

''پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے، یا صدقہ دے، یا قربانی کرے۔''[3]

سیدنا کعب ﷛ کہتے ہیں: یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[4]

اللہ تعالیٰ کے درج بالا فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حج ہجرت کے چھٹے سال فرض ہو چکا تھا لیکن چونکہ اہل مکہ مشرکین تھے، اس بنا پر آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ہی حج کے لیے امراء مقرر فرمائے اور خود بعد میں حجۃ الوداع

1 فتح الباري: 477/3. 2 صحيح البخاري: 5703 و 1814. 3 البقرة 2: 196. 4 صحيح البخاري: 1815

مقام حدیبیہ (موجودہ شمیسی) کا ایک منظر



کے لیے تشریف لے گئے۔[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، جب نبی ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو اس کے چھٹے سال ماہ ذی القعدہ میں صلح حدیبیہ ہوئی جب مشرکین نے آپ کو طواف سے روک دیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ساتویں سال ذوالقعدہ میں عمرۃ القضاء ادا کیا۔ آٹھویں سال ماہ رمضان میں مکہ فتح ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ حنین اور طائف کے غزوات میں مصروف رہے۔ وہاں سے ماہ شوال میں لوٹے اور جعرانہ سے آ کر عمرہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی سال عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امیر حج مقرر کیا۔ پھر نویں سال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ اس کے بعد دسویں سال آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے اور حج کیا۔ یہی حج ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک حج ہجرت کے نویں یا دسویں سال فرض ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حج فرض ہوا تو نبی ﷺ نے فوراً حج کی تیاری شروع کر دی اور یہ آیت کریمہ ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (البقرۃ 2:196) ”اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔“ ہر چند صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے لیکن اس سے حج کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں تو حج اور عمرے کا آغاز کر لینے کے بعد انھیں مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی ادائیگی فوراً واجب ہوگئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نویں اور دسویں سال حج کی فرضیت کہاں ثابت ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات عام الوفود میں نازل ہوئیں جس میں حج کا یہ حکم بھی ہے: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران 3:97) ”اور اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔“ اسی میں وفد نجران رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور ان لوگوں سے آپ ﷺ نے جزیہ دینے کے معاہدے پر مصالحت کی۔ جزیے کا حکم ہجرت کے نویں سال غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوا۔ اہل کتاب سے مناظرہ ہوا اور انھیں توحید اور مباہلہ کی دعوت دی گئی۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اہل مکہ درج ذیل آیت کے نازل ہونے پر مشرکین سے تجارت نہ کر سکنے کی وجہ سے پریشان تھے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ .....

”اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی پلید، لہٰذا وہ اس برس کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔“[3]

1 جامع الآثار في السير 403,402/5 2 التاريخ الصغير للبخاري 69,58/1؛ السنن الكبرى للبيهقي 342,341/4.
3 التوبة 28:9

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اس کے عوض میں جزیہ لینے کی اجازت دے دی۔ ان آیات کا نزول اور ان کی منادی 9 ھ میں ہوئی۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں حج کے موسم میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا، پھر ان کے پیچھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا (لہٰذا یہی حج کی فرضیت کا سال ہے)۔[1] واللہ اعلم۔

نبی ﷺ نے کتنے حج اور عمرے کیے؟

نبی ﷺ نے کتنے حج اور عمرے کیے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک ہی حج کیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: إن رسول الله ﷺ مكث تسع سنين لم يحج. ''رسول اللہ ﷺ مدینہ میں نو سال قیام پذیر رہے، آپ نے حج نہیں کیا۔''[2]

صحیحین میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے 19 غزوات کی قیادت فرمائی اور ہجرت کے بعد صرف ایک ہی حج کیا، اس کے علاوہ کوئی حج نہیں کیا۔[3]

واقدی کے بقول آپ ﷺ نے نبوت سے لے کر وفات تک صرف ایک ہی حج کیا۔ امام ابومحمد بن حزم کا موقف ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے سے پہلے اور بعد کتنے حج اور عمرے کیے، ان کی تعداد کا کچھ علم نہیں ہے۔[4]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ نے کتنے حج کیے تو انھوں نے جواب دیا: صرف ایک ہی حج کیا ہے۔[5]

امام مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل دو حج کیے تھے اور ہجرت کے بعد ایک حج کیا۔[6]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے تین حج کیے، دو ہجرت سے قبل اور ایک حج ہجرت کے بعد جس کے ساتھ آپ نے عمرہ بھی کیا۔[7]

علامہ سہیلی کہتے ہیں: فی الحقیقت نبی اکرم ﷺ کی طرف صرف حجۃ الوداع ہی کی نسبت کرنی چاہیے۔ اگرچہ آپ نے مکہ میں لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا لیکن وہ حج کے مشروع اور کامل طریقے کے مطابق نہیں تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو اس وقت دین کے معاملے میں غلبہ اور آزادی حاصل نہیں تھی، نیز حج بھی اپنے وقت پر نہیں ہوتا تھا، چنانچہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین قمری مہینوں کے حساب سے ہر سال حج کو 11 دن مؤخر کر دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ بھی مدینہ سے حج کے لیے نہیں نکلے حتی کہ مکہ مکمل طور پر دارالاسلام بن گیا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد،

1 زاد المعاد: 102,101/2۔ 2 صحیح مسلم: 1218۔ 3 صحیح البخاری: 4404، صحیح مسلم: 1254۔ 4 جامع الترمذی، حسن: 406/5۔ 5 صحیح مسلم: 1253، طبقات ابن سعد: 189/2۔ 6 المعارف لابن قتیبہ: 452/2، الطبقات لابن سعد: 189/2، فتح الباری للعسقلانی: 342/4۔ 7 جامع الترمذی: 815۔

تبوک سے واپسی کے موقع پر حج کا ارادہ فرمایا لیکن جب آپ ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ ابھی تک کچھ مشرکین ننگے ہو کر حج اور طواف کرتے ہیں تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، یہاں تک کہ آپ نے مشرکین سے کیے جانے والے معاہدوں کا خاتمہ بھی فرما دیا۔ یہ سب 9 ھ میں ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے مشرکانہ رسوم اور جاہلیت کے طور طریقوں کی بیخ کنی کرنے کے بعد دسویں سال حج کیا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: «إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والأرض» ”بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی (اس) اصلی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔“[1]

جہاں تک یہ بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کتنے عمرے کیے تو اس کے بارے میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے، وہ تمام ذوالقعدہ میں کیے تھے، سوائے اس عمرے کے جو آپ نے حج کے ساتھ کیا۔ پہلا عمرہ حدیبیہ کے مقام سے ذوالقعدہ میں، دوسرا عمرہ اس سے اگلے سال ذوالقعدہ میں، تیسرا عمرہ جعرانہ سے جہاں آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں، یہ بھی ذوالقعدہ میں کیا، اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ۔[2] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے چار عمرے کیے، ان میں سے ایک ماہ رجب میں کیا۔ یہ بات سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رجب والے عمرے کا انکار کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن پر رحم فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے جتنے بھی عمرے کیے، ان میں وہ خود بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ آپ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔[4] صحیح مسلم میں ہے کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سنی تو انھوں نے اس پر خاموشی اختیار کر لی۔[5] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں جو شخص رجب میں آپ ﷺ کے عمرے کی بات کرتا ہے، اسے غلطی لگی ہے کیونکہ آپ ﷺ کے تمام عمرے منقول و محفوظ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی عمرہ رجب میں نہیں کیا تھا۔[6]

سنن ابی داود میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے دو عمرے کیے: ایک عمرہ ذوالقعدہ میں اور ایک شوال میں۔[7] ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جو بات صحیح سند سے منقول ہے، وہ یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سال میں ایک ہی عمرہ کیا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے ایک سال میں دو عمرے کیے، ان کی دلیل مندرجہ بالا

1 صحيح البخاري، 3197؛ لطائف المعارف، 115/4، 116. 2 صحيح البخاري، 1778، 4148. 3 سنن أبي داود، 1993؛ مسند أحمد 246/1. 4 صحيح البخاري، 1775، 1776. 5 صحيح مسلم، 1255. 6 زاد المعاد: 122/2.

7 سنن أبي داود، 1991.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، یہ بات وہم ہے کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے بلا شک و شبہ چار ہی عمرے کیے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شوال میں نہیں تھا۔[1]

درج بالا روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دو عمرے بتانا شاید اس وجہ سے ہے کہ آپ نے عملاً دو عمرے کیے۔ عمرۂ حدیبیہ میں آپ کو روک دیا گیا تھا اور حج والا عمرہ ضمنی تھا۔ انھوں نے اسے شمار نہیں کیا، البتہ سنن سعید بن منصور میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے تین عمرے کیے، دو ذوالقعدہ میں اور ایک شوال میں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیگر روایات کے برعکس جن میں ذوالقعدہ میں عمرے کا تذکرہ ہے، شوال کا جو ذکر کیا ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس میں جمع و تطبیق کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ آپ کا یہ عمرہ شوال کے آخر میں اور ذوالقعدہ کی ابتدا میں تھا۔ اس کی تائید خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بھی عمرہ لیا، وہ ذوالقعدہ ہی میں کیا۔[2]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی ایک دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ شوال میں عمرے والی روایت کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے شوال میں عمرے کی نیت کی اور ذوالقعدہ میں عمرہ کیا۔ اس طرح تمام احادیث میں اتفاق ہو جاتا ہے۔[3]

حج نبوی کے مختلف نام

نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کو جب 9 سال، گیارہ مہینے اور دس دن گزرے تو آپ ﷺ نے حج کیا۔ اس حج کے مختلف نام ہیں: حجۃ الوداع، حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ التمام۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حجۃ الوداع کو حجۃ الاسلام کے عنوان سے پکارتے تھے۔[4] اسے حجۃ الوداع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو الوداع کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible]

"مجھ سے حج کے مناسک اچھی طرح سیکھ لو، کیونکہ مجھے نہیں معلوم شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں۔"[5]

اسے حجۃ البلاغ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے عرفہ کے دن ایک جامع اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور پھر لوگوں سے اس امر کی گواہی طلب فرمائی تھی کہ کیا میں نے دین اسلام پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے کہا: [illegible] "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے دین اسلام ہم تک پہنچا دیا ہے۔"[6] اور اسے حجۃ التمام اس لیے کہتے

1 زاد المعاد 2/97، 98. 2 سنن ابی داود: 2997؛ فتح الباری 3/757، 758. 3 صحیح سنن ابی داود للالبانی: 2680. 4 المعجم الکبیر للطبرانی 11/29. 5 سنن نسائی: 3064. 6 صحیح مسلم: 1218.

ہیں کہ اس روز دین اسلام مکمل ہونے کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ـــ 5:3

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔''

علاوہ ازیں اسے حجۃ الإسلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے فرض ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ سے اس کے سوا کوئی حج نہیں کیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کا ذوق و شوق

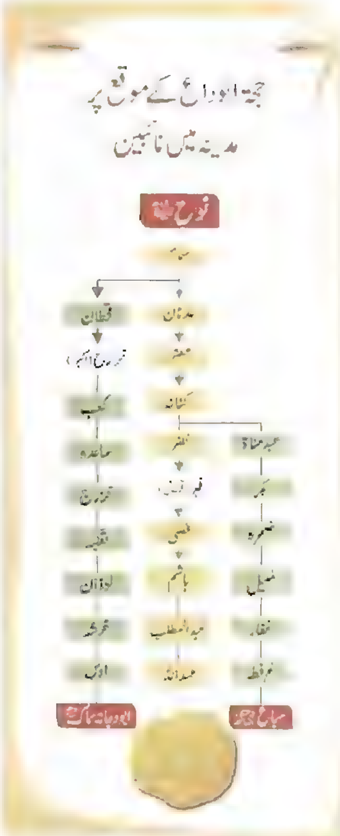
رسول اللہ ﷺ نے جب حج کرنے کا اعلان کیا تو پورے جزیرہ نمائے عرب سے لوگ آپ کے ساتھ حج کرنے کے لیے جوق در جوق امنڈ آئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حج کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مقام بیداء پہنچے تو میں نے آپ ﷺ کے اردگرد نظر دوڑائی۔ آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تا حد نگاہ لوگ ہی لوگ تھے، کچھ پیدل تھے اور کچھ سوار۔[2] ایک دوسری روایت میں جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں کا نظارہ کرنے لگا، آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے پیدل اور سوار لوگوں کا جم غفیر تھا۔ اس دن اہل اسلام کی کثرت دیکھ کر مجھے اتنی ہی مسرت ہوئی جتنی آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی خوشی تھی۔[3]

حجاج کرام کی تعداد

وہ خوش نصیب صحابہ رضی اللہ عنہم جو حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ حج کا شرف حاصل کرنے کے لیے نکلے، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ 90 ہزار، ایک قول کے مطابق ایک لاکھ چودہ ہزار اور ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ نے حج کیا تھا۔ یہ تو وہ لوگ تھے جو آپ کے ہمراہ نکلے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ حج کیا، ان کی تعداد تو اس سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو مکہ میں مقیم تھے اور وہ بھی جو سیدنا علی اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ یمن سے آئے تھے۔[4] حقیقت یہ ہے کہ اس مبارک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ یہ صحابہ کرام کی یکجائی کا ایک ایمان افروز نظارہ

1 البداية والنهاية: 99/5، إمتاع الأسماع 102/2. 2 صحيح مسلم: 1218. 3 جامع الآثار في سير ومولد المختار 463/5. 4 شرح الزرقاني على المواهب 146/4، سيرة حلبية 308/3.

تھی۔ جس نے یہ عظیم الشان ریوڑ دیکھا، اس نے اپنے اندازے کے مطابق تعداد بتا دی۔



مدینہ منورہ میں نیابت نبوی

حجۃ الوداع کے اس تاریخی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت سونپتے ہوئے مدینہ منورہ کا نگران مقرر فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو نگران بنایا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ سے روانگی

جب مسلمان حج کے لیے جمع ہوگئے اور جزیرہ نمائے عرب سے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں آگئے تو نبی اکرم ﷺ کنگھی کرنے، تیل لگانے اور تہبند اور چادر پہننے کے بعد اپنے صحابہ کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور ذوالحلیفہ میں قیام کیا۔ مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کی روانگی اس دن ہوئی جب ذوالقعدہ کے ختم ہونے میں ابھی پانچ راتیں باقی تھیں۔[2] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے نکلے تو ذی القعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں اور لوگ حج کے ذکر کے علاوہ کوئی اور بات نہ کرتے تھے۔[3] ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جب حج کے لیے نکلے تو ذوالقعدہ کی چھ راتیں باقی تھیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[4] لیکن ان دونوں میں جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جن صحابہ نے یہ دیکھا کہ مہینہ 29 ایام کا ہے، انھوں نے پانچ راتیں گن لیں اور جنھوں نے 30 ایام شمار کیے، انھوں نے چھ راتوں کا تذکرہ کر دیا۔[5] واللہ اعلم

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ مدینہ سے ظہر کے بعد نکلے اور ابھی ذوالقعدہ کی چھ راتیں باقی تھیں۔ آپ ﷺ نے ظہر کی چار رکعات پڑھائیں اور اس موقع پر خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں احرام کے واجبات اور سنن کے احکام بتائے۔[6]

1 فتح الباری شرح صحیح البخاری: 419/5، 2 صحیح البخاری: 1545، 3 صحیح البخاری: 1709، صحیح مسلم: 1211.
4 فتح الباری شرح صحیح البخاری: 418/5، 5 مزید دیکھیے: الفتح الربانی: 102/5، فتح الباری: 130/8، 6 زاد المعاد: 102/2.

اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ مدینہ سے نکلتے ہوئے کون سا دن تھا۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ ہفتے کے روز آپ ﷺ مدینہ سے نکلے۔[1] امام ابن قیم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[2] جبکہ امام ابن حزم کا موقف ہے کہ آپ ﷺ جمعرات کو مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔ آپ نے جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات ذوالحلیفہ ہی میں بسر فرمائی۔ اس رات آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے (وہ سب بھی وہاں پہنچ گئی تھیں جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔ پھر آپ نے غسل فرمایا اور صبح کی نماز پڑھائی۔[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھائی۔[4] اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھائی۔[5] امام ابن حزم رحمہ اللہ ان دونوں روایات میں سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں چار رکعت کی صراحت ہے اور دوسرا اس میں اپنے حاضر ہونے کا ذکر بھی ہے۔ اسی طرح اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز چار رکعت ادا کی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت ادا کی۔ امام ابن حزم ان دونوں روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں جمع و تطبیق کرتے ہیں کہ یہ دونوں روایات صحیح ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھائی اور پھر عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھائی، پھر آپ نے رات گزاری اور اگلے دن ظہر کی نماز ذوالحلیفہ ہی میں پڑھ کر تلبیہ پکارا۔[6]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احرام سے قبل نبی ﷺ نے غسل کیا اور یہ وہ غسل تھا جو آپ نے غسل جنابت کے بعد کیا تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے احرام باندھنے کے لیے غسل فرمایا۔[7]

سیدہ فاطمہ اور تمام ازواج مطہرات کی شرکت

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ذوالحلیفہ پہنچیں۔ ان کے ساتھ سیدنا عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا، اس موقع پر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ اپنے اپنے ہودج میں حج کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ذوالحلیفہ میں رات کے وقت پہنچیں، ہمارے ساتھ سیدنا عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما تھے۔[8]

1 الطبقات لابن سعد 2/173. 2 زاد المعاد 2/102-106. 3 حجۃ الوداع لابن حزم، ص: 140. 4 صحیح مسلم: 1243. 5 صحیح البخاری: 1547، صحیح مسلم: 690. 6 حجۃ الوداع لابن حزم، ص: 407-409. 7 جامع الترمذی: 830، زاد المعاد: 2/106. 8 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 8/206

سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرما رہے تھے: [illegible] ''حج بس یہی ہے، بعد میں گھروں میں رہنا ہوگا۔''[1] امہات المومنین کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس بابرکت سفرِ حج میں شریک تھیں۔[2]

یاد رہے کہ ذوالحلیفہ میں رات گزارنا سنن حج میں سے نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف سہولت کے پیش نظر وہاں قیام فرمایا تھا تاکہ پیچھے رہ جانے والے لوگ آسانی سے آملیں اور جو آپ کے ساتھ نہیں آسکے تھے، وہ بھی آجائیں جیسا کہ ازواج مطہرات رات کے وقت ذوالحلیفہ پہنچی تھیں۔ واللہ اعلم

قصر نماز کی ادائیگی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مدینہ میں ظہر کی چار رکعت پڑھائیں، پھر آپ حج کے لیے نکلے، ذوالحلیفہ پہنچے اور وہاں عصر کی نماز قصر پڑھی۔[3] پھر آپ ﷺ حج میں قصر نمازیں ہی پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، جیسا کہ دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلے، آپ دو دو رکعتیں پڑھتے رہے یہاں تک کہ واپس آگئے۔ راوی نے پوچھا: آپ نے مکہ میں کتنے دن قیام کیا تو انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: دس ایام۔[4]

وادی عقیق میں نماز پڑھنے کا حکم

وادی عقیق (مدینہ منورہ)



وادی عقیق مدینہ منورہ (مسجد نبوی) سے چھ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، یہ ذوالحلیفہ کے قریب ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وادی عقیق میں یہ فرماتے ہوئے سنا: [illegible] ''آج رات میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا کہ آپ اس بابرکت وادی میں نماز پڑھیں اور کہیں کہ میں نے حج کے ساتھ عمرے کی بھی نیت کی۔''[5] اس روایت میں وادی عقیق کو وادی مبارک کہا گیا ہے اور آپ ﷺ کو حج کے موقع پر یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

1 مسند أبي يعلى 7/72 2 صحيح سنن أبي داود 1797 3 صحيح البخاري 1551 4 مسند أحمد 3/282 والسنن الكبرى للبيهقي 3/13 5 صحيح البخاري 1534

احرام سے پہلے خوشبو کا استعمال

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے وقت اور طواف زیارت سے پہلے احرام کھولتے وقت خوشبو لگا دیتی تھی۔[1] ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: گویا میں (اس وقت بھی) رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، حالانکہ آپ مُحرِم تھے۔[2] عروہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے ہوئے کون سی خوشبو لگائی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: سب سے اچھی خوشبو۔[3] ایک روایت میں ہے کہ سیدہ نے کہا: میں نے ذریرہ نامی خوشبو لگائی تھی۔[4]

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محرم آدمی احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگا سکتا ہے اگرچہ اس کی مہک احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے، البتہ احرام کے بعد خوشبو لگانا صحیح نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں ہے کہ میں نے تین دن کے بعد اس خوشبو کے اثرات محسوس کیے تھے۔[5] اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے کہ ہم احرام کے وقت اپنے چہرے پر خوشبو دار محلول لگا لیا کرتی تھیں، جب پسینہ آتا تو محلول ہمارے چہرے پر بہنے لگتا، رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھتے تھے لیکن ہمیں منع نہیں فرماتے تھے۔[6]

خوشبو کی وہ اقسام جن میں زعفران کی ملاوٹ ہوتی ہے یا ان میں رنگ ہوتا ہے جو عورتیں استعمال کرتی ہیں، یہ خوشبو مردوں کے لیے کسی حالت میں جائز نہیں، نہ احرام سے پہلے نہ بعد میں۔ اس طرح کی خوشبو مردوں کے لیے مستقل طور پر منع ہے۔ دوسری خوشبو کی قسم وہ ہے جس میں رنگ وغیرہ نہ ہو، مرد اسے احرام سے پہلے استعمال کر سکتا ہے احرام کے بعد نہیں، البتہ احرام کی حالت میں خوشبو سونگھنا جائز ہے، جیسے پھول وغیرہ سونگھنا جائز ہے۔

مسجد جعرانہ نزد مکہ مکرمہ



ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ جعرانہ کے مقام پر تھے، ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے عمرے کا احرام باندھا مگر وہ

[1] صحیح البخاري: 1539. [2] صحیح البخاري: 1538. [3] صحیح مسلم: 1189-(36). [4] صحیح البخاري: 5930، صحیح مسلم: 1189-(35). [5] سنن النسائي: 2704. [6] سنن أبي داود: 1830.

خوشبو سے آلودہ تھا؟ اس پر نبی ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا، پھر آپ پر وحی نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ جب یعلیٰ آئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر پر ایک کپڑا آویزاں کر کے سائے کا انتظام کیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنا سر کپڑے کے اندر گھسا کر دیکھا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ خراٹے لے رہے تھے۔ جب آپ کی یہ حالت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: «أين الذي سأل عن العمرة؟» ''وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرے کے متعلق سوال کیا تھا؟'' چنانچہ وہ شخص حاضر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اغسل الطيب الذي بك ثلاث مرات، وانزع عنك الجبة، واصنع في عمرتك كما تصنع في حجتك»

''جو خوشبو تمھیں لگی ہوئی تھی، اسے تین دفعہ دھو ڈالو۔ اپنا جبہ اتار دو اور عمرے میں بھی وہی کرو جو حج میں کرتے ہو۔''[1]

اس حدیث میں آپ نے خوشبو دھونے اور جبہ اتارنے کا جو حکم دیا، وہ اس لیے تھا کہ اُسے جو خوشبو لگی ہوئی تھی، اس میں زعفران تھا جو مرد کے لیے بغیر احرام کے بھی جائز نہیں۔[2] دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ آٹھ ہجری کا ہے جبکہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خود خوشبو لگائی اور اس کا اثر بھی باقی رہا۔[3]

محرم کون سے کپڑے پہنے اور کون سے نہ پہنے؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کنگھی کرنے، تیل لگانے، تہبند باندھنے اور چادر اوڑھنے کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے کسی قسم کی چادر اور تہبند پہننے سے منع نہیں فرمایا، البتہ زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے، جن سے بدن پر زعفران لگ جائے، ان سے منع فرمایا۔[4] یعنی احرام میں ورس اور زعفران سے رنگی چادریں استعمال کرنا ممنوع ہیں۔ ویسے عام حالت میں بھی یہ مردوں کے لیے جائز نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! محرم کون سے کپڑے پہنے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا يلبس القميص ولا العمائم ولا السراويلات ولا البرانس ولا الخفاف إلا أحد لا يجد نعلين فليلبس خفين وليقطعهما أسفل من الكعبين، ولا تلبسوا من الثياب شيئا مسه الزعفران أو ورس»

1 صحيح البخاري، 1536 2 دیکھیے صحیح البخاری، 1847 وصحیح مسلم، 1180 3 حجة الوداع لابن حزم 233/1 4 صحيح البخاري، 1545

[illegible]

''محرم قمیص، پگڑی، شلوار، ٹوپی اور موزے نہ پہنے۔ ہاں اگر جوتا نہ ملے تو موزے پہن لے لیکن انھیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے اور تم ایسا کپڑا بھی نہ پہنو جسے زعفران یا ورس لگی ہو۔''[1]

البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں کسم میں رنگے ہوئے کپڑے پہنے۔ انھوں نے فرمایا کہ عورتیں بحالت احرام نہ اپنی ناک پر کپڑا باندھیں، نہ برقع پہنیں، نہ ایسا کپڑا زیب تن کریں جو ورس اور زعفران سے رنگا ہوا ہو۔ یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک عورت کے لیے حالت احرام میں زیور اور سفید کپڑوں کے علاوہ سیاہ اور گلابی کپڑے، نیز موزے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔[2] البتہ عورت کے لیے نقاب باندھنے اور دستانے پہننے پر پابندی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: [illegible] ''احرام کی حالت میں عورت منہ پر نقاب نہ باندھے اور دستانے بھی نہ پہنے۔''[3] لیکن جب غیر محرم سامنے آئے تو اوپر سے کپڑا چہرے پر ڈال لیا جائے۔[4] واضح رہے کہ نقاب اسے کہتے ہیں کہ نیچے سے کپڑا اٹھا کر منہ پر باندھ لیا جائے۔ اوپر سے کپڑا لٹکانے کو نقاب نہیں کہا جاتا ہے۔

مردوں کے لیے سفید احرام مستحب ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

[illegible]

''سفید کپڑے زیب تن کرو کیونکہ یہ تمھارے بہترین کپڑے ہیں اور انھی سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو دفناؤ۔''[5]

بالوں کو پراگندگی سے بچانے کے لیے جمانا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک پکارتے ہوئے سنا جبکہ آپ اپنے بالوں کو جمائے ہوئے تھے۔[6] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے غسل (ایک قسم کی گوند) سے اپنے سر مبارک کے بالوں کو جمایا ہوا تھا۔[7] یہ اس لیے تھا کہ بال پراگندہ نہ ہوں۔[8] اور گرد و غبار سے اٹ نہ جائیں، بالخصوص جب مدت احرام زیادہ ہو یا مکہ میقات سے دور ہو۔

1 صحیح البخاري: 1542. 2 صحیح البخاري، قبل حدیث: 1545، سنن الكبرى للبيهقي: 47/5، 52 و 59.
3 صحیح البخاري: 1838. 4 فتح الباري: 3/511، 512. 5 سنن أبي داود: 3878. 6 صحیح البخاري: 1540.
7 سنن أبي داود: 1748. 8 زاد المعاد: 158/2.

رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اونٹنی کو اشعار کیا

قربانی کے جانور کو اشعار کیا جاتا تھا، یعنی اونٹ کے کوہان کو دائیں جانب بطور نشان ہلکا سا زخم لگاتے تھے تاکہ وہ خون آلود ہو جائے۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لوگوں کو بخوبی علم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور کوئی اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اسی طرح اس کے گلے میں قلادہ، یعنی ہار بھی ڈالا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب ذوالحلیفہ سے نکلے تو اس موقع پر آپ نے اشعار بھی کیا اور اونٹوں کے گلے میں قلادے بھی ڈالے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اپنی اونٹنی منگوائی اور اس کے کوہان کی دائیں جانب ہلکا سا زخم لگا کر اسے نشان زدہ کر دیا اور خون پونچھ دیا، پھر دو جوتے اس کے گلے میں لٹکائے۔ اس کے بعد آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور چل دیے۔[1]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: لوگوں نے احرام کھول دیا ہے لیکن آپ نے نہیں کھولا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"میں نے اپنے سر کے بال جما لیے ہیں اور قربانی کے گلے میں ہار ڈال رکھا ہے، لہٰذا میں حج سے فراغت پانے تک احرام نہیں کھولوں گا۔"[2]

یہ اس شخص کے لیے ہے جو قربانی اپنے ساتھ لائے اور اس نے حج قران کی نیت کی ہو، لیکن جو شخص حج نہ کر رہا ہو اور وہ مکہ کی جانب قربانی کے جانور بھیجے، اس پر کوئی پابندی نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کی ہدی کے ہار تیار کیے، پھر آپ نے ہدی کو اشعار کیا، انھیں قلادے پہنائے، پھر آپ نے انھیں بیت اللہ روانہ کیا اور خود مدینہ طیبہ ہی میں ٹھہرے۔ اس عمل سے آپ ﷺ پر کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی جو آپ کے لیے حلال تھی۔[3] یعنی آپ محرم نہ ہوئے۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے حرم مکی میں ذبح کیا جائے اور وہ جانور کم از کم بکری ہے۔ اس لیے اونٹ، گائے اور بکری کو بطور ہدی مکہ روانہ کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ قربانی کے جانور کو اشعار بھی کرتے تھے اور انھیں ہار بھی ڈالتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے اونٹنی کو اشعار بھی کیا اور ہار بھی پہنایا لیکن بکری کے بارے میں ہے کہ اسے صرف ہار پہنایا جائے، اشعار نہ کیا جائے کیونکہ بکری کمزور جانور ہے، اسے اشعار کے بجائے ہار ہی پہنا دینا کافی ہے۔

1 صحیح مسلم: 1243، 2 صحیح البخاري: 1697، 3 صحیح البخاري: 2317، صحیح مسلم: 1321(362)

قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے جانور کو ہانک رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے عرض کیا: یہ تو قربانی کا اونٹ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے دوبارہ حکم دیا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس شخص نے پھر عرض کی کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہے، تو اس پر سوار ہو جا۔''[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سواری کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جب اس پر سوار ہونے کی ضرورت ہو تو سواری ملنے تک معروف طریقے سے اس پر سواری کرو۔''[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری سواری دستیاب ہو تو قربانی کے جانور کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر سواری نہیں کرنی چاہیے۔ دراصل دورِ جاہلیت میں لوگ کچھ جانوروں کو مذہبی نذر و نیاز کے طور پر چھوڑ دیتے تھے۔ ان کے ہاں ایسے جانور سے فائدہ اٹھانا معیوب تھا۔ اسلام نے اس تصور کی تردید فرما کر اسے غلط قرار دیا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے درج بالا شخص کو بار بار سوار ہونے کا حکم دیا اور آخر میں تنبیہ بھی فرمائی۔

نبی ﷺ کی نیت اور تلبیہ

نبی کریم ﷺ جب ذوالحلیفہ کی مسجد سے نکل کر سواری پر سوار ہوئے تو آپ نے حج قران کی ان الفاظ سے نیت فرمائی: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کی سواری سیدھی کھڑی ہو گئی تو اس وقت آپ نے نیت فرمائی اور لبیک کہنا شروع کیا۔[3] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ جب رکاب میں پاؤں رکھ لیتے اور آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہو جاتی تب آپ ذوالحلیفہ

1 صحيح البخاري 1689. 2 صحيح مسلم 1324. 3 صحيح البخاري :1552.

ابیار (آبار) علی (جنوب مدینہ) میں مسجد ذوالحلیفہ



سے تلبیہ پکارنا شروع کرتے تھے۔[1] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے، پھر آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھا کر رات کو وہیں قیام فرمایا۔ صبح کے وقت وہاں سے سوار ہوئے، جب سواری میدان بیداء میں پہنچی تو آپ نے الحمدللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ نے حج اور عمرہ دونوں کے لیے لبیک کہا اور لوگوں نے بھی حج اور عمرہ دونوں کے لیے لبیک کہا۔[2]

ان روایات سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تلبیہ پکارنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ کہیں یہ بات آئی ہے کہ جب آپ سواری پر سوار ہوئے، اس وقت تلبیہ کہا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ بیداء کے میدان میں پہنچے تب تلبیہ کہا۔ یہ اختلاف دراصل راویوں کے مشاہدے کی بنا پر رونما ہوا ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے۔ جب آپ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد تلبیہ کہا۔ جن لوگوں نے اس وقت آپ کا تلبیہ سنا، انھوں نے اسی وقت کے حوالے سے یہ معاملہ بیان کیا۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے اور آپ نے سواری پر بیٹھ کر تلبیہ کہا تو سننے والوں نے سواری کے وقت تلبیہ کہنے کی بات بیان کی۔ پھر جب آپ ﷺ میدان بیداء کی چڑھائی پر پہنچے اور لبیک پکارا تو جن لوگوں نے اس وقت آپ ﷺ کو دیکھا، انھوں نے اپنے مشاہدے کے مطابق واقعہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے تو تلبیہ کا آغاز مسجد سے کیا تھا، اس کے بعد جس جس نے آپ کو جس جگہ تلبیہ کہتے دیکھا، اس نے اسی جگہ کے حوالے سے بات بیان کر دی۔[3] اس کی تائید آپ کے اس عمل سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے تلبیہ پکارا تو لوگوں نے بھی بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ جب کسی سوار سے ملتے تو تلبیہ پکارتے یا کسی ٹیلے پر چڑھتے یا وادی سے اترتے تو تلبیہ پکارتے۔ آپ ہر فرض نماز کے بعد بھی تلبیہ کہتے اور رات کے آخری پہر بھی بلند آواز سے تلبیہ پکارتے۔[4]

قبلہ رخ ہو کر نیت کرنا اور تلبیہ پکارنا

رسول اللہ ﷺ نے جب نیت عمرہ و حج کی اور تلبیہ پکارا تو قبلہ رخ ہو کر پکارا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعتیں پڑھیں تو وہیں مصلی پر بیٹھے بیٹھے نیت کی (ایسی حالت میں آپ کا چہرہ قبلہ رخ تھا)۔[5] اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ذوالحلیفہ میں فجر کی نماز پڑھ

1 صحیح مسلم: (27)-1187 2 صحیح البخاری: 1551 3 سنن ابی داود: 1770 4 جامع الآثار فی السنن ... 466,465/5 5 سنن ابی داود: 1770.

لیتے تو اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیتے، چنانچہ وہ تیار کردی جاتی تو اس پر سوار ہو جاتے۔ جب وہ سیدھی کھڑی ہو جاتی تو قبلہ رو ہو کر تلبیہ کہتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا ہے۔[1]

بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے جب تلبیہ پکارا اور نیت کی تو اپنی آواز کو بلند کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی بلند آواز سے تلبیہ پکاریں۔ سیدنا خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کو بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم دیں۔''[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا: اے محمد! اپنے اصحاب کو بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم دیں کیونکہ یہ حج کے شعار (نشانی) میں سے ہے۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ میں تلبیہ کو بلند آہنگ کروں۔''[4] سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج اور عمرہ دونوں مواقع پر باآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا۔[5] مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر بلند آواز سے تلبیہ کہتے تھے کہ ان کی آواز بیٹھ جاتی تھی۔[6]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے افضل حج کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: العج والثج ''بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور جانوروں کو ذبح کرنا (افضل حج کے اعمال ہیں)۔''[7]

تلبیہ کے الفاظ

رسول اللہ ﷺ سے پہلے مشرکین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تلبیہ پکارتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے: لبيك لا شريك لك

1 صحيح البخاري: 1553. 2 مسند احمد: 4/56. 3 سنن ابن ماجه: 2923. 4 مسند احمد: 1/321. 5 صحيح البخاري: 1548. 6 مصنف لابن ابي شيبة: 3/355. 7 جامع الترمذي: 827

"میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔" رسول اللہ ﷺ یہ سن کر فرماتے: [illegible] "تمھاری ہلاکت ہو، بس یہی کافی ہے، اس کے بعد کچھ نہ کہو۔" لیکن وہ لوگ اس کے بعد کہتے: [illegible] "سوائے ایک شریک کے جو تیرے ہی لیے ہے، تو اس کا اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے، سب کا مالک ہے۔"[1] اس کے برعکس جب رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ پکارا تو فرمایا: [illegible] "میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں پھر حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں، تیرے لیے ہی تعریف ہے۔ تو ہی تمام نعمتوں اور بادشاہتوں کا مالک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے۔ آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ ہی اس کی (حقیقی) تفسیر جانتے تھے۔ جو آپ ﷺ کرتے، ہم اسی پر عمل کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے توحید کا تلبیہ پکارا: [illegible][3] یہاں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے توحید کے الفاظ سے مراد ان کفار و مشرکین کے تلبیے کی نفی تھی جس میں وہ شرک کا ارتکاب کرتے تھے۔

تلبیہ میں زائد الفاظ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تلبیہ کے یہ الفاظ بھی سنے: [illegible] "میں حج کے لیے، حق کے ساتھ، بندگی اور غلامی کرتے ہوئے حاضر ہوں۔"[4] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ الفاظ بھی پکارتے تھے: [illegible] "میں حاضر ہوں، اے حقیقی اور سچے الٰہ! میں حاضر ہوں۔"[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ تلبیہ میں "ذوالمعارج" کے الفاظ وغیرہ بڑھا دیتے، آپ ﷺ سن رہے ہوتے تھے مگر کچھ نہ کہتے۔[6] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان الفاظ کا اضافہ کرتے تھے: [illegible] "حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیری اطاعت کی ایک کے بعد دوسری سعادت حاصل کرنے کے لیے ہر دم تیار ہوں۔ ہر قسم کی بھلائی تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے۔ میں حاضر ہوں۔

[1] صحیح مسلم: 1185 [2] صحیح البخاری: 1549 [3] صحیح مسلم: 1218 [4] [illegible] 14/215، مسند البزار [illegible] 15/265، 266۔ یہ الفاظ مرفوعاً کے بجائے موقوفاً ثابت ہیں۔ [5] مسند احمد 2/341، سنن [illegible] 2920، سنن النسائی [illegible] 2754 [6] سنن ابی داود 1813، مسند احمد 3/320

تیری ہی طرف رغبت ہے اور تیری خاطر ہی سارے عمل ہیں۔" یہ الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان کی اقتدا میں کہتے تھے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ یہ الفاظ پڑھتے تھے: لَبَّيْكَ مَرْغُوبًا وَمَرْهُوبًا إِلَيْكَ ذَا النَّعْمَاءِ وَالْفَضْلِ الْحَسَنِ "میں تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے حاضر ہوں۔ اے نعمتوں والے اور بہترین فضل فرمانے والے! میں حاضر ہوں۔"[3]

تلبیہ پکارنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار کرنے کے بارے میں بھی روایات آئی ہیں۔ امام دارقطنی اور امام شافعی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے ذریعے دوزخ سے پناہ مانگتے تھے۔[4]

مسنون یہ ہے کہ حج یا عمرے کے احرام میں ہر حالت میں تلبیہ پکارا جائے یہاں تک کہ عمرہ کرنے والا بیت اللہ کا طواف شروع کر دے اور حج کرنے والا جمرہ کو کنکریاں مارے۔

بالخصوص وہ اس وقت تلبیہ ضرور پڑھے جب بلندی کی طرف چڑھے یا نشیب کی طرف اترے یا کسی تلبیہ والے کی لبیک سنے یا کوئی محسوس ہو کہ سارے تلبیہ بھول گئے ہیں۔ اسی طرح نمازوں کے بعد، رات چھا جانے پر یا صبح کے طلوع ہونے پر تلبیہ بلند آواز سے پکارنا مسنون ہے۔

فقہائے مالکیہ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تلبیہ کے بعد درود وسلام پڑھنا بھی مستحب ہے۔[5]

احرام باندھتے ہوئے نیت

رسول اللہ ﷺ نے جب احرام باندھ لیا اور تلبیہ پکار دیا تو صحابہ کو اجازت دے دی کہ وہ صرف حج یا صرف عمرہ یا دونوں کا اکٹھا احرام باندھ کر نیت کر سکتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو آپ نے فرمایا:

[illegible]

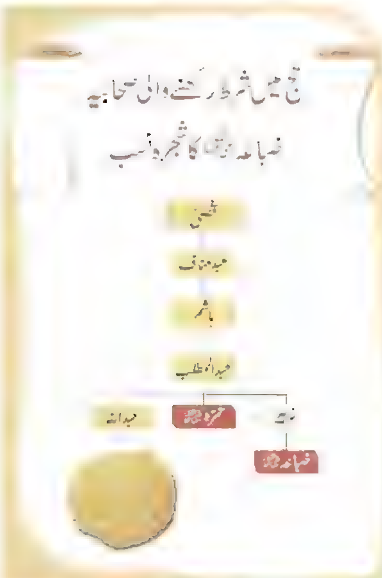
[illegible]

"جو تم میں سے حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر نیت کرنا چاہتا ہے، وہ ان دونوں کی نیت کرے، اور جو صرف حج

1 صحیح مسلم: 1184. 2 فتح الباری: 3/[illegible]. 3 مصنف ابن ابی شیبۃ: 3/198. 4 مسند الشافعی [illegible] 123، الام للشافعی: 2/157، سنن الدارقطنی: 2/238. 5 دیکھیے: السنن الکبری للبیہقی: 5/46، [illegible] 56:33.

کی نیت کرنا چاہتا ہے، وہ کر لے اور جو صرف عمرے کی نیت کرنا چاہتا ہے، وہ صرف عمرے کی نیت کر لے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپ ﷺ نے صرف حج کی نیت کی اور کچھ دیگر لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی طرح حج کی نیت کی۔ بعض لوگوں نے حج اور عمرے دونوں کی نیت کی اور کچھ لوگوں نے صرف عمرے کی نیت کی۔ میں ان میں سے تھی جنھوں نے صرف عمرے کی نیت کی۔[1]



حالت خوف میں احرام باندھتے ہوئے شرط لگانا

اگر کسی کو یہ خوف لاحق ہو کہ وہ بوجہ مرض یا خوف حج ادا نہ کر پائے گا تو وہ تلبیہ پکارتے وقت یہ نماز کہہ سکتا ہے: "اے اللہ! جہاں تو نے مجھے روک دیا، میں وہاں احرام کھول دوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ سیدہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو آپ نے ان سے پوچھا: "کیا تم نے حج کا ارادہ کیا ہے؟" وہ کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! مجھے بیماری نے روک دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن بیمار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حج کرو اور شرط لگا لو، کہو: اے اللہ! میں وہیں حلال ہو جاؤں (احرام کھول دوں) گی جہاں تو نے مجھے روک دیا۔"[2]

اس صورت میں اگر وہ بیماری، موت یا کسی اور وجہ سے راستے ہی میں رہ جاتیں تو ان پر کوئی چیز لازم نہ ہوتی۔

نفاس والی عورت کے احرام کا مسئلہ

اگر کوئی عورت حالت نفاس میں ہو تو وہ غسل کر کے احرام باندھ لے اور اس کا احرام معمول کا عام لباس ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر درخت کے قریب قیام کے دوران میں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو محمد بن ابی بکر کی پیدائش کی وجہ سے نفاس کا خون آنا شروع ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی اہلیہ سے کہیں کہ وہ غسل کر لیں اور احرام باندھ لیں۔[3]

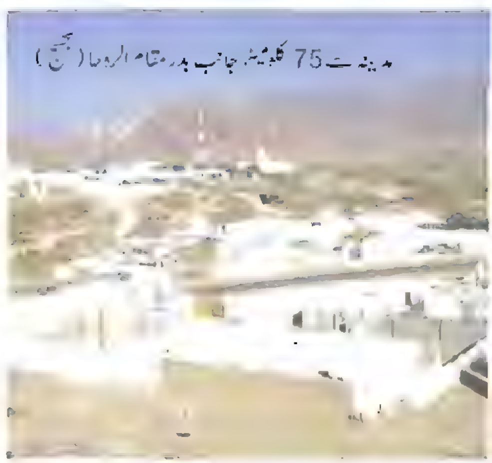
[1] صحیح مسلم، [illegible]1211، [2] صحیح البخاری، 5089، صحیح مسلم، 1207۔ [3] صحیح مسلم، 1209۔

سیدنا ابوبکر ؓ سے روایت ہے کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلا۔ میرے ساتھ میری بیوی اسماء بنت عمیس خثعمیہ بھی تھی۔ جب ہم ذوالحلیفہ پہنچے تو اسماء نے محمد بن ابی بکر کو جنم دیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تاکہ آپ کو مطلع کروں تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی بیوی اسماء سے کہو کہ وہ غسل کریں، پھر حج کا تلبیہ پکاریں اور اسی طرح عمل کریں جس طرح تمام لوگ عمل کریں، البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ اسماء بنت عمیس ؓ نے کسی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ غسل کرلیں، کپڑے کا لنگوٹ کس لیں اور پھر احرام باندھ لیں۔''[2] امام ابن قیم ؒ فرماتے ہیں: اس واقعے سے تین باتوں کا علم ہوتا ہے: 1 محرم غسل کرسکتا ہے۔ 2 حائضہ اور نفاس والی عورت کو احرام کے لیے غسل کرنا پڑے گا۔ 3 حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے احرام باندھنا صحیح ہے۔[3]

جنگلی گدھے کا شکار

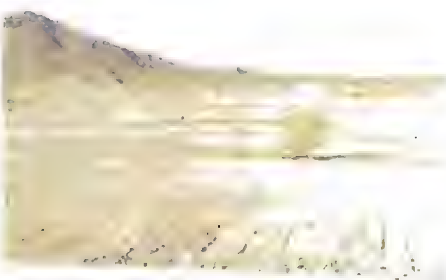
رسول اللہ ﷺ بیداء سے آگے بڑھے اور روحاء کے قریب پہنچے تو وہاں صحابۂ کرام ؓ نے ایک شکار کیے ہوئے زخمی جنگلی گدھے کو دیکھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''انتظار کرو یہاں تک کہ اس کو شکار کرنے والا پہنچ جائے۔'' چنانچہ کچھ دیر بعد اس کا شکار کرنے والا بہزی پہنچا۔ ایک روایت میں ہے کہ بنوسلیم کا ایک شخص آیا جس نے اس کا شکار کیا تھا (اس کا نام زید بن کعب بہزی سلمی تھا۔)[4] شکاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! اب یہ آپ کا ہے۔ آپ اسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر ؓ کو حکم دیا کہ وہ اسے ساتھیوں میں تقسیم کردیں۔ اس وقت وہ تمام محرم تھے۔ پھر حجاج کا قافلہ یہاں سے چلا یہاں تک کہ اثایہ پہنچا۔ انھوں نے وہاں ایک ہرن کو سائے میں زخمی حالت میں جھکا ہوا



1 سنن النسائی: 2665. 2 صحیح مسلم: 1218. 3 زاد المعاد: 160/2. 4 جامع الأصول فی أحادیث الرسول: 489،488/5، الاستیعاب، ص: 291

پایا۔ اس کے ایک جانب تیر لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس کے پاس کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ لوگ گزر جائیں۔[1]

وادی ملل



سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ اتوار کے روز ملل پہنچے۔ پھر آپ چلے تو شام کو سرف میں پہنچے۔ آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء سرف میں پڑھیں۔ پھر آپ چلے تو صبح جا کر عرق ظبیہ میں نماز پڑھی جو روحاء اور سیالہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ یہاں رستے کے دائیں جانب ایک مسجد ہے۔ پھر آپ ﷺ روحاء پہنچے تو وہاں جنگلی گدھے کا واقعہ پیش آیا۔ پھر سیدہ نے جنگلی گدھے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ روحاء سے چلے تو آپ نے عصر کی نماز منصرف پہنچ کر پڑھی۔ وہاں سے آپ ﷺ چلے تو پھر آپ نے متعشی میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ یہاں کھانا بھی کھایا۔ پھر آپ ﷺ وہاں سے چلے اور صبح کی نماز اثایہ پہنچ کر پڑھی۔ پھر آپ ﷺ دن چڑھے عرج پہنچے۔[2]

عرق ظبیہ کا علاقہ



بیمار بچے کا علاج

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم وادی روحاء سے آگے بڑھے تو ایک عورت نے جس نے ایک بچہ اٹھا رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر آپ کو سلام کہا۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما تھے۔ وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اس دن سے آج تک اس بچے نے بالکل حرکت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری روک لی اور اپنے مبارک ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر فرمایا: "یہ بچہ مجھے دو۔" چنانچہ اس خاتون نے وہ بچہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس بچے کو

1 مسند احمد: 452/3، السنن الکبریٰ للبیہقی: 188/5۔ 2 [illegible] 495/5، المغازی للواقدی: 455/2۔

اپنی جانب بلایا، آپ ﷺ کے اور اس بچے کے درمیان پالان کجاوہ کا فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: [illegible] ''اللہ کے دشمن! باہر نکل آ، میں اللہ کا رسول ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس بچے کو اس عورت کے سپرد کر دیا اور فرمایا: [illegible] ''اسے لے لو! آئندہ تم اس بچے میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ دیکھو گی، ان شاء اللہ۔'' اس عورت نے بچے کو تھاما اور لوٹ گئی۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر ہم چلے گئے اور ہم نے حج کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس آئے تو ہم نے روحاء پر پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہی عورت ایک بھنی ہوئی بکری لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے وہ بکری آپ کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میں اسی بچے کی ماں ہوں جسے میں نے آپ کی روانگی کے وقت آپ سے ملایا تھا۔ آپ ﷺ نے عورت سے پوچھا: [illegible] ''تیرے بیٹے کا کیا حال ہے؟'' وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں نے آج تک اسے کسی مشکوک حالت میں نہیں پایا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: [illegible] ''اے اسامہ! مجھے اس کی دستی پکڑاؤ۔'' میں نے اس بکری کی دستی پکڑی اور آپ ﷺ کو دے دی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اے اسامہ! مجھے دستی دو۔'' میں نے دوبارہ بکری کی دستی آپ ﷺ کو دے دی اور آپ نے تناول فرمائی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: [illegible] ''اے اسامہ! مجھے دستی پکڑاؤ۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے ایک دستی پکڑانے کو کہا تو میں نے دے دی، پھر دوسری مرتبہ دستی دینے کا حکم دیا تو میں نے دوسری دستی بھی پیش کر دی۔ بکری کی دو دستیاں ہی ہوتی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اگر تم مجھ سے یہ بات نہ کہتے اور دستی اٹھانے کے لیے جھکتے تو جتنی دیر تک میں تم سے مانگتا رہتا، اتنی دیر تک تم وہاں دستی پاتے رہتے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اے اسامہ! جاؤ اور زمین سے میرے لیے پتھروں کا ڈھیر تلاش کرو۔"

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نکلا اور گھوما پھرا لیکن میری امید بر نہ آئی، نہ میں نے کوئی ایسی اوٹ دیکھی جو پردہ پوشی کا کام دے سکے۔ میں پلٹ آیا اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ لوگوں نے ساری جگہ بھر دی ہے اور مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو اوٹ بن سکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "کیا تم نے درخت اور پتھروں کا ڈھیر نہیں دیکھا؟" میں نے کہا: جی ہاں دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"ان کھجوروں کے پیڑوں کی طرف جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں باہم ملنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ تم رسول اللہ ﷺ کے لیے رفع حاجت کی اوٹ بن جاؤ۔"

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گیا اور ان کھجور کے درختوں کے پاس پہنچا۔ میں نے اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! گویا میں اس وقت بھی وہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ وہ درخت تیزی سے اپنی جڑوں اور مٹی سمیت ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے اور آپس میں اس طرح پیوست ہو گئے جیسے وہ ایک ہی درخت ہو۔ پھر میں پتھروں کے ڈھیر کے پاس آیا۔ میں نے ان سے بھی وہی بات کہی جس کا رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں اب بھی وہی منظر دیکھ رہا ہوں کہ پتھر ایک ایک کر کے تیزی کے ساتھ کھجور کے پیڑوں کے ساتھ پیوست ہو گئے اور ایک دوسرے کے اوپر تلے اس طرح جڑ گئے جیسے دیوار چن دی گئی ہو۔ پھر میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "لوٹا لے لو۔" آپ نکلے، پھر ہم چلنے لگے۔ جب ہم اس جگہ پہنچے تو میں نے آگے بڑھ کر لوٹا وہاں رکھ دیا اور واپس آ گیا۔ آپ نے قضائے حاجت سے فراغت پائی، پھر آپ لوٹا پکڑے ہوئے میری طرف تشریف لائے تو میں نے آپ کے دست مبارک سے لوٹا لے لیا، پھر ہم چل پڑے۔ جب ہم اپنے پڑاؤ میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"اے اسامہ! ان کھجور کے درختوں اور پتھروں کی طرف جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دے رہے ہیں کہ اسی مقام پر لوٹ جاؤ جہاں تم پہلے تھے۔ پتھروں سے کہو: اللہ کے رسول تمھیں حکم دیتے ہیں کہ جس جگہ تم پہلے تھے وہیں چلے جاؤ اور کھجور کے درخت بھی جہاں تھے وہیں چلے جائیں۔"

اسامہ ؓ کہتے ہیں: میں کھجور کے درختوں کے پاس آیا۔ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! گویا میں (اس وقت بھی) ان کو جڑوں اور مٹی سمیت دیکھ رہا ہوں کہ وہ سب اپنے اپنے پہلے مقام پر چلے گئے۔ پھر میں نے پتھروں کو آپ ﷺ کا حکم پہنچایا تو وہ بھی اپنی اپنی جگہ پر واپس پہنچ گئے۔[1]

نبی ﷺ کا اسلوب تربیت

سیدہ اسماء بنت ابی بکر ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عرج میں خیمہ زن ہوئے تو آپ اپنے خیمہ کے باہر بیٹھ گئے۔ سیدہ عائشہ ؓ آئیں اور آپ ﷺ کی ایک جانب بیٹھ گئیں، پھر سیدنا ابوبکر ؓ آئے اور آپ کے دوسرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسماء بنت عمیس ؓ آئیں، وہ سیدنا ابوبکر ؓ کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر ؓ کا غلام خالی ہاتھ آیا تو ابوبکر ؓ نے پوچھا: تمھارا اونٹ کہاں ہے؟ غلام کہنے لگا: وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر ؓ اٹھے اور غلام کی پٹائی کرنے لگے۔ فرمایا: تمھارے پاس ایک ہی اونٹ تھا، تم وہ بھی گم کر آئے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے زیر لب تبسم فرمایا اور کہا: "[illegible]" "کیا تم اس احرام والے شخص کو دیکھ رہے ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے؟" آپ نے (اتنی ہی بات پر اکتفا کیا اور) سیدنا ابوبکر ؓ کو مارنے سے منع نہیں کیا۔[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: [illegible] "ذرا اس محرم کی طرف دیکھو، یہ کیا کر رہا ہے۔" پھر آپ نے تبسم فرمایا۔[3] کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکر ؓ کے اس غلام کا نام عقبہ تھا اور اونٹ اثایہ کے علاقے میں گم ہوا تھا۔ اس غلام کا کام اس اونٹ کی رکھوالی کرنا تھا۔[4]

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کھانے پینے کا سامان گم ہو گیا تھا، پھر جب آل فضالہ اسلمی کو اس کا پتہ چلا تو وہ حیس (مخصوص حلوہ) کا بڑا پیالہ لے کر آئے۔ انھوں نے وہ پیالہ آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر ؓ سے فرمایا:

---

1 جمع الآثار في نسبة معالم السجدة 5/491-494، دلائل النبوة للبيهقي 6/24-26، یہ روایت ضعیف ہے۔ (البداية والنهاية: 6/148) 2 الطبقات لابن سعد 8/256، 3 سنن أبي داود 1818، 4 جمع الآثار في سير 5/497

[illegible]

”اے ابوبکر! آؤ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کتنا اچھا ناشتا دیا ہے۔“

جس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر برہم ہو رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”اے ابوبکر! ٹھنڈے دل سے کام لو کیونکہ یہ معاملہ نہ تمھارے بس میں ہے اور نہ ہمارے بس میں۔ غلام تو اس بات کا خواہشمند تھا کہ اونٹ گم نہ ہو۔ جو کچھ اس کے پاس تھا، یہ اس کا نعم البدل ہے۔“

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے گھر والوں، ابوبکر اور ان کے ہمراہیوں سبھی نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔ اسی اثنا میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ وہ لوگوں کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اونٹ ان کے ساتھ تھا اور اونٹ پر سامان بھی موجود تھا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے دروازے پر پہنچ کر اونٹ کو بٹھا دیا۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

[illegible]

”دیکھ لو! تمھارے سامان سے کوئی چیز غائب تو نہیں؟“

ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے، سامان دیکھا اور کہنے لگے: کوئی چیز غائب نہیں، صرف ایک پیالہ تھا جس میں ہم پیتے تھے، وہ موجود نہیں۔ غلام کہنے لگا: مجھے یہ پیالہ میرے پاس ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف سے امانت ادا کر دی ہے۔[1]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تعریف

ایک روز سیدنا سعد بن عبادہ اور ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ساز و سامان سے لدی ہوئی ایک سواری لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اس دن کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ کی سواری ساز و سامان سمیت حجۃ الوداع کے موقع پر گم ہو گئی تھی۔ دونوں باپ بیٹا آئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دروازے پر کھڑا پایا۔ اس وقت تک آپ کی سواری بازیاب ہو چکی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمیں معلوم

1 [illegible] 457,456/2، [illegible] 498-496/5

ہوا ہے کہ آپ کی سامان والی سواری گم ہوگئی ہے، آپ اس کی جگہ یہ سواری قبول فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''بلاشبہ ہماری سواری آ گئی ہے۔ تم دونوں اپنی سواری واپس لے جاؤ، اللہ تم دونوں کو برکت عطا فرمائے۔ اے ابو ثابت! جب سے ہم مدینہ پہنچے ہیں اس وقت سے تم جو ہماری ضیافت کر رہے ہو، کیا یہ کافی نہیں ہے؟''

سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے مال سے جو کچھ لیتے ہیں، وہ ہمارے نزدیک اس مال سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے جو آپ نہیں لیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے ابو ثابت! تم نے بالکل سچی بات کی ہے۔ تمھیں کامیابی کی بشارت ہو۔ بلاشبہ اخلاق حسنہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس میں سے جسے صالح اخلاق عطا کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اسے دے دیتا ہے اور یقینا اللہ نے تمھیں اچھا خلق عطا فرمایا ہے۔''

سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: الحمدللہ! وہی ذات عالی سب کچھ کرنے والی ہے۔[1] اس مبارک سفر میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سامان ایک ہی اونٹ پر تھا۔[2]

اس پورے واقعے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ حج کے سفر پر نکلتے ہوئے زاد راہ ساتھ لینا بھی ضروری ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ ''اور (حج کے لیے) زاد راہ لے لو، بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔'' [illegible] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمن حج کرتے تھے لیکن زاد راہ ساتھ نہ لیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلاتے۔ اس صورتحال پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ ''اور (حج کے لیے) زاد راہ لے لو، بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔''[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مہلب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سوال نہ کرنا تقویٰ ہے اور اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص

1 المغازي للواقدي: 457/2، 2 زاد المعاد: 162/2، 3 صحیح البخاري: 1523

کی تعریف کی ہے جو لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتا۔[1]

ابواء میں ایک مقدمے کا فیصلہ

رسول اللہ ﷺ نے العرج سے آگے جانے کے بعد السقیا میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلی منزل آپ ابواء پہنچے۔ یہاں آپ نے دو شکار کرنے والوں کے مابین فیصلہ کیا۔ قاسم بن مخول بن یزید بہزی سلمی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا دور پایا تھا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابواء میں جال نصب کیا ہوا تھا۔ اس جال میں ایک ہرنی پھنس گئی۔ وہ مجھ سے چھوٹ گئی۔ میں اس کے پیچھے بھاگا تو میں نے دیکھا کہ اسے ایک آدمی نے پکڑ رکھا ہے۔ ہم دونوں اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ ہم یہ مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر گئے۔ ہم نے آپ کو ابواء کے ایک درخت کے سائے میں قیام پذیر پایا۔ ہم نے اپنا معاملہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اسے دو حصوں میں تقسیم فرما دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی

رسول اللہ ﷺ جب لحی جمل پہنچے تو آپ نے سینگی لگوائی۔ سلیمان بن یسار، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے سر کے درمیانی حصے میں احرام کی حالت میں اس وقت سینگی لگوائی جب آپ لحی جمل کے مقام پر تھے۔[3]

وادی عسفان سے گزر

جب رسول اللہ ﷺ وادی عسفان سے گزرے تو آپ نے دریافت فرمایا: [illegible]

[1] تاریخ طبری 484/3 [2] صحیح ابن حبان 196/13، المعجم الکبیر للطبرانی 322/2، اسد الغابۃ 129/5
[3] صحیح البخاری 1836، 5698، 5700، المصنف لابن ابی شیبۃ 39/5


ابواء جہاں نبی ﷺ کی والدہ نے وفات پائی

ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وادی عسفان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''یہاں سے ہود اور صالح علیہما السلام سرخ رنگ کی جوان اونٹنیوں پر سوار ہو کر گزرے تھے۔ اونٹنیوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھیں۔ عبائیں ان کے تہبند تھیں اور انھوں نے اونی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ وہ تلبیہ پکارتے ہوئے بیت اللہ کا حج کر رہے تھے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: [illegible] ''گویا میں اس وقت موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ لبیک کہتے ہوئے وادی کے نشیب میں اتر رہے ہیں۔''[2]

صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کانوں میں انگلیاں ڈالے بآواز بلند تلبیہ پکارتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔[3] ایک روایت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے اور ایک روایت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے کہ وہ فجِ الروحاء سے احرام باندھیں گے۔[4] ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے وادی عسفان ہی میں سراقہ کو امان عطا کی تھی۔ یہ واقعہ ہجرت کے باب میں گزر چکا ہے۔[5]

جو صرف عمرے کی نیت کرنا چاہے کر سکتا ہے

رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ سے چلتے ہوئے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج یا صرف عمرے کے لیے احرام باندھنے کا اختیار دیا تھا کہ جو چاہے صرف عمرے کا یا صرف حج کا احرام باندھ سکتا ہے یا دونوں کا اکٹھا احرام بھی باندھ سکتا ہے۔ جب آپ ﷺ مقام سرف پر پہنچے تو آپ نے صحابہ سے یہ فرمایا کہ جس کے پاس قربانی نہ ہو اور وہ اس احرام سے عمرہ کرنا چاہتا ہو تو ایسا کر لے۔

البتہ وہ لوگ جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے تھے، انھیں صرف حج یا حج و عمرہ (قران) کے تلبیہ کا حکم دیا گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ لائے تھے۔[6] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم حجۃ الوداع کے موقع پر ذوالحجہ کا چاند نکلنے کے قریب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 مسند احمد: 232/1. 2 صحیح البخاری: 1555. 3 صحیح مسلم: 166. 4 فتح الباری: 522/3، صحیح مسلم: 1252. 5 دیکھیے: سیرت النبی ﷺ (دارالمکتبہ)، 4/284-289. 6 صحیح مسلم: (123)-1211.

[illegible]

''تم میں سے جو صرف عمرے کے لیے تلبیہ کہنا چاہے کہے۔ اگر میں قربانی ساتھ نہ لاتا تو میں بھی عمرے کا تلبیہ کہتا۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے عمرے کا تلبیہ کہا تھا، وہ تو عمرے کی تکمیل کے بعد حلال ہو گیا (اس نے احرام اتار دیا)۔ اور جنھوں نے صرف حج کا یا حج اور عمرے دونوں کا تلبیہ کہا تھا، وہ لوگ قربانی کا دن آنے تک احرام کے پابند رہیں۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی عورتوں کے لیے رحمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو بے پایاں نعمتوں سے نوازا ہے، بالخصوص ان کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا امت کے لیے نہایت بابرکت اور رحمت ثابت ہوئیں۔ آپ ام المومنین کا شرف تو رکھتی ہی ہیں لیکن بہت سارے مسائل میں امت کے لیے رہنمائی اور سہولت انھی کی برکت سے نصیب ہوئی جیسا کہ تیمم کا مسئلہ ہے۔ اب اس موقع پر تو سیدہ آپ ﷺ کے ساتھ حج ادا کر رہی تھیں۔ جب یہ قافلہ سرف کے مقام پر پہنچا تو وہ حائضہ ہو گئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا واقعہ خود سناتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج کے مہینوں، حج کے دنوں اور حج کے احرام میں روانہ ہوئے۔ ہم نے مقام سرف میں پڑاؤ کیا، پھر رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

[illegible]

''تم میں سے جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور وہ اس احرام سے عمرہ کرنا چاہتا ہو تو ایسا کر سکتا ہے مگر جس کے پاس قربانی کا جانور ہو، وہ ایسا نہ کرے۔''

سیدہ کہتی ہیں کہ آپ کے فرمان سے بعض صحابہ نے فائدہ اٹھایا اور کچھ اس سے قاصر رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے کچھ صحابہ تو صاحب حیثیت تھے اور ان کے پاس قربانی کے جانور تھے۔ وہ عمرہ نہیں کر سکتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اے بھولی بھالی! تم کیوں رو رہی ہو؟'' میں نے عرض کیا: حضور! میں نے آپ کی وہ گفتگو سن لی ہے جو آپ نے اپنے صحابہ سے کی ہے، اب میں عمرہ نہیں کر سکتی۔ آپ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' عرض کیا

1 صحیح مسلم: 1211-(115)۔ 2 صحیح مسلم: 1211 (118)

میں نماز کے قابل نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی حرج نہیں۔ آخر تم بھی دیگر بنات آدم کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے مقدر میں وہی چیز لکھی ہے جو دوسری عورتوں کے لیے لکھا ہے۔ تم (عمرہ چھوڑ کر) حج کرتی رہو۔ شاید اللہ تعالیٰ تمھیں عمرہ نصیب کر دے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ہم حج کے لیے روانہ ہوئے حتی کہ جب منیٰ میں آئے تو میں حیض سے پاک ہوگئی، پھر میں منیٰ سے روانہ ہوئی اور (غسل کے بعد) بیت اللہ کا طواف کیا۔[1]

مسند احمد میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور دریافت فرمایا: ... ''کیا تم حائضہ ہوگئی ہو؟'' میں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! اور میرا خیال ہے کہ عورتیں صرف شر کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں بلکہ بنی آدم کی عورتوں کو اس کے ذریعے سے آزمایا گیا ہے۔''[2]

اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تھی کہ اگر کوئی عورت حج کی نیت کرے اور پھر وہ حائضہ ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی کے حل ہو جانے سے ساری امت کی عورتوں کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس طرح کی حالت میں کوئی بھی خاتون بیت اللہ کے طواف کے سوا سارے ارکان مکمل کرے گی اور پھر جب موقع ملے تو بیت اللہ کا طواف کرے گی۔

نبی ﷺ کا ذی طویٰ میں رات گزارنا

رسول اللہ ﷺ سرف سے چلے، پھر ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے۔ آپ ﷺ نے یہاں پڑاؤ ڈالا اور رات کو یہیں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ نے صبح کی نماز بھی یہاں ادا کی اور پھر غسل فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ پہنچے تو ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔[3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈالا۔[4] انھی سے ایک دوسری

[1] صحیح بخاری: 1560 [2] مسند احمد: 86/6 [3] صحیح بخاری: 1545 [4] صحیح بخاری: 1574

روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل فرمایا۔[1] ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب وہ حرم کے قریب ہوتے تو تلبیہ پکارنے سے رک جاتے اور ذی طویٰ میں رات گزارتے۔ وہیں صبح کی نماز پڑھتے، غسل کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔[2]

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بیت اللہ میں دن کے وقت داخل ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ امام و مقتدا تھے۔ آپ ﷺ کے افعال و اعمال لوگوں کے لیے نمونہ تھے، اس لیے صبح کے وقت بیت اللہ میں داخل ہونا لوگوں کے لیے نہایت مفید تھا تاکہ لوگ آپ کے اعمال دیکھ سکیں اور آپ کی اتباع کر سکیں۔[3]

بیت اللہ میں داخلہ



باب بنی شیبہ کا ایک منظر

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے طواف کے لیے نکلے تو سب سے پہلا آپ نے وضو کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ جب مکہ آئے تو سب سے پہلے وضو کیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔[4] وضو کرنے کے بعد آپ ﷺ بیت اللہ میں ثنیہ علیا کی جانب سے جو حجون کی طرف ہے، وہاں چاشت کے وقت داخل ہوئے۔ اس طرف کے دروازے کو آج کل مقبرہ باب المعلاۃ کہا جاتا ہے۔ پھر آپ مسجد الحرام میں باب بنی عبد مناف سے، جسے باب بنی شیبہ یا باب السلام کہا جاتا ہے، داخل ہوئے۔[5]

اس مقام سے نبی ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ تاہم یہ دروازے بعد میں مہدی عباسی کے دورِ خلافت میں بنے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں اس مقام سے داخل ہوئے جسے لوگ آج کل باب بنی شیبہ کہتے ہیں، پھر آپ آگے بڑھے یہاں تک کہ کعبہ کے روبرو کھڑے ہوئے۔ وہاں اللہ کی تعریف کی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے رحمت کی دعا کی۔[6]

بیت اللہ کو دیکھ کر دعا

سنن بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوتے تو بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے، تکبیر بلند کرتے اور یہ دعا فرماتے:

1 جامع الترمذي: 852، 2 صحيح البخاري: 1573، 3 فتح الباري: 3/ [illegible]، 4 صحيح البخاري: 1614، 1615

5 المعجم الأوسط للطبراني: 1/157، 6 مجمع الزوائد ... 5/ 516، 517

[illegible]

[illegible]

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے، سوائے ہمارے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کی عزت و شرف، عظمت و اکرام اور ہیبت میں مزید اضافہ فرما دے اور اس شخص کی عزت و شرف اور تعظیم و تکریم اور نیکوکاری کو بھی چار چاند لگا دے جو اس گھر کا عمرہ یا حج کرے۔''[1]

ایک دوسری جگہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھا تو ہاتھ اٹھا لیے، اس وقت آپ ﷺ کی اونٹنی کی لگام گر گئی، آپ نے لگام بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور دایاں ہاتھ بلند کر دیا۔[2]

حجر اسود کا استلام

پھر رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔ اس موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کا قصد کیا، اس کا استلام کیا اور پھر اپنے مبارک ہونٹ اس کے اوپر رکھ کر بڑی دیر تک روتے رہے، پھر جب آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف التفات فرمایا تو دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اے عمر! یہاں آنسو بہتے ہیں۔''[3]

ہاتھ یا کسی چیز کو حجر کے ساتھ لگانے کو استلام کہتے ہیں جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [illegible] ''بلاشبہ آپ ﷺ حجر اسود اور رکن یمانی کے سوا بیت اللہ کے کسی کونے کو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔''[4] بوسہ صرف حجر اسود ہی کو دیا جائے گا، رکن یمانی کو نہیں۔ رکن یمانی کا صرف ہاتھ کے ذریعے سے استلام ہوگا، وہ بھی اگر ممکن ہو تو ورنہ یونہی گزر جائے گا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں آئے تو انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا: مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نقصان دے سکتا ہے نہ فائدہ۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔[5]

1 السنن الكبرى للبيهقي: 73/5، یہ روایت ضعیف ہے، البتہ بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا تذکرہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوف ملتا ہے۔ (مصنف لابن أبي شيبة: 436/3) اسی طرح مذکورہ بالا دعا کا ذکر عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ملتا ہے کہ وہ [illegible] پڑھا کرتے تھے۔ 2 معرفة السنن والآثار للبيهقي: 49/4، یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 سنن ابن ماجه: 2945، مستدرك الحاكم: 624/1، یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ (إرواء الغليل: 1111) 4 صحيح مسلم: 1267. 5 صحيح البخاري: 1597، صحيح مسلم: 1270.

ابن عمر رضی اللہ عنہ ہاتھ سے حجر اسود کا استلام کرتے، پھر اپنا ہاتھ چوم لیتے اور کہتے: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے، میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب مکہ پہنچے تو آپ حجر اسود کے پاس آئے، اسے ہاتھ سے چھوا۔[2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی چھڑی کے ساتھ حجر اسود کو چھوا اور پھر چھڑی کو بوسہ دیا۔[3] ان روایات کو سامنے رکھیں تو ہمیں نبی ﷺ کی چھ شکلیں معلوم ہوتی ہیں: 1 ابتدائے طواف کے لیے اللہ اکبر کہنا۔ 2 ہاتھ سے حجر اسود کو چھونا۔ 3 ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چومنا۔ 4 چھڑی سے چھو کر چھڑی کو چومنا یعنی جو چیز حجر اسود کو چھوئے اسے چومنا۔ 5 حجر اسود کو براہ راست چومنا۔ 6 دور ہو تو اشارہ کرنا۔

حجر اسود کے استلام کے بعد نبی ﷺ نے پیدل طواف کیا جس میں تین چکر رمل کرتے یعنی تیز تیز چلتے ہوئے مکمل کیے اور چار چکر عام رفتار سے پیدل چلے۔[4] آپ نے ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا۔[5] بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے سواری پر طواف کیا تھا۔[6] اس کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سواری پر جو طواف کیا، وہ طواف افاضہ تھا، طواف قدوم میں آپ سواری پر نہیں تھے کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ نے طواف کے پہلے تین چکروں میں آپ کے رمل کرنے کا ذکر کیا ہے۔[7] جو پیدل طواف ہی میں ہو سکتا ہے۔[8] واللہ اعلم

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[9]

آپ نے اس موقع پر اضطباع کیا یعنی احرام کی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے لے جا کر دایاں کندھا ننگا رکھا۔ آپ جب حجر اسود کے سامنے ہوتے تو ہاتھ سے استلام کرتے، پھر اسے چومتے اور تکبیر بلند کرتے۔[10] یا چھڑی سے استلام کرتے اور تکبیر کہتے، البتہ چھڑی سے استلام اس وقت کرتے جب لوگوں کا رش ہوتا۔[11]

آپ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“[12]

1 صحیح البخاری، 1611، صحیح مسلم، 1268. 2 صحیح مسلم: 1218. 3 صحیح مسلم: 1275. 4 صحیح البخاری: 1604، صحیح مسلم: 1218. 5 سنن النسائی: 2950. 6 صحیح البخاری: 1632. 7 صحیح مسلم: 1218. 8 زاد المعاد: 2/229، 230. 9 البدایة والنهایة: 5/141، 142. 10 سنن ابی داود: 1889. 11 مسند احمد: 7/371. 12 صحیح البخاری، سنن ابی داود: 1892.

اپنے سر پر بھی ڈالا۔ پھر آپ واپس حجر اسود کی طرف آئے اور اس کا استلام کیا۔ اس کے بعد آپ حجر اسود کی طرف والے دروازے سے صفا پہاڑی کی طرف بڑھے۔[1] جب آپ ﷺ صفا کے قریب ہوئے تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ [illegible] ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: [illegible] ''میں بھی وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ نے ابتدا کی ہے۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے صفا پہاڑی سے ابتدا کی اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کو دیکھ لیا۔ پھر آپ قبلہ رو ہوئے اور آپ نے تین بار اللہ اکبر کہا، پھر ان مقدس الفاظ میں اللہ کی توحید اور بڑائی بیان کی۔

[illegible]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ اکیلے کے سوا کوئی الٰہ نہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی نے سارے لشکروں کو شکست دی۔''

یہ مقدس جملے آپ نے تین مرتبہ کہے اور ان کے درمیان دعا بھی مانگی، پھر آپ پہاڑی سے اترے اور مروہ کی طرف چل دیے۔ جب آپ کے قدم مبارک وادی کے درمیان میں پڑے تو آپ نے سعی فرمائی، یعنی تیز تیز چلے اور اپنے صحابہ کو بھی تاکید فرمائی: [illegible] ''وادی کو دوڑے بغیر عبور نہ کرو۔''[2] آپ ﷺ نے مزید فرمایا: [illegible] ''(صفا و مروہ کے درمیان) سعی کرو، بلاشبہ اللہ نے تم پر صفا و مروہ کے درمیان سعی کو فرض قرار دیا ہے۔''[3]

پھر جب آپ ﷺ مروہ پر چڑھنے لگے تو عام رفتار سے چلے حتی کہ مروہ پر پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھ لیا۔ پھر آپ نے وہاں بھی وہی عمل کیا جو صفا پہاڑی پر کیا تھا۔[4]

مسند احمد میں سیدہ حبیبہ بنت ابی تجراۃ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا اور مروہ کے درمیان دیکھا، لوگ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ ﷺ تیز تیز چل رہے

1 [illegible] 394/3. 2 [illegible] 2983. 3 [illegible] 421/6. 4 صحیح مسلم 1218، صحیح [illegible] 394، [illegible] 320/3، مسند الطیالسی 1773.

تھے یہاں تک کہ میں نے آپ کے تیز چلنے اور چادر کے ازنے کی وجہ سے آپ کے مبارک گھٹنوں کو دیکھا۔[1]

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صفا و مروہ کی سعی پیدل کی تھی جبکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے چکر سواری پر لگائے تھے۔[2] اسی طرح قدامہ بن عبداللہ بن عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کی سعی کرتے دیکھا، آپ اونٹ پر سوار تھے۔ اس موقع پر رستے میں نہ کوئی مار دھاڑ تھی، نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔[3]

ان دونوں قسم کی روایات میں جمع و تطبیق کے لیے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان کافی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ سیدنا ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا صفا و مروہ کے درمیان سواری پر طواف کرنا سنت ہے کیونکہ آپ کی قوم اسے سنت کہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ میری قوم کے لوگوں نے صحیح بھی کہا اور غلط بھی۔ میں نے پوچھا: اس بات کا کیا مطلب کہ انھوں نے صحیح بھی کہا اور غلط بھی؟ وہ کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا جمگھٹا ہو گیا تھا۔ سب لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ ہیں محمد ﷺ، یہ ہیں محمد ﷺ، حتی کہ نوجوان عورتیں بھی آپ کی زیارت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سے لوگوں کو ہٹانے کے لیے مارا پیٹا نہیں جاتا تھا۔ جب آپ کے رستے پر لوگوں کا ہجوم ہو گیا تو آپ سوار ہو گئے۔[4]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی جمع کی اس صورت کو عمدہ ترین قرار دیا ہے کہ آپ نے ابتدا میں پیدل سعی کی، پھر بعد میں سوار ہو کر سعی مکمل کی۔[5]

حج کی نیت کو تبدیل کرنا

جب رسول اللہ ﷺ نے صفا و مروہ کے سات چکر مکمل کر لیے تو اس وقت آپ مروہ پر تھے۔ آپ نے ان صحابہ کو جو قربانی ساتھ نہیں لائے تھے، حکم دیا، ہر چند وہ قارن ہوں یا مفرد ہوں، کہ وہ حج کے بجائے عمرے کی نیت کریں اور احرام کھول دیں۔ صحابہ کہنے لگے: ہم اسے کیسے تمتع بنائیں (عمرے میں تبدیل کریں) جبکہ ہم نے حج کا احرام باندھ رکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”میں تمھیں جس طرح حکم دیتا ہوں، اسی طرح کرو۔“[6]

1 مسند احمد: 421/6، یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 صحیح مسلم: 1273. 3 السنن الکبریٰ للبیہقی: 5/ 1675، شرح السنۃ للبغوی: 1922. 4 صحیح مسلم: 1264. 5 زاد المعاد: 229,228/2. 6 صحیح بخاری: 1568، صحیح مسلم: 1216

ایک دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ پوچھنے لگے: ہم کس طرح حلال ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مکمل طور پر، ہر قسم کا حلال ہونا۔"

نبی ﷺ کے اس فرمان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرح صدر نہ ہوا اور یہ امر ان پر گراں گزرا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی منیٰ کی طرف جا رہا ہوگا اور اس کے ذکر (عضو خاص) سے منی کے قطرے گر رہے ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں سب چیزیں حلال ہوں گی۔"[1] پھر رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ آپ بڑے غصے میں تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو کس نے غصہ دلا دیا؟ اللہ اسے آگ میں داخل کرے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں لوگوں کو ایک حکم دیتا ہوں اور وہ اس میں تردد کرتے ہیں۔"[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تردد کی وجہ

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تردد کا سبب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حج کے بعد عمرہ کرنے کے لیے اتنا وقفہ ہونا چاہیے کہ حج پر اونٹوں کو لگائے گئے زخم مندمل ہو جائیں، زخموں کے نشان مٹ جائیں، ان پر اون آ جائے اور صفر کا مہینہ گزر جائے۔[3] یاد رہے کہ یہ تردد غالب نو مسلم صحابہ کرام کو ہوا تھا ورنہ آپ کے ساتھ صحابہ نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو حج کا احرام عمرے میں تبدیل کرنے کا حکم دیا تو اس کا مقصد دور جاہلیت میں رائج فاسد اعتقاد کی تردید کرنا تھا۔

اس تردد کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے حج کو عمرے میں تبدیل کر کے حلال ہو جانے کو زہد و تقویٰ کے منافی سمجھا۔ حج میں دو قسم کی حلت تھی۔ ایک حلت صغریٰ جس میں دسویں تاریخ کو رمی کرنے کے بعد آدمی محدود پیمانے پر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا تھا یعنی بیوی سے جماع کے سوا اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ دوسری حلت کبریٰ جو طواف افاضہ کے بعد حاصل ہوتی تھی۔ اس میں بیوی سے جماع کی پابندی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج کا احرام کالعدم کر کے عمرے کا احرام باندھنے کا حکم دیا تو انھوں نے سوال

[1] صحیح البخاری، 3832، صحیح مسلم، 1213، مسند احمد: 28/2 [2] صحیح مسلم، 1211. [3] صحیح البخاری، 1560.

کیا کہ عمرے سے فراغت کے بعد کس قسم کی حلت ہوگی؟ آپ ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ فراغت کے بعد تمھارے لیے ہر چیز حلال ہو جائے گی کہ تم اپنی بیویوں سے جماع بھی کر سکو گے۔ چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے مانوس نہ تھے، اس لیے انھیں وقتی طور پر یہ بات گراں گزری۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ امت محمدیہ پر آسانی کرنا چاہتا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ یہ امر لازم ہے تاکہ لوگوں کے دل بھی اس سے مانوس ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا خطبہ

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ تمھیں معلوم ہے کہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ سچا اور نیکوکار ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح حلال ہو جاتا (احرام اتار دیتا) جس طرح تم حلال ہوئے ہو۔ جس بات کا مجھے اب علم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا، لہٰذا تم احرام کھول دو۔"[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوقِ اطاعت

نبی اکرم ﷺ کے خطبے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اطاعت کی۔ وہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم اور اصحابِ ثروت کے ہمراہ چونکہ قربانیاں تھیں، اس لیے وہ بدستور احرام کی حالت میں رہے۔ اسی طرح تمام عورتیں بھی احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئیں سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کیونکہ انھوں نے طواف نہیں کیا تھا اور وہ حیض کی وجہ سے ابھی حالتِ احرام میں تھیں۔[2]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں سے تھیں جو احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئیں۔ انھوں نے رنگین کپڑے پہن لیے اور سرمہ بھی لگایا۔[3] ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب تمام صحابیات کو احرام کی پابندیوں سے آزاد

[1] صحیح البخاري: 1651، صحیح مسلم: 1216۔ [2] صحیح مسلم: 1239، 1211(120،121)، صحیح سنن ... للألباني: 2429۔ [3] صحیح مسلم: 1218

دیکھا تو وہ بڑی متعجب ہوئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلال ہو گئے ہیں اور آپ حلال نہیں ہوئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میں نے سر کے بال جما لیے ہیں اور قربانی کے جانور میرے ساتھ ہیں، میں اس وقت تک حلال نہیں ہوں گا جب تک میں قربانی کے اونٹ نحر نہ کر لوں۔''[1]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم احرام باندھ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ساتھ قربانی ہے، وہ اپنے احرام پر قائم رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں، وہ (عمرے کے بعد) احرام کھول دے۔'' میرے ساتھ قربانی نہیں تھی، میں نے احرام کھول دیا اور (میرے شوہر) زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی تھی، انھوں نے نہیں کھولا۔[2] سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ کا خطبہ سننے کے بعد ہم اپنی اپنی عورتوں کے پاس بھی گئے، کپڑے بھی زیب تن کر لیے اور خوشبو بھی لگائی۔[3]

سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا استفسار

رسول اللہ ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے اور آپ سے حج کو عمرے کی نیت میں تبدیل کرنے کا حکم سننے کے بعد سیدنا سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں عمرہ بنانے کا حکم صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر کے تین مرتبہ فرمایا:

[illegible]

''بلکہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔ عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔''[4]

اس لیے جو ہدی ساتھ نہ لائے، اسے تمتع ہی کرنا چاہیے۔

حج قران افضل ہے یا حج تمتع؟

حج کی تین قسمیں ہیں: حج تمتع، حج قران اور حج مفرد۔ حج تمتع سے مراد حج کے مہینوں میں میقات سے عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، پھر عمرہ کر کے احرام کھول دینا اور غیر محرم ہی رہنا حتی کہ آٹھ ذوالحجہ کو حج کے لیے

1 صحیح البخاري، 1566۔ 2 صحیح مسلم، 1236۔ 3 صحیح مسلم، 1213۔ 4 صحیح البخاري، 7230، وصحیح مسلم، 1216، 3207/3۔

احرام باندھنا جیسا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں اور پھر صحابہ نے آٹھ ذوالحجہ کو اپنی اپنی قیام گاہوں سے حج کے لیے احرام باندھا۔ آپ ﷺ نے بھی یہی خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں حلال ہو جاتا (احرام اتار دیتا)۔ اس میں بھی قربانی کرنا لازم ہے۔

حج قران سے مراد حج اور عمرے کا احرام باندھنے کے بعد مکہ پہنچ کر عمرہ کرنا اور سعی کرنے کے بعد احرام نہ کھولنا بلکہ حالت احرام ہی میں رہنا اور حج بھی اسی احرام سے مکمل کرنا، البتہ احرام کی چادریں دھوئی اور تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ اس میں قربانی ساتھ لاتے ہیں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک تھا۔ آپ نے اسی احرام سے حج مکمل کیا جس احرام کے ساتھ آپ ﷺ نے عمرہ کیا تھا۔ حج قران کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

حج مفرد یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کے لیے احرام باندھنا اور تمام مناسک حج ادا کرنا۔ اس میں قربانی واجب نہیں ہے۔

ان تینوں میں کون سا حج افضل ہے؟ دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حج تمتع افضل ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر مجھے اپنے معاملے کا پہلے علم ہوتا جس کا علم مجھے بعد میں ہوا ہے تو میں قربانی نہ لے کر آتا بلکہ اسے عمرہ بنا لیتا۔''[1] ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ افضل عمل ہی کی تمنا کر سکتے ہیں اور پھر آپ نے صحابہ کو زور دے کر تمتع کا حکم دیا۔ اس میں سہولت بھی زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قیام

صفا و مروہ کی سعی اور خطاب نبوی کے بعد جب ان صحابہ نے احرام کھول دیا تو آپ ﷺ مکہ کے بالائی علاقے ابطح میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ہجرت نبوی سے پہلے جنوں سے آپ ﷺ کا مکالمہ ہوا تھا اور جن ایمان لے آئے تھے۔ یہ مقام حجون کے قریب ہے۔ یہاں آپ نے بقیہ ایام اتوار، پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کی صبح کی نماز کے بعد تک قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران آپ نے وہیں تمام نمازوں کی امامت فرمائی۔ اس دوران میں آپ ایک مرتبہ بھی بیت اللہ کے طواف کے لیے نہیں آئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مکہ پہنچے، طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی۔ آپ طواف کے بعد کعبہ کے پاس دوبارہ ایک مرتبہ بھی نہیں گئے یہاں تک کہ عرفات سے واپس آنے کے بعد طواف افاضہ کیا۔[2]

[1] صحیح مسلم: 1218۔ [2] صحیح بخاری: 1625

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شاید اس وجہ سے نفلی طواف نہیں کیا مبادا لوگ اسے واجب سمجھ لیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے نہایت سہولت پسند تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حج سے پہلے حاجی نفلی طواف نہ کرے، حج کے بعد جو لوگ دور سے آئے ہوں، ان کے لیے نفلی نماز سے زیادہ بیت اللہ کا طواف کرنا افضل ہے۔[1]

قصر نماز کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ یوم الترویہ تک ابطح میں قیام پذیر رہے۔ آپ نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ کی اقتدا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز قصر ادا کرتے رہے۔ آپ ﷺ کا وہاں اتوار، پیر، منگل اور بدھ تک قیام رہا۔ جمعرات کو چاشت کا وقت ہوا تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔[2] صحیحین میں سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ

بطحاء (مکہ مکرمہ)



سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے وہاں وضو کیا اور ظہر کی نماز دو رکعت ادا کیں۔ بعد ازاں عصر کی دو رکعت ادا کیں۔ دوران نماز آپ کے سامنے نیزہ بطور سترہ لگا ہوا تھا۔ اس سترے کے آگے سے گدھا اور عورت بھی گزر رہی تھی۔ پھر نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ چھونے لگے اور آپ کے دست مبارک کو اپنے چہروں پر لگاتے رہے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ پکڑا اور اپنے چہرے پر پھیر لیا۔ آپ ﷺ کا ہاتھ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن سے تشریف آوری

جب رسول اللہ ﷺ بطحاء میں تشریف فرما تھے تو اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا تھا،

[1] فتح الباری: 615/3، [2] زاد المعاد: 232/2، 233، [3] صحیح البخاری: 501، 3553، وصحیح مسلم: 503

حج کے لیے تشریف لے آئے۔ وہ آپ ﷺ کے لیے ہدی کے جانور لے کر آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے احرام کے بجائے رنگین کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہیں اور آنکھوں میں سرمہ بھی لگا رکھا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ کو ڈانٹا کہ تمھیں یہ کس نے کہا ہے کہ احرام کھولو؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: مجھے اس کا حکم میرے والد، نبی ﷺ نے دیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچی بات کی ہے، ٹھیک بات کی ہے، درست کہا ہے۔ اسے میں نے ہی حکم دیا تھا کہ احرام کھول دو۔''

اس کے بعد آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم نے جب حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ! میں بھی اسی منسک کے لیے تلبیہ پکارتا ہوں جس کے لیے تیرے نبی ﷺ نے تلبیہ پکارا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میرے ساتھ تو قربانی ہے، تم بھی عمرے کے بعد احرام مت کھولنا۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جو جانور سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے اور جو نبی ﷺ ساتھ لے کر آئے تھے، ان کی مجموعی تعداد ایک سو تھی۔[1] ایک دوسری روایت میں علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے یہ حکم دیا:

''جاؤ بیت اللہ کا طواف کرو اور جس طرح تمھارے ساتھی حلال ہوگئے ہیں، تم بھی حلال ہو جاؤ۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے وہی نیت کی ہے جو آپ نے کی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

''کیا تمھارے ساتھ قربانی ہے؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس طرح تم (بحالت احرام) ہو، اسی طرح رہو اور تمھارے لیے میری طرف سے میرے ہدی کے

1 صحیح مسلم: 1218، مسند احمد: 320/3

جانوروں کا ایک تہائی حصہ ہے۔"

یوں رسول اللہ ﷺ نے اپنی قربانیوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کر لیا۔[1] اس روایت میں یہ بیان ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ میرے ہمراہ قربانی نہیں ہے جبکہ پچھلی روایت میں قربانی لانے کا ذکر ہے تو ہو سکتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ یہ قربانیاں خاص نبی اکرم ﷺ کے لیے لائے ہوں، اپنے لیے نہیں، پھر بعد میں آپ نے انھیں اپنی قربانی میں شریک کر لیا یا یہ بھی ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ہدی کی نفی اس لیے کی کہ وہاں کے پہنچنے کے بعد تاخیر سے آئی تھیں جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ وہ خود یمن سے جلدی روانہ ہو کر مکہ آ گئے تھے اور انھوں نے پیچھے لشکر پر اپنے ایک ساتھی کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا جو ان کے بعد مکہ آیا تھا۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم نے کس نیت سے احرام باندھ رکھا ہے؟" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جس نیت سے نبی ﷺ نے احرام باندھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کو حکم دیا: "پھر تم (یوم نحر کو) قربانی کر لینا اور جس حالت میں اس وقت ہو، اسی حالت میں محرم رہو۔"[3]

یمن سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آمد

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی یمن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطحاء پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "تم نے کس نیت سے احرام باندھا ہے؟" ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: جس نیت سے نبی ﷺ نے احرام باندھا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تمھارے ساتھ ہدی ہے؟" میں نے عرض کی: نہیں۔ پھر میں نے آپ کے حکم کے مطابق بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی، پھر آپ نے احرام کھول دینے کا حکم دیا تو میں نے احرام کھول دیا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر والوں میں سے ایک عورت کے پاس آیا۔ اس نے میرے بالوں میں کنگھی کی یا میرا سر دھویا۔[4]

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ مبہم احرام باندھا جا سکتا ہے جیسا کہ سیدنا علی اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نے اس کا احرام باندھا تھا۔ لیکن یہ اس وقت تک تھا جب تک دین کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور آپ ﷺ حیات تھے۔ اب دین مکمل ہو چکا ہے اور ارشاد باری ہے: "حج اور عمرے کو اللہ

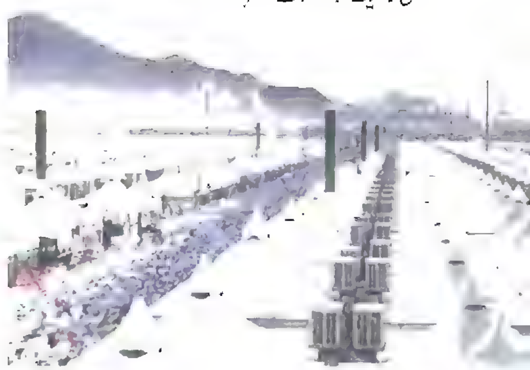
1 [illegible] 253/1، السيرة [illegible] 2 [illegible] 669,668/2 3 صحيح البخاري [illegible] 60،552/4، 1558 4 صحيح البخاري 1559

کے لیے مکمل کرو۔"[1] لہٰذا اب ایسا نہیں کیا جا سکتا۔[2]

یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ)

پھر جب یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کا دن آیا تو جمعرات کی صبح سورج بلند ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ منیٰ کی طرف چلے۔ جن صحابہ نے احرام کھول دیے تھے، انھوں نے احرام باندھ کر حج کی نیت کر لی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ منیٰ پہنچے تو آپ نے وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قصر ادا کیں اور رات منیٰ ہی میں گزاری۔ یہ جمعے کی رات تھی۔ پھر آپ نے صبح کی نماز ادا کی اور وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔[3]

منیٰ کا ایک خوبصورت منظر



سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ آئے تو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ تک ہم نے احرام کھولے رکھا۔ پھر جب ہم نے مکہ کو پیچھے چھوڑ دیا تو حج کا تلبیہ کہنا شروع کیا۔ ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے وادی بطحی، اور ایک روایت میں ہے کہ ابطح، یعنی مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا تھا۔[4] اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا تھا کیونکہ یہ تمتع کرنے والے حجاج تھے اور وادی بطحاء سے حج کا احرام باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ حج تمتع کرنے والا حاجی جب میقات عبور کر لیتا ہے تو وہ جہاں بھی قیام پذیر ہوگا، وہیں سے حج کا احرام باندھ لے گا۔ یہ احرام آٹھ ذی الحجہ کے دن باندھنا ہے کیونکہ اس تاریخ سے حج کے اعمال شروع ہوتے اور لوگ منیٰ روانہ ہوتے ہیں۔ مکہ کے رہائشی کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی اپنی جائے قیام ہی سے احرام باندھے۔

یوم الترویہ کی نمازیں

عبدالعزیز بن رفیع نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ مجھے ان امور سے متعلق بتائیں گے جو آپ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اچھی طرح یاد ہوں؟ آپ نے آٹھ ذی الحجہ کو ظہر اور عصر کی نمازیں کہاں پڑھی تھیں؟ انھوں نے کہا: یہ نمازیں منیٰ میں پڑھی تھیں۔ میں نے پوچھا: کوچ کے دن آپ نے عصر کی نماز کہاں

1 البقرة 2:196. 2 فتح الباری 3/525. 3 صحیح مسلم، 1218. 4 صحیح البخاری، الحج، باب 82، قبل الحدیث 1653.

پڑھی تھی؟ انھوں نے کہا: وادی ابطح میں۔[1] واقدی نے عمرو بن حزم شمری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ترویہ سے ایک دن قبل ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، پھر آپ زوال کے بعد عرفہ کے دن ظہر سے قبل اپنی سواری پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ بعدازاں آپ ﷺ یوم النحر کو منیٰ میں ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

چنانچہ (یوم ترویہ سے ایک روز قبل) آپ ﷺ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوئے اور لوگوں کو نصیحت کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «من استطاع منكم أن يصلي الظهر بمنى فليفعل» ''تم میں سے جو یہ طاقت رکھے کہ وہ ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھ سکے تو وہ ضرور ایسا کرے۔''[2]

مسند احمد میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منیٰ میں پانچوں نمازیں پڑھیں۔[3] سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم میں روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ حج میں سنت یہ ہے کہ امام ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز منیٰ میں پڑھائے۔[4]

رسول اللہ ﷺ جتنی دیر منیٰ میں قیام فرما رہے، اتنی دیر تک نمازیں قصر کرتے رہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ابتدائی دور خلافت میں دو دو رکعت پڑھنے کا اہتمام کیا۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں نماز قصر پڑھی، کیا یہ قصر سفر کی وجہ سے تھی یا کہ حج کے مناسک کی وجہ سے؟ اگر یہ مناسک حج کی وجہ سے ہے تو پھر اہل مکہ اور منیٰ کے آس پاس رہنے والے دیگر حجاج کو بھی قصر پڑھنی پڑھے گی اور اگر یہ سفر کی وجہ سے ہے تو پھر اہل مکہ مکمل نماز پڑھیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع پر حجاج کرام میں اہل مکہ بھی شامل تھے اور دیگر علاقوں سے بھی حجاج آئے تھے۔ حجۃ الوداع کے ضمن میں اس بات کا تذکرہ تو ملتا ہے کہ آپ نے نماز قصر پڑھی لیکن کسی صحابی نے نماز مکمل کی ہو، اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے چھٹے سال منیٰ میں پوری نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی تھی: لوگو! قصر کرنا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے لیکن دیہاتی لوگ بکثرت ہیں، مجھے اندیشہ ہے مبادا وہ دو کو نماز کو ہمیشہ کے لیے سمجھ لیں۔[6] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اندیشہ درست تھا کیونکہ ایک دیہاتی نے منیٰ میں انھیں برسرعام پکار کر کہا: امیر المومنین

[1] صحیح البخاری: 1653، [2] المعجم الكبير للطبراني: 461/2، [3] مسند أحمد: 296/1، [4] المستدرك للحاكم: 1738
[5] صحيح البخاري: 1655، [6] السنن الكبرى للبيهقي: 144/3

جب سے میں نے آپ کو دوگانہ پڑھتے دیکھا ہے، میں اس وقت سے دوگانہ پڑھ رہا ہوں۔[1] کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں اختلاف کیا جن میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے منٰی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی دو ہی رکعتیں ادا کیں، پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں، پھر تمھارے طریقے مختلف ہوگئے۔ کاش! چار رکعات کے بجائے مجھے ایسی دو رکعتیں ہی نصیب ہو جائیں جنھیں اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل ہو۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ سائل نے ان سے کہا: آپ ان کی اقتدا میں چار رکعات کیوں ادا کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ فتنے اور اختلاف سے بچنے کی خاطر ایسا کرتا ہوں، مبادا میری وجہ سے کوئی فساد پیدا ہو جائے۔[3] اس کے باوجود وہ ڈرتے تھے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے شاید یہ عمل اللہ کے ہاں قبول نہ ہو، اس لیے وہ کہتے تھے: کاش! ان چار رکعات میں سے میری دو ہی رکعتیں قبول ہو جائیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا عمل اللہ کے حوالے کر دیا کیونکہ ان کو غیب کی اطلاع نہ تھی، اس لیے یہی تمنا کی کہ کاش! اللہ تعالیٰ میری ان چار رکعات میں سے دو رکعت ہی قبول فرمالے۔[4]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک منٰی میں نماز قصر ادا کرنا مناسک حج میں سے ہے، اس لیے منٰی، عرفات اور مزدلفہ میں حج کے دوران میں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی۔ ظہر، عصر اور عشا قصر اور نماز فجر اور نماز مغرب پوری ادا ہوگی۔ تاہم مغرب کی سنتیں ادا نہیں کی جائیں گی۔ سیدنا حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں دو رکعتیں پڑھائیں جبکہ اس وقت ہم اس قدر کثیر تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے اتنی تعداد میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ مزید برآں جس قدر مستحکم امن ہمیں اس وقت نصیب ہوا تھا، اس سے پہلے کبھی میسر نہیں آیا تھا۔[5] امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اہل مکہ کے لیے ایام حج میں نماز قصر ہی ثابت کی ہے کیونکہ سیدنا حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ کے رہائشی تھے۔[6]

میدان عرفات میں

نو ذی الحجہ کو جب سورج طلوع ہوا تو عرفہ کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات کی طرف چلے۔ آپ نے حکم دیا کہ

1 فتح الباري 737/2، 2 صحیح البخاري 1084، 1657، 3 دیکھیے السنن الکبرٰی للبیہقی 144/3، 4 فتح الباري 643/3، 5 صحیح البخاري 1656، 6 سنن أبي داود 1965

آپ کے لیے وادئ نمرہ میں بالوں سے تیار شدہ خیمہ لگایا جائے۔ قریش کو یہ یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے والے نوفل بن معاویہ الدیلی رضی اللہ عنہ نے آپ سے گزارش کی کہ آپ کی قوم کا یہ خیال ہے کہ آپ مزدلفہ ہی میں رہیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا: [illegible] ''میں نبوت سے پہلے بھی ان کی مخالفت کرتے ہوئے عرفات میں وقوف کیا کرتا تھا۔''[1]

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرفہ کے دن ایک اونٹ کھو دیا۔ میں عرفہ ہی کے دن اسے تلاش کرنے نکلا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ عرفات میں کھڑے ہیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! محمد ﷺ تو اہل حمس میں سے ہیں، بھلا آپ کا یہاں کیا کام؟ کیونکہ قریش حمس میں شمار ہوتے تھے۔[2]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: قریش میں سے شیبہ بن ربیعہ نے عرفہ میں قیام کیا۔ اس نے دو سیاہ چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ اس کے اونٹ کی لگام سیاہ بالوں کی تھی۔ وہ عرفہ میں لوگوں کے ساتھ ٹھہرتا اور ان کے ساتھ عرفات سے نکلتا۔ ہم لوگ عام عرب لوگوں سے کلام نہیں کرتے تھے۔ قریش مزدلفہ میں رہتے اور کہتے: ہم اللہ والے ہیں۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: قریش اور ان کے دین پر چلنے والے لوگ مزدلفہ ہی میں ٹھہر جایا کرتے تھے اور انھیں حمس کا نام دیا جاتا تھا۔ باقی تمام عرب عرفہ میں جا کر ٹھہرتے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ عرفات تک آئیں۔ وہاں وقوف فرمائیں اور پھر وہاں سے لوٹیں۔ اس بارے میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ (البقرة 2:199)

''پھر وہاں سے لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹیں۔''[4]

1 ... 481/2 2 صحیح مسلم 1220. 3 المغازي للواقدي 482/2 4 صحیح مسلم 1219

میدان عرفات



[illegible]

’’تمھارے خون اور تمھارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمھارے اس مہینے میں، تمھارے اس شہر میں آج کا دن حرام ہے۔ آگاہ رہو کہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے۔ میں زمانہ جاہلیت کے خون معاف کرتا ہوں۔ ہمارے جو خون بہائے گئے، ان میں سے سب سے پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون ہے جو بنو سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور ہذیل نے بنو سعد سے جنگ کے دوران میں اسے قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کا سود بھی (میرے قدموں تلے) پامال ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سارا سود معاف کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے اور اللہ ہی کے حکم سے ان کی شرم گاہوں کو حلال سمجھا ہے۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر ایسے آدمی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار نہیں جو نشان چھوڑ جائے۔ اسی طرح عورتوں کا بھی تم پر حق ہے کہ تم انھیں حسب توفیق کھانا پینا اور لباس فراہم کرو۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟‘‘ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی، اپنا فرض ادا کر

دیا اور آپ نے خیر خواہی کی ہے اور نصیحت فرمائی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔“[1]

جامع ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

[illegible]

”اے لوگو! میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے انھیں مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔“[2]



مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان

1 صحیح مسلم 1218، بریکٹوں کے الفاظ سنن أبی داود 1905 کے ہیں۔ 2 جامع الترمذی 3786

کی، پھر فرمایا: ''اما بعد! مشرکین یہاں سے غروب شمس کے وقت کوچ کیا کرتے تھے جب سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انسانوں کے سروں پر پگڑیاں ہوں۔ ہمارا طریقہ ان سے مختلف ہے۔ اسی طرح وہ مشعر حرام سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح لگتا تھا جیسے انسانوں کے سروں پر پگڑیاں ہوں۔ لیکن ہمارا طریقہ ان کے طریقے سے الگ ہے۔''[1]

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

[illegible]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں کسی قسم کی وصیت جائز نہیں۔ بچہ بستر والے کا شمار ہوگا اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کی یا اپنے آزاد کرنے والے کے بجائے کسی اور کو اپنا آزادی دہندہ مانا تو اس پر قیامت کے دن تک اللہ کی لعنت ہوگی۔ سن لو! کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ بھی خرچ نہ کرے۔'' آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کھانا بھی خرچ نہیں کر سکتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی (کھانا) تو ہمارا افضل ترین مال ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''ادھار کی ہوئی چیز کو واپس کرنا لازم ہے۔ دودھ کا جانور بھی واپس کرنا ضروری ہے۔ قرضے کی ادائیگی از حد ضروری ہے اور ضامن کو چٹی ادا کرنا پڑے گی۔''[2]

حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں خطبے کے متن کا ایک اضافی حصہ یہ ہے:

[illegible]

1 السنن الکبریٰ للبیہقی: 5/125. 2 جامع الترمذی: 2120، [illegible] کے الفاظ سنن ابی داود: 3565 اور مسند احمد: 5/267 کے ہیں۔

[illegible]

''پھر آپ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''صدقہ (کیا) کرو، ہو سکتا ہے کہ آج کے بعد تم مجھے نہ دیکھ پاؤ۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل یمن کے لیے ''یلملم'' کو میقات مقرر کیا کہ وہاں سے احرام باندھیں۔ اہل عراق کے لیے ذات عرق مقرر فرمایا۔''[1]

ام حصین رضی اللہ عنہا کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی جملے یہ ہیں:

[illegible]

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، سنو اور اطاعت کرو، چاہے کسی نکٹے حبشی غلام ہی کو تمھارا امیر مقرر کر دیا جائے۔ یہ (اطاعت) اس وقت تک ہے جب تک وہ تم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نافذ کرے۔''[2]

زید بن خطاب کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''اپنے ماتحت غلاموں کا خاص خیال رکھنا۔ انھیں وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو اور اگر وہ کوئی ایسا گناہ (جرم یا غلطی) کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو سزا دینے کے بجائے انھیں بیچ ڈالو۔''[3]

عبداللہ بن ابی نجیح کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''اے لوگو! عقل و شعور سے کام لو اور میری بات سنو۔ بے شک میں نے ساری بات پہنچا دی ہے اور تم میں ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم انھیں مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ اچھی طرح جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔''[4]

1 المعجم الكبير للطبراني: 261/3، رقم 3351، مجمع الزوائد 268/3. 2 مسند أحمد 402/6، صحيح مسلم: 1706. 3 مسند أحمد 35/4، الطبقات لابن سعد: 185/2. 4 تاريخ الطبري 93/2، السيرة لابن هشام 251/1، 252.

رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں

جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما چکے تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں، پھر تکبیر کہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر اقامت کہی گئی اور آپ نے عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے ظہر و عصر کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔[1] سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حجاج بن یوسف جس سال سیدنا عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے مکہ آیا تو اس نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ آپ عرفہ کے دن وقوف میں کیا کرتے ہیں؟ سالم رحمہ اللہ نے کہا: اگر تو سنت کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہر کے وقت جلدی پڑھنا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے، یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کے مطابق ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرتے تھے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حج کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے کہ امام زوال آفتاب کے بعد خطبہ دے گا اور خطبے سے فراغت کے بعد ظہر اور عصر جمع کر کے ادا کرے گا۔[3] نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر عرفہ کے دن امام کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکتے تو اپنے خیمے میں واپس آ کر دونوں نمازوں ظہر اور عصر کو جمع کر کے ادا کرتے تھے۔[4] ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے چاہے وہ جماعت کے ساتھ ہوتے یا علیحدہ علیحدہ۔ اور نمازیں جمع کرنا مناسک حج میں سے ہے۔ البتہ جو اس موقف کے قائل ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر کی وجہ سے نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھیں، ان کا یہ موقف درست نہیں۔

عرفہ سارے کا سارا ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ وادی عرنہ سے اٹھ کر عرفات میں قیام کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”عرفات سارے کا سارا ٹھہرنے کا مقام ہے۔ عرنہ کے میدان سے اٹھ جاؤ۔“[5]

اور پھر آپ ﷺ نے سب کو آگاہ فرمایا کہ عرفہ سارے کا سارا جائے قیام ہے، صرف میری جائے قیام ہی خاص موقف نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”میں یہاں ٹھہرا ہوں اور سارا

1 صحیح مسلم: 1218. 2 صحیح البخاري، 1662. 3 فتح الباري 648/3. 4 صحیح البخاري قبل حدیث 1662، فتح الباري 648/3. 5 [illegible] 82/4.

عرفہ موقف ہے۔''[1]

آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ایک نمائندہ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو عرفات جانے کے لیے اٹھائے۔ سیدنا یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس عرفات میں ابن مربع انصاری تشریف لائے، ہم عرفات میں ایک جگہ پر تھے۔ وہ کہنے لگے: میں رسول اللہ ﷺ کا نمائندہ ہوں اور تمھیں پیغام دینے آیا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

[illegible]

''تم عرفات میں جہاں بیٹھے ہوئے ہو، بیٹھے رہو کیونکہ تم اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر قائم ہو۔''[2]

نبی اکرم ﷺ نے دعا کے دوران میں ہاتھ بلند کیے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرفہ کے روز رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے بارگاہ الٰہی میں اس طرح اپنے دونوں ہاتھ سینے تک بلند کر رکھے تھے جس طرح کوئی مسکین کھانا مانگتا ہے۔[3] سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عرفات میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند کیے، آپ کی سواری جھک گئی اور اس کی لگام گر گئی تو آپ نے ایک ہاتھ میں لگام تھام لی اور اپنا دوسرا دست مبارک بلند رکھا۔[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ ﷺ عرفہ کے میدان میں سواری پر ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے تو آپ کے ہاتھ سے اونٹنی کی لگام گر گئی۔ آپ ﷺ نے ایک انگلی میں لگام کو پکڑ لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: حضور ﷺ کی اس قدر گریہ زاری اور خشوع وخضوع۔[5] اس وقت نبی ﷺ نے بڑی التجا اور گریہ زاری کی۔ آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف و تقدیس، حمد و ثنا بزرگی بیان کرنے میں بڑا وقت لگایا اور خوب خشوع وخضوع کا اظہار فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دلائی اور انھیں اس کی فضیلت سے بھی آگاہ فرمایا۔ امام ابوداود اپنی مراسیل میں سلیمان بن موسیٰ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے تین مواقع کے علاوہ کبھی اس قدر ہاتھ بلند کیے ہوں، ایک نماز استسقاء کے وقت، دوسرا موقع جب آپ مدد طلب کرتے تھے اور تیسرا موقع عرفہ کے آخری پہر۔ آپ ان موقعوں پر ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے۔[6]

یوم عرفہ کی خاص دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 صحیح مسلم: (149) 1218 2 جامع الترمذی: 883، سنن ابن ماجہ: 3011، سنن النسائی: 3014. 3 السنن الکبریٰ للبیہقی: 117/5، المعجم الاوسط للطبرانی: 2892. 4 سنن النسائی: 3011، مسند احمد: 209/5.
5 المعجم الاوسط للطبرانی: 5141. 6 المراسیل لأبی [illegible]: 148.

[illegible]

"سب سے بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے اور سب سے بہتر کلمات وہ ہیں جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہے: [illegible]"[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عرفہ کی سہ پہر رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ یہ دعا مانگی:

[illegible]

"اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ جس انداز سے ہم تعریف کرتے ہیں بلکہ ہم جس طرح کہتے ہیں، تیری حمد و ثنا اس سے بھی بہتر ہے۔ اے اللہ! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت تیرے ہی لیے ہے۔ تیری طرف ہی میری واپسی ہے۔ اے میرے پروردگار! میرا ترکہ تیرے ہی لیے ہے۔ اے اللہ! میں عذاب قبر، دل کے وسوسوں اور معاملات کے بگڑنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میں اس شر سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں جو ہوا کھینچ لاتی ہے۔"[2]

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[illegible]

"اے اللہ! میں تجھ سے ان بھلائیوں کا سوال کرتا ہوں جو ہوائیں لائیں اور اس شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو ہوائیں کھینچ لائیں۔"[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عرفات کے روز سب سے زیادہ یہ دعا مانگی تھی:

[illegible]

[1] صحیح الترمذی 3585. [2] جامع الترمذی 3520 یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] الدعاء للطبرانی 58

[illegible]

''نہیں ہے کوئی الٰہ سوائے اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی کی بادشاہی ہے، اُسی کی ثنا ہے۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! میرے کانوں میں نور بھر دے، میری آنکھوں میں نور بھر دے اور میرے دل میں نور بھر دے۔ اے اللہ! میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے معاملات آسان کر دے۔ (اے اللہ!) میں دل کے وسوسوں اور معاملات کے بکھرنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس چیز کی برائی سے جو رات یا دن کو پہنچتی ہے اور اس شر سے جسے ہوائیں گھیر لاتی ہیں۔ میں آفات زمانہ سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ دعا بھی کی تھی:

[illegible]

''اے اللہ! تو میری پکار سنتا ہے اور جہاں میں ہوں، اسے بھی دیکھتا ہے۔ تو میرے خفیہ اور ظاہری امور سے آگاہ ہے۔ اے اللہ! میرا کوئی معاملہ تجھ سے چھپا ہوا نہیں۔ میں بہت حاجت مند اور فقیر ہوں، تجھ سے فریاد کرتا ہوں، تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں گھبرایا ہوا ہوں، بہت خوفزدہ ہوں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں تجھ سے مسکینوں کی طرح سوال کرتا ہوں، میں ایک گرے پڑے گناہ گار کی طرح تیرے

1 السنن الكبرى للبيهقي: 117/5، وحسنه في الدعوات الكبير للبيهقي: 195، الدعاء للمحاملي: 52.

سامنے گڑگڑاتا ہوں، میں خوف کے مارے اور آفت زدہ شخص کی طرح تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے، جس کے آنسو تیرے لیے بہہ رہے ہیں، جس کا جسم تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہے، جس کی ناک تیرے لیے خاک آلود ہے۔ اے اللہ! میرے رب! تجھ سے دعا کرنے کے باوجود کہیں تو مجھے محروم نہ کر دینا۔ تو میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے!''[1]

اہل عرفہ کے لیے عظیم الشان خوشخبری

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل عرفہ کے لیے جہنم سے آزادی کی خوشخبری دی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو عرفہ کے دن سے بڑھ کر جہنم سے آزاد کرتا ہو۔ وہ (اپنے بندوں کے) قریب ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

''اللہ کے ہاں عرفہ کے دن سے بڑھ کر اور کوئی دن افضل نہیں، (اس دن) اللہ رب العزت آسمان دنیا پر تشریف لاتا ہے اور اہل آسمان کے سامنے اہل زمین پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کو دیکھو، پراگندہ بالوں اور چہروں کے ساتھ کھلے آسمان تلے جمع ہیں۔ یہ ہر دور دراز رستے سے آئے ہیں، یہ میری رحمت کے امید وار ہیں، حالانکہ انھوں نے میرا عذاب نہیں دیکھا۔ عرفہ کے دن جتنے لوگ جہنم سے آزاد

1 المعجم الکبیر للطبرانی: 9/377، 378، والمعجم الصغیر للطبرانی: 2/75، وزاد المعاد: 2/237. 2 صحیح مسلم: 1348.

اور اس ظالم کو ویسے ہی معاف فرما دے۔"

اس دن یہ دعا قبول نہیں ہوئی لیکن جب مزدلفہ کی رات آئی تو آپ ﷺ نے پھر یہی دعا کی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [illegible] "میں نے انھیں (بھی) معاف کر دیا۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ صحابہ میں سے بعض نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ آج اس موقع پر مسکرائے ہیں، پہلے کبھی اس موقع پر نہیں مسکرائے؟ آپ نے فرمایا:

[illegible]

"میں اللہ کے دشمن ابلیس کی وجہ سے مسکرایا ہوں۔ جب اسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے بارے میں میری دعا قبول کر لی ہے تو وہ اپنے لیے ہلاکت اور تباہی مانگنے لگا اور اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔"[1]

تکمیل دین کی آیت کا نزول

رسول اللہ ﷺ جب عرفات میں تھے تو آپ پر یہ وحی نازل ہوئی:

[illegible]

"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔"[2]

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ سنی تو رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: [illegible] "اے عمر! تمھیں کس بات نے رلا دیا؟" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے اس بات نے رلایا ہے کہ ہم خیر کی وسعت چاہتے تھے، یعنی دین میں اور زیادہ رہنمائی اور رحمت و برکت کے طلبگار رہتے تھے مگر اب یہ چیز مکمل ہو گئی ہے اور جب کوئی چیز مکمل ہو جاتی ہے تو پھر کوئی کمی باقی نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "تم نے سچ کہا ہے۔"[3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر تھی گویا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وفات کی خبر سمجھ گئے تھے، اس لیے رو رہے تھے۔[4] یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی وفات سے تقریباً 80 ایام قبل نازل ہوئی۔[5]

1 السنن الکبریٰ للبیہقی: 118/5، مزید دیکھیے: سنن ابن ماجہ، 3013. 2 المائدۃ 3:5 3 تفسیر الطبری، المائدۃ 3:5
4 تفسیر ابن کثیر: 189/5 5 تفسیر الطبری، المائدۃ 3:5

طارق بن شہاب فرماتے ہیں: ایک یہودی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا: امیر المومنین! آپ کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنا لیتے۔ آپ نے پوچھا: کون سی آیت؟ وہ کہنے لگا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت جمعۃ المبارک کے دن عرفات میں نازل ہوئی۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس امت کے لیے اللہ نے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اب انھیں کسی دوسرے دین کی ضرورت نہیں، نہ انھیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اب جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حلال کریں، وہی حلال ہوگا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرام کر دیں، وہ قیامت تک حرام ہوگا اور آپ ہی کی شریعت ہوگی۔ جو بات آپ ارشاد فرما دیں اور جو بھی خبر دیں، وہ بالکل سچی اور صحیح ہے۔ اس میں جھوٹ اور ملاوٹ کی کوئی گنجائش نہیں۔[2]

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ آخری آیت ہے مگر یہ خیال ٹھیک نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کی آخری آیت یہ ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

''اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص نے جو کچھ کیا ہوگا، اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[3]

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کا روزہ رکھا تھا؟

سیدہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے عرفہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں اختلاف کیا۔ بعض کہنے لگے: آپ روزے سے ہیں۔ بعض کہنے لگے: آپ کا روزہ نہیں۔ آپ اپنے

1 صحیح البخاری، 45 و 4407، صحیح مسلم، 3017۔ 2 تفسیر ابن کثیر، المائدۃ 5:3۔ 3 البقرۃ 2:281، ملخصاً تفسیر القرطبی، البقرۃ 2:281.

اونٹ پر سوار تھے۔ میں نے آپ ﷺ کی طرف دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ آپ نے وہ دودھ پی لیا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عرفہ کے دن فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو کھانے کی دعوت دی۔ وہ کہنے لگے: میرا روزہ ہے۔ سیدنا عبداللہ نے فرمایا: اس دن روزہ نہ رکھو۔ رسول اللہ ﷺ کو عرفہ کے دن دودھ کا ایک پیالہ بھیجا گیا۔ آپ نے وہ دودھ پیا۔ لہٰذا اس دن روزہ نہ رکھو کیونکہ لوگ تمھارے طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرفہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا، آپ نے تو یہ روزہ نہیں رکھا۔ سیدنا ابوبکر کے ساتھ بھی حج کیا، انھوں نے بھی نہیں رکھا۔ پھر سیدنا عمر کے ساتھ حج کیا، انھوں نے بھی نہیں رکھا۔ میں بھی یہ روزہ نہیں رکھتا، نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے روکتا ہوں۔[3]

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے ایام ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔''[4]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عمل سے درج ذیل کئی حکمتیں اخذ کی ہیں: 1 روزہ نہ رکھ کر انسان دعا میں زیادہ ہمت رکھتا ہے۔ 2 سفر میں تو فرض روزہ بھی نہ رکھنا افضل ہے، پھر نفلی روزہ کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔ 3 عرفہ کے دن جمعۃ المبارک کا دن تھا، اور آپ ﷺ نے اکیلے اس روز کا روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، چنانچہ آپ نے یہ پسند فرمایا کہ لوگ دیکھ لیں کہ آپ نے اس دن کا روزہ نہیں رکھا تاکہ خاص اس دن کے روزے کی جو ممانعت ہے، اس کی تاکید ہو جائے، اگرچہ ان کا یہ روزہ یوم عرفہ کی وجہ سے تھا، نہ کہ یوم جمعہ کی وجہ سے۔[5]

وقوف عرفہ کے بارے میں سوال

رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں تھے کہ اہل نجد کے کچھ لوگ آپ ﷺ سے ملے اور حج کے بارے میں پوچھنے لگے۔ سیدنا عبدالرحمن بن یعمر دیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا کہ اہل نجد کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! حج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

1 صحیح البخاری: 1988، صحیح مسلم: 1123. 2 مسند أحمد: 367/1. 3 صحیح ابن حبان: 368/8، حدیث: 3604، صحیح الترمذی: 751. 4 سنن أبی داود: 2419. 5 زاد المعاد: 77/2

''حج وقوف عرفہ ہے۔ جو شخص مزدلفہ کی رات فجر کی نماز سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے، اس کا حج مکمل ہو گیا۔''[1]

عرفات میں حاجی فوت ہو گیا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک شخص عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقوف کر رہا تھا کہ وہ اپنی سواری سے گر پڑا اور اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''اسے پانی اور بیری کی پتیوں سے غسل دو اور اسے اس کے احرام والے دو کپڑوں ہی میں کفنا دو۔ اسے خوشبو نہ لگاؤ، سر نہ ڈھانپو اور حنوط نہ لگانا کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ لبیک کہہ رہا ہوگا۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں بیان کرتے ہیں: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ 1 محرم کو اس کے احرام ہی میں کفن دینا مستحب ہے۔ 2 اس کا احرام باقی رہے گا اور اسے سلا ہوا کفن نہیں دے سکتے۔ 3 پہنے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا جا سکتا ہے۔ 4 جب تک احرام باقی رہے گا، تلبیہ بھی جاری رہے گا۔ 5 احرام کا تعلق سر کے ساتھ ہے، چہرے کے ساتھ نہیں ہے۔[3]

عرفات سے مزدلفہ کو روانگی

مزدلفہ جسے جمع یا مشعر الحرام بھی کہا جاتا ہے، یہ میدان عرفات سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ جب سورج واضح طور پر پوری طرح غروب ہو گیا اور اس کی تھوڑی بہت زردی بھی غائب ہو گئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اپنی طویل حدیث میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف جاری رکھا حتی کہ سورج غروب ہو گیا اور زردی آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کی مہار اس حد تک کھینچ رکھی تھی کہ اس کا سر پالان کی لکڑی سے

1 سنن ابن ماجہ: 3015. 2 صحیح البخاری: 1850 و 1267، صحیح مسلم: 1206. 3 فتح الباری: 3/176، 177.

لگا ہوا تھا۔ آپ اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے تھے:
"اے لوگو! سکون و اطمینان سے چلو۔" جب کسی پہاڑی کی چڑھائی آجاتی تو آپ مہار کچھ ڈھیلی کر دیتے تاکہ اونٹنی آسانی سے چڑھ جائے۔ آپ ﷺ اسی طرح مزدلفہ پہنچ گئے، وہاں مغرب و عشاء کی دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں کوئی نفل نہیں پڑھے۔[1]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے میری موجودگی میں پوچھا گیا: نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں واپسی کے دوران میں کیسی چال چلتے تھے؟ وہ فرمانے لگے: آپ درمیانی چال چلتے تھے، البتہ جب خالی جگہ دیکھتے تو رفتار تیز کر دیتے تھے۔[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عرفہ کے دن نبی ﷺ کے ہمراہ واپس آئے۔ اس دوران میں نبی ﷺ نے اپنے پیچھے شور و غل اور اونٹوں کو مارنے پیٹنے کی آواز سنی۔ آپ نے اپنے کوڑے کے ذریعے ان کی طرف اشارہ فرمایا (انھیں متوجہ کیا) اور حکم دیا:
"لوگو! پرسکون رہو۔ اونٹوں کو بھگانے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔"[3]

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عرفات والی شام میں رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ جب سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ واپس چل پڑے۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے اپنے پیچھے لوگوں کا شور و غل سنا تو فرمایا: "اے لوگو! سکون و اطمینان سے آہستہ چلو۔ نیکی اونٹ بھگانے کا نام نہیں ہے۔" جب لوگ آپ ﷺ کے گرد زیادہ ہجوم کرتے تو آپ درمیانی چال چلتے تھے اور جب خالی جگہ پاتے تو اونٹنی کی رفتار کو تیز کر دیتے تھے حتی کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ نے مغرب و عشاء دونوں نمازیں اکٹھی پڑھیں۔[4]

عرفات اور مزدلفہ کے درمیان رکنا جائز ہے مگر نماز مزدلفہ میں

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عرفات سے چلے، راستے میں ایک گھاٹی میں اترے۔ وہاں پیشاب سے فارغ ہوئے، پھر وضو فرمایا لیکن وہ اتنا کامل نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا: نماز؟ آپ نے فرمایا: "نماز کی جگہ آگے ہے۔" پھر آپ مزدلفہ پہنچے، دوبارہ وضو فرمایا اور بہترین وضو فرمایا۔ پھر اقامت ہوئی، آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر ہر شخص نے اپنا اونٹ اپنے ٹھکانے پر بٹھایا۔ پھر اقامت

1 صحيح مسلم: 1218. 2 صحيح البخاري: 1666. 3 صحيح البخاري: 1671. 4 مسند أحمد: 5/201.



مغرب اور عشاء کے لیے اقامت ایک یا دو

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء مزدلفہ میں اکٹھی پڑھیں۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے۔ آپ نے مغرب کی تین رکعات پڑھیں اور عشاء کی دو رکعات پڑھیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی مزدلفہ میں اسی طرح نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔[1]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے بھی اسی طرح پڑھی تھیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مغرب اور عشاء کی نمازیں اسی طرح پڑھی تھیں۔[2]

سعید بن جبیر فرماتے ہیں: ہم سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عرفات سے چلے حتیٰ کہ مزدلفہ پہنچ گئے۔ پھر انھوں نے ہمیں مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ پڑھائیں۔ پھر فرمانے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس جگہ اسی طرح نماز پڑھائی تھی۔[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز نہیں پڑھی۔ جب آپ مزدلفہ پہنچے تو جمع بھی کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اقامت کے ساتھ دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور مغرب و عشاء کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ بعض اہل علم اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر کوئی چاہے تو مغرب کی نماز پڑھے، پھر کھانا کھا لے اپنے کپڑے درست کر لے اور پھر عشاء کی نماز پڑھ لے۔ البتہ بعض اہل علم کا موقف یہ ہے کہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء

1 صحیح مسلم: 1258 2 صحیح مسلم: 1288 3 صحیح مسلم: 1288-(291)



کی نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھا جائے۔ پہلے اذان کہی جائے اور اقامت کے بعد نماز مغرب ادا کی جائے، پھر اقامت کہی جائے اور عشاء کی نماز پڑھی جائے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔[1]

ہر نماز کے لیے الگ اذان اور الگ اقامت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے: جو شخص ہر نماز کے لیے الگ اذان اور اقامت کہے۔ اس کے تحت انھوں نے یہ روایت بیان کی ہے کہ عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ہم عشاء کے وقت یا اس کے قریب مزدلفہ پہنچے۔ انھوں نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے اذان اور اقامت کہی، پھر انھوں نے نماز مغرب ادا کی۔ اس کے بعد دو رکعات پڑھیں۔ پھر رات کا کھانا منگوا کر تناول فرمایا، پھر انھوں نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے اذان اور اقامت کہی۔ اس کے بعد انھوں نے نماز عشاء کی دو رکعتیں ادا کیں۔ جب فجر طلوع ہوئی تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آج کے دن اس نماز کے علاوہ اس مقام پر اس وقت کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ یہ دو نمازیں ہیں جو اپنے وقت سے پھیر دی گئی ہیں: ایک مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ پہنچنے پر، دوسری فجر کی نماز جبکہ فجر ظاہر ہو، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں جب مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھی جائیں اور درمیان میں کھانا کھانے یا کسی اور وجہ سے وقفہ آ جائے اور لوگ ایک نماز پڑھ کر منتشر ہو جائیں تو پھر دوسری نماز سے قبل اذان اور اقامت الگ کہی جائے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے لیے الگ الگ اذان اور اقامت کو مشروع قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔[3]

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ایک اذان اور دو اقامتیں ثابت ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے، اس لیے اسے ہی ترجیح دی جائے گی۔[4]

درج بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مغرب کے بعد دو رکعات پڑھیں لیکن یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو رکعتوں کا نہ پڑھنا ثابت ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عمل افضل اور راجح ہے۔

اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جاگے۔ یہ عیدالاضحیٰ کی رات تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں

1 جامع الترمذي، بعد حديث: 888. 2 صحيح البخاري: 1675. 3 فتح الباري: 3/663. 4 صحيح مسلم: 1218

عیدوں کی راتوں کو جاگنے کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔[1]

کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے فجر سے پہلے نکلنے کی اجازت

رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنی بعض کمزور عورتوں اور بچوں کو اس وقت نکلنے کی اجازت دے دی جب چاند چھپ گیا تاکہ وہ طلوع آفتاب سے قبل منیٰ پہنچ جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم فرمایا ہے: جو شخص اپنے کمزور اہل خانہ کو رات ہی کو بھیج دے کہ وہ مزدلفہ میں ٹھہریں، دعائیں کریں، پھر جب چاند غروب ہو جائے تو انھیں آگے منیٰ کو روانہ کر دے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم مزدلفہ میں ٹھہرے تو سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ کیا میں لوگوں کے رش سے پہلے چلی جاؤں؟ کیونکہ وہ بہت دھیمی رفتار سے چلتی تھیں۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل ہی چلی گئیں جبکہ ہم وہیں ٹھہرے رہے حتی کہ صبح ہوئی تو ہم نماز اور وقوف کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اگر میں بھی سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح اللہ کے رسول ﷺ سے اجازت حاصل کر لیتی تو یہ میرے لیے انتہائی خوشی کی بات ہوتی۔[2]

اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عید کی رات یعنی مزدلفہ والی رات بھیج دیا تو انھوں نے فجر سے قبل جمرہ کی رمی کی، پھر وہ طواف افاضہ کے لیے چلی گئیں۔ اس دن رسول اللہ ﷺ کی باری انھی کے ہاں تھی۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی مزدلفہ سے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جو پانی پلانے والے اور چرواہے

1 زاد المعاد:2/247. 2 صحيح البخاري:1681، صحيح مسلم:1290. 3 سنن أبي داود:1942.



تھے، نیز وہ لوگ بھی فجر سے پہلے نکل گئے جن کے ساتھ ضعفاء اور کمزور عورتیں تھیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے رات ہی کے وقت مزدلفہ سے منیٰ روانہ کیا تھا۔[1] ایک دوسری روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ان افراد میں سے تھا جنھیں نبی ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کے ہمراہ پہلے ہی بھیج دیا تھا۔[2]

کمزوروں کے لیے رمی جمرات میں رعایت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم چھوٹے بنو عبدالمطلب کے لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ نے گدھوں پر سوار کرکے عام لوگوں سے پہلے بھیج دیا تھا۔ آپ ہماری رانوں کو تھپتھپاتے اور فرماتے تھے:

[illegible]

''بیٹو! طلوع شمس سے قبل جمرہ کو رمی نہ کرنا۔''

لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سورج طلوع ہونے سے قبل بھی رمی کر سکتا ہے۔[3]

اس کے بالمقابل سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ ان کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ مزدلفہ والی رات مزدلفہ کے قریب سواری سے اتریں اور نماز شروع کر دی۔ کچھ نماز پڑھنے کے بعد وہ کہنے لگیں: بیٹے! چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ موصوفہ اور کچھ دیر نماز پڑھتی رہیں، پھر دوبارہ پوچھنے لگیں: بیٹے! چاند غروب ہو گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمانے لگیں: پھر چلو۔ ہم چل پڑے حتی کہ انھوں نے جمرہ عقبہ کو رمی کی، پھر واپس آ کر صبح کی نماز پڑھی۔ میں نے کہا: محترمہ! میرا خیال ہے ہم نے سب کچھ اندھیرے میں کر لیا ہے۔ وہ فرمانے لگیں: بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اجازت عطا فرمائی ہے۔[4]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے سورج طلوع ہونے سے قبل رمی تو یقینی طور پر (رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں) کی ہے تو ان کی روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر مقدم ہے کیونکہ ان کی حدیث سنداً بھی زیادہ صحیح ہے الا یہ کہ کہا جائے کہ نوجوان لڑکے عورتوں سے زیادہ چست اور چالاک ہوتے ہیں، اس لیے آپ نے نوجوان لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ طلوع شمس سے قبل رمی نہ کریں اور عورتوں کو اجازت دی کہ وہ طلوع شمس سے قبل رمی کر لیں، کیونکہ وہ بہت بوجھل ہوتی ہیں۔ مزید برآں انھیں پردے کی بھی ضرورت

1 صحيح البخاري: 1677، 2 صحيح البخاري: 1678، 3 مسند أحمد 234/1، سنن أبي داود: 1940، 4 صحيح البخاري: 1679، صحيح مسلم: 1291

ہوتی ہے، لہٰذا ان کی رمی اندھیرے میں بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

لیکن اگر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کام اپنی طرف سے کیا ہے تو پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مقدم ہوگی لیکن پہلے احتمال کی تائید ابوداود کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے رات کے وقت جمرہ کو رمی کی۔ ان سے کہا گیا کہ ہم نے تو رات ہی کو رمی کر لی تو وہ فرمانے لگیں: ہم نبی کریم ﷺ کے دور میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔[1]

سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کمزور اہل خانہ کو پہلے ہی بھیج دیتے تھے۔ وہ رات کے وقت مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے اور حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے، پھر امام کے وقوف شروع کرنے اور لوٹنے سے قبل ہی رات کے آخری حصے میں وہ منیٰ کو چل پڑتے۔ کچھ فجر کی نماز کے وقت منیٰ میں پہنچ جاتے اور کچھ بعد میں پہنچ جاتے۔ جب وہ منیٰ پہنچتے تو جمرہ عقبہ کو رمی کر لیتے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کو رخصت دی ہے۔[2]

عروہ بن مضرس کا سوال

عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ مزدلفہ میں تھے۔ میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس بنو طے کے دو پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا آ رہا ہوں اور بہت تھک گیا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو بھگا بھگا کر کمزور کر ڈالا۔ اللہ کی قسم! راستے میں جو بھی پہاڑ آیا، میں نے اس پر وقوف کیا ہے۔ کیا میرا حج ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

1 سنن ابی داود: 1943. 2 صحیح بخاری: 1676.

جمرات کا بیرونی منظر



[illegible]

''جس آدمی نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھ لی اور ہمارے یہاں سے لوٹنے تک ہمارے ساتھ وقوف کر لیا، بشرطیکہ وہ رات اور دن میں کسی بھی وقت عرفات سے ہو آیا ہو تو اس کا حج مکمل ہو گیا اور مناسک پورے ہو گئے۔''[1]

صبح کی نماز کی ادائیگی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے ہی رہے، پھر جب صبح عیاں ہو گئی تو آپ ﷺ نے اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ آپ مشعر الحرام کے پاس آ گئے۔ وہاں آپ ﷺ قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے رہے اور اللہ کی حمد و ثنا، کبریائی اور تہلیل بیان کرتے رہے یعنی [illegible] پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ نے اسی طرح وقوف جاری رکھا یہاں تک کہ ہر طرف روشنی پھیل گئی تو آپ طلوع شمس سے پہلے ہی چل پڑے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو پیچھے سوار کر لیا۔[2]

عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں: میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کی طرف چلا، پھر ہم مزدلفہ آئے۔ انھوں نے وہاں مغرب و عشاء کی دونوں نمازیں الگ الگ اذان و اقامت سے پڑھیں۔ درمیان میں رات کا کھانا کھایا۔ پھر فجر طلوع ہوتے ہی فجر کی نماز پڑھ لی۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ فجر طلوع ہوئی اور کوئی کہہ رہا تھا کہ نہیں طلوع ہوئی۔ پھر وہ فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''یہ دو نمازیں مغرب و عشاء اس جگہ اپنے اصلی وقت سے تبدیل کر دی گئی ہیں کیونکہ لوگ اندھیرا ہونے سے قبل مزدلفہ نہیں پہنچتے۔ اور فجر کی نماز اسی وقت پڑھیں۔''

پھر انھوں نے وقوف کیا حتی کہ خوب روشنی پھیل گئی۔ پھر فرمایا: اگر امیر المؤمنین (عثمان رضی اللہ عنہ) اب چل پڑیں تو صحیح سنت پر عمل ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ ان کی یہ بات پہلے ختم ہوئی یا عثمان رضی اللہ عنہ کی روانگی پہلے عمل میں آ گئی۔ پھر وہ لبیک پڑھتے رہے حتی کہ انھوں نے قربانی کے دن جمرہ عقبہ کو رمی کی۔[3]

[1] مسند أحمد: 15/4 [2] صحيح مسلم: 1218 [3] صحيح البخاري: 1683

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو صبح کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنی چاہیے، البتہ جو کمزور، ناتواں اور مجبور حضرات و خواتین ہوں، انھیں رات کے پچھلے حصے میں جلدی منیٰ جانے کی اجازت ہے ورنہ نماز فجر ادا کرنے کے بعد وہ کنکریاں وغیرہ مار لیں۔ نماز فجر طلوع فجر کے بعد اول وقت میں معمول کے وقت سے کچھ پہلے پڑھ لیں جیسے کہ اس روایت میں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے طلوع شمس سے پہلے روانہ ہوئے۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ مشعر الحرام کے پاس تھے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میں نے یہاں (مشعر الحرام) پر وقوف کیا ہے، مزدلفہ سارے کا سارا جائے وقوف ہے۔ وادیٔ محسر سے اٹھ جاؤ۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''یہ پہاڑ کی جگہ موقف ہے اور مزدلفہ کا سارا میدان موقف ہے۔''[3]

مشرکین کا عمل

عمرو بن میمون کہتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کی تو اس وقت میں بھی موجود تھا۔ نماز کے بعد آپ ٹھہرے اور فرمایا: مشرکین طلوع آفتاب کے بعد یہاں سے کوچ کرتے تھے اور طلوع آفتاب کے انتظار میں یہ کہتے تھے: اے ثبیر! تو چمک جا، یعنی آفتاب تجھ پر ظاہر ہو، لیکن نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے۔[4] اس سے ثابت ہوا کہ مزدلفہ سے منیٰ کے لیے صبح سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہونا چاہیے۔

جمرہ کو مارنے کے لیے کنکریاں جمع کرنا

دسویں ذوالحجہ کی صبح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ ان کے لیے کنکریاں جمع کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کے لیے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں اکٹھی کیں اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک

1 مسند أحمد: 23[illegible]/1. 2 صحيح مسلم: 1218، السنن الكبرى للبيهقي: 115/5. 3 مسند أحمد: 156/1، سنن أبي داود: 1935. 4 صحيح البخاري: 1684.

پکڑ رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ہاں اسی طرح کی، دین میں انتہا پسندی سے بچ کر رہنا۔ بلاشبہ تم سے پہلے قومیں دین میں غلو کی بنا پر ہلاک ہو گئیں۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی روایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بجائے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کی ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے یوم نحر کی صبح ارشاد فرمایا: ''میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ۔'' میں نے تشذف بازی جیسی چھوٹی کنکریاں چن کر لا دیں۔ آپ نے انھیں اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا: ''واقعی ایسی ہی! غلو سے بچو، تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔''[2]

صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد میں راوی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا تھا یا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ ابن عباس سے یہاں فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہی مراد ہیں۔[4]

مزدلفہ سے منیٰ کی طرف

رسول اللہ ﷺ نے مشعر الحرام سے روانہ ہوتے ہوئے سواری پر اپنے پیچھے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو سوار کر لیا تھا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما قریش کے لوگوں کے ساتھ آگے چلے گئے۔ سیدنا فضل رضی اللہ عنہ انتہائی حسین، گورے رنگ والے، وجیہ اور خوبصورت بالوں والے نوجوان تھے۔[5] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی تو سیدنا فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی۔ معاً نبی ﷺ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا فریضۂ حج جو اس کے بندوں پر عائد ہے، اس نے میرے بوڑھے باپ کو پا لیا ہے مگر وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' یہ واقعہ حجۃ الوداع میں (مزدلفہ سے نکلتے ہوئے) پیش آیا۔[6]

1 مسند احمد 215/1، سنن ابن ماجہ 3029، سنن النسائی 3059. 2 البدایۃ والنہایۃ 165/5، السنن الکبریٰ للبیہقی 127/5. 3 صحیح ابن خزیمہ 2868، مسند احمد 347/1. 4 فتح الباری 387/4. 5 صحیح مسلم: 1218. 6 صحیح البخاری: 1513، صحیح مسلم: 1334.

ماں کی طرف سے حج

جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے منیٰ جا رہے تھے، اسی دوران میں ایک آدمی نے آپ ﷺ سے اپنی والدہ کے بارے میں سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ نہایت عمر رسیدہ ہے۔ اگر میں اسے سواری پر بٹھاؤں تو وہ نہیں بیٹھ سکے گی۔ اگر میں اسے باندھ دوں تو ڈر لگتا ہے کہ وہ مر جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا:

[illegible]

''تمھارا کیا خیال ہے اگر تمھاری والدہ کے ذمے قرض ہو تو کیا تم اسے ادا کرو گے؟''

اس آدمی نے کہا: کیوں نہیں، ضرور ادا کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تو پھر اپنی والدہ کی طرف سے حج کرو۔''[1]

وادی محسر میں تیز رفتاری

رسول اللہ ﷺ بڑے آرام اور سکون سے چلتے رہے۔ جب وادی محسر آئی تو آپ نے اونٹنی کو تیز کر دیا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جہاں اللہ کے دشمنوں پر کوئی عذاب نازل ہوا ہوتا، وہاں سے آپ تیزی سے گزرتے تھے۔ وادی محسر میں اصحاب فیل کو سنگ باری کا نشانہ بنایا گیا اور ان کا ایک ہاتھی آگے بڑھنے سے رک گیا تھا، اسی لیے اسے وادی محسر کہا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ واقعہ ہمارے لیے بیان فرمایا ہے کہ فیل والوں کو مکہ جانے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ مقام حجر پر دیار ثمود سے بھی گزرتے ہوئے اسی طرح کپڑا اٹھا کر تیزی سے گزر گئے تھے۔[2]

[1] مسند احمد، ح: 5396 [2] زاد المعاد 2/255، 256.

طریق اصحاب الفیل



دیارِ ثمود (حجر) کے آثار



جب آپ ﷺ وادی محسر کو عبور کر چکے تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا:

[illegible]

''جمرے کو مارنے کے لیے کنکریاں لے لو۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو سکون و اطمینان سے رہنے کا حکم دیا اور فرمایا:

[illegible]

''میری امت کے لوگ مجھ سے مناسک کے احکام سیکھ لیں، میں نہیں جانتا، شاید میں اس سال کے بعد ان سے ملاقات نہ کر سکوں۔''[2]

نبی ﷺ نے یوم نحر جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں

رسول اللہ ﷺ تلبیہ پکارتے پکارتے جمرۂ عقبہ کی طرف بڑھتے رہے۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما عرفات سے مزدلفہ تک آپ ﷺ کے ساتھ سوار تھے، پھر آپ ﷺ نے مزدلفہ سے منیٰ تک سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ وہ دونوں کہتے ہیں: آپ ﷺ جمرۂ عقبہ تک مسلسل تلبیہ پکارتے رہے۔[3] یہاں آکر آپ نے تلبیہ پڑھنا بند کر دیا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے نحر (قربانی) والے دن آغاز چاشت کے وقت رمی فرمائی اور باقی دنوں میں زوال کے بعد۔[4]

جمرۂ عقبہ کو جمرۂ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے جمرۂ عقبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے قریب بیعت عقبہ ہوئی تھی۔ منیٰ میں تین جمرات ہیں جنھیں رمی کی جاتی ہے۔ ان تینوں مقامات پر بطور نشان دیواریں بنا دی گئی ہیں۔ مکہ مکرمہ کی جانب سے یہ جمرات بالترتیب یہ ہیں: جمرۂ کبریٰ (عقبہ)، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ صغریٰ۔ انھیں مقررہ شرائط کے ساتھ کنکریاں مار کر گویا شیطان مردود کو رجم کیا جاتا ہے۔ یہ سنت ابراہیمی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی جگہ شیطان کے بہکانے کی کوشش پر اسے کنکریاں ماری تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس سنت کو امت محمدیہ کے لیے بھی جاری کیا۔ اس موقع پر کنکریاں مارنے کا مطلب یہ عہد ہے کہ ہم آئندہ بھی کبھی شیطان کے بہکاوے میں نہیں آئیں گے، اس کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہیں گے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری

[1] صحیح مسلم: 1282، سنن نسائی: 3060. [2] مسند احمد: 332/3، سنن ابن ماجہ: 3023. [3] صحیح البخاری: 1686. [4] صحیح البخاری، قبل حدیث: 1746، تعلیقا.

کو اپنا شیوۂ دوام بنائیں گے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نشانہ بازی والی سات کنکریوں سے جمرہ کو رمی کرتے تھے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جمرات کی رمی طاق ہوتی ہے۔''[2] ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے جمرۂ عقبہ کو اتنی بڑی کنکریاں ماریں جتنی بڑی چٹکی (دو انگلیوں) سے ماری جانے والی کنکریاں ہوتی ہیں۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نحر والے دن سوار ہو کر جمرۂ عقبہ کو رمی فرمائی تھی۔[4]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے وادی کے نشیبی جانب سے جمرۂ عقبہ کو یکے بعد دیگرے اس طرح سات کنکریاں ماریں کہ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب۔ وہ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وادی کے نشیب سے رمی کی تو میں نے کہا: ابوعبدالرحمن! کچھ لوگ بالائی جانب سے رمی کرتے ہیں۔ وہ فرمانے لگے: قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس عظیم شخصیت نے اسی جگہ کھڑے ہو کر رمی کی تھی جس پر سورۂ البقرہ نازل ہوئی۔[5]

جمرۂ عقبہ مکہ کی طرف منیٰ کی آخری حد پر واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے رمی کرتے وقت مکہ مکرمہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب تھا۔ رمی کرنے کا مسنون طریقہ یہی ہے، البتہ اگر ہجوم کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو پچھلی جانب اور منیٰ کو آگے کر کے رمی کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اسی طرح بیت اللہ کی طرف منہ کرکے اور منیٰ کو اپنی پچھلی جانب کر کے بھی رمی کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا۔[6] سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے علاوہ یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

اللهم اهدني بالهدى وزيني بالتقوى واجعل الآخرة خيرا لي من الأولى.

''اے اللہ! صحیح ترین راستے کی ہدایت عطا فرما، مجھے تقویٰ کے ذریعے اپنے عذاب سے بچا اور میرے لیے بعد والی زندگی پہلی زندگی سے بہتر بنا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمی سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے:

1 صحیح مسلم: 1299. 2 صحیح مسلم: 1300. 3 صحیح مسلم: 1299. 4 جامع الترمذی: 899. 5 صحیح البخاری: 1747، 1748، 1750؛ صحیح مسلم: 1296. 6 صحیح مسلم: 1218.

اللّٰھم اجعلہ حجا مبرورا وذنبا مغفورا وسعیا مشکورا.

"اے اللہ! میرے حج کو حج مبرور، میرے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اور قابل قدر کوشش بنا دے۔"[1]

کنکریاں مارتے وقت پرسکون رہنے کی ہدایت

سیدہ ام جندب ازدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وادی کے نشیب کی طرف سے جمروں کو رمی کرتے دیکھا، آپ سوار تھے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر فرماتے تھے۔ ایک شخص آپ کے پیچھے آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔ میں نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ فضل بن عباس ہیں۔ جب لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"اے لوگو! ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ جمروں کو رمی کرتے وقت نشانہ بازی والی کنکریاں استعمال کرو۔"[2]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو قربانی والے دن اونٹنی پر سوار جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے دیکھا، آپ فرما رہے تھے:

[illegible]

"حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو، شاید میں اس حج کے بعد کوئی اور حج نہ کر سکوں۔"[3]

سیدنا قدامہ بن عبداللہ عامری کلابی سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قربانی والے دن دیکھا۔ آپ ﷺ اپنی بھوری اونٹنی پر سوار تھے اور وادی کے نشیبی جانب سے جمرۂ عقبہ کو رمی کر رہے تھے۔ نہ کوئی جانور کو مارتا تھا، نہ بھگاتا تھا اور نہ کوئی "دور رہو، دور رہو" کا شور مچاتا تھا۔[4]

نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قربانی والے دن اپنے جانور پر سوار ہو کر جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے تھے، البتہ باقی دنوں میں پیدل رمی کرنے آتے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی پیدل ہی آیا جایا کرتے تھے۔[5]

سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کیا۔

1 مسند البزار: 377/7. 2 مسند احمد: 503/3، سنن أبي داود: 1966، سنن ابن ماجہ: 3028. 3 صحیح مسلم: 1297، مسند احمد: 378/3. 4 سنن النسائي: 3063، مسند احمد: 413/3. 5 مسند احمد: 138/2.

میں نے آپ کو اس وقت دیکھا جب آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے۔ بلال اور اسامہ آپ کے ساتھ تھے، ان میں سے ایک آگے سے مہار پکڑ کر آپ کی سواری کو ہانک رہا تھا اور دوسرا دھوپ سے بچاؤ کے لیے اپنا کپڑا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر تانے ہوئے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔[1]

جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نہیں ٹھہرے تھے۔ سالم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وادی کے نشیب سے جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے، پھر اس کے پاس نہ ٹھہرتے، بلکہ لوٹ آتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ جمرۂ عقبہ یعنی آخری جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد دعا مانگنے کے لیے نہیں ٹھہرا جاتا۔[3]

پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد دعا کرنا

پہلے دن صرف جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں جبکہ اس کے بعد ایام تشریق میں تینوں جمروں جمرۂ دنیا (صغریٰ)، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کو سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ جمرۂ دنیا مسجد خیف کے قریب اور مکہ سے دور ہے جبکہ جمرۂ عقبہ مکہ کے قریب اور مسجد خیف سے دور ہے اور جمرۂ وسطیٰ ان دونوں جمروں کے درمیان ہے۔ گیارہ ذوالحجہ کو سب سے پہلے جمرۂ دنیا کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ قریب والے جمرے کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے

1 صحیح مسلم: 1298. 2 صحیح البخاری: 1751. 3 فتح الباری: 735/3.



مسجد خیف (منیٰ)

ہوئے اللہ اکبر کہتے۔ پھر آگے بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہتے۔ پھر درمیان والے جمرے کو کنکریاں مارتے۔ اس کے بعد بائیں جانب نرم و ہموار زمین پر چلے جاتے اور قبلہ رو ہو جاتے، پھر دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہتے اور یوں دیر تک وہاں کھڑے رہتے۔ پھر وادی کے نشیب سے جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے لیکن اس کے پاس نہ ٹھہرتے، واپس آجاتے اور فرماتے: میں نے نبی ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے اور دوسرے جمرے کو رمی کرنے کے بعد بائیں جانب ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے اور تیسرے جمرے کے بعد دعا کرنا ثابت نہیں۔

یوم النحر کو خطبہ

پھر جب ضحیٰ (چاشت) کا وقت ختم ہوا تو آپ نے جمرات کے پاس اپنی اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے خچر شہباء پر بیٹھ کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کے خطبہ مبارک کے الفاظ دہرا کر لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ اس موقع پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ آپ نے جو خطبہ عرفات کے میدان میں ارشاد فرمایا تھا، وہاں کی کچھ چیزیں یہاں دہرائیں کیونکہ یہاں بھی بہت سے لوگ تھے۔ اس موقع پر بھی آپ نے لوگوں کی جان، ان کے اموال اور عزت کو پامال کرنا حرام قرار دیا، نیز آپ نے قربانی کے دن کی حرمت بیان کی اور سارے شہروں سے زیادہ مکہ کی حرمت کا تذکرہ فرمایا، چنانچہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible] منها أربعة حرم، ثلاث متواليات: ذو القعدة وذو الحجة والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان، ثم قال رسول الله ﷺ: أي شهر هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت رسول الله ﷺ حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، فقال: أليس ذا الحجة؟ قلنا: بلى، ثم قال رسول الله ﷺ: أي بلد هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، فقال: أليس البلدة الحرام؟ قلنا: بلى، ثم قال [illegible]

[1] صحيح البخاري: 1751، 1752.

[illegible] فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه [illegible]

[illegible]

''بے شک زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے، اس دن کی طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین لگاتار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور (چوتھا) رجب مضر جو جمادی الاولیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ ہم نے سمجھا شاید آپ اس کے مشہور نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ یہ قربانی ہی کا دن ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اس کے مشہور نام کے سوا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ بدستور خاموش رہے۔ ہم سمجھے کہ آپ اس شہر کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ مکہ مکرمہ نہیں ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں! یہ مکہ ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمھارے خون، تمھارے اموال اور تمھاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح محترم ہیں جس طرح تمھارا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر تمھارے لیے مقدس و محترم ہے۔ عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا، خبردار! تم میرے بعد کافر و گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ سنو! یہاں جو لوگ موجود ہیں، وہ غیر موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں سننے والے بعض لوگ اس وقت میری باتیں سننے والے کچھ لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے

والے ہوں۔ آگاہ رہو! کیا میں نے بات پہنچا دی ہے؟"[1]

اس خطبے میں آپ نے یہ بھی فرمایا

"خبردار! چار چیزیں ہیں (جو ایمان کا حصہ ہیں): اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اسے ہرگز قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ زنا نہ کرو۔ اور فضول خرچی نہ کرو۔"[2]

مزید فرمایا:

"خبردار! میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں، (گویا) تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ بلاشبہ میں تمھاری کثرت کی بنا پر دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ سو تم مجھے شرمندہ مت کروانا۔ خبردار! تم نے مجھے دیکھ بھی لیا ہے اور میری گفتگو بھی سن لی ہے۔ بہت جلد تم سے میرے متعلق سوال ہوگا۔ سو جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ سنو! میں کچھ افراد کو (جہنم سے) چھڑاؤں گا اور کچھ لوگ مجھ سے چھین لیے جائیں گے (اور جہنم میں بھیج دیے جائیں گے)۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔ تب مجھ سے کہا جائے گا: آپ کو نہیں معلوم، انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا کرتوت کیے تھے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

1 صحيح البخاري 4406، 1739 و1741، صحيح مسلم 1679، مسند أحمد 37/5. 2 مسند أحمد 339/4.
3 مسند أحمد 412/5.

''خبردار! جرم کا ذمہ دار صرف مجرم ہی ہوگا۔ باپ کے جرم کی ذمہ داری بیٹے پر اور بیٹے کے جرم کی ذمہ داری باپ پر عائد نہیں ہوگی۔ آگاہ رہو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمھارے اس شہر میں اب کبھی اس کی عبادت ہوگی لیکن بعض اعمال میں جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔''[1]

اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچوں نمازیں ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''[2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات سن کر آگے پہنچاتا ہے۔ بہت سے علم و فقہ کے حامل ایسے ہوتے ہیں جو درحقیقت دانا اور فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے علم و فقہ کے حامل اپنے سے زیادہ دانا اور فقیہ کو پہنچاتے ہیں۔ تین باتوں میں مومن کا دل خیانت نہیں کر سکتا: اللہ کے لیے اخلاص عمل میں، مسلمانوں کے امراء کی خیر خواہی میں اور ان کی جماعت کو لازم پکڑنے میں کیونکہ ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔''[3]

اسی طرح نبی ﷺ نے خطبے میں یہ بھی فرمایا:

''اگر کالے غلام کو بھی تمھارا امیر بنا دیا جائے جو اللہ کی کتاب کے ذریعے تمھاری قیادت کرے تو تم اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔''[4]

1 سنن ابن ماجہ: 3055، صحیح الترمذی: 2159۔ 2 مسند احمد: 251/5، صحیح الترمذی: 616۔ 3 سنن ابن ماجہ: 3056۔ 4 صحیح مسلم: 1298۔

آپ نے لوگوں کو حج کے مناسک سکھائے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں منیٰ میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہمارے کان کھول دیے گئے۔ ہم اپنی اپنی جگہوں پر تھے اور وہ سب کچھ سن رہے تھے جو آپ فرما رہے تھے۔[1] اسی موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں کو الوداع کہا، اسی وجہ سے لوگ اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے حج میں قربانی کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: هذا يوم الحج الأكبر "یہ حج اکبر کا دن ہے۔" اس کے بعد نبی ﷺ بار بار ارشاد فرما رہے تھے: اللهم اشهد "اے اللہ! تو گواہ رہنا۔" آپ ﷺ نے اس حج میں لوگوں کو الوداع کہا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حج کو "حجۃ الوداع" کے نام سے موسوم کیا۔[2]

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے دجال کا بھی تذکرہ کیا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كنا نتحدث بحجة الوداع والنبي ﷺ بين أظهرنا ولا ندري ما حجة الوداع، فحمد الله وأثنى عليه ثم ذكر المسيح الدجال فأطنب في ذكره وقال: ما بعث الله من نبي إلا أنذر أمته، أنذره نوح والنبيون من بعده، وإنه يخرج فيكم فما خفي عليكم من شأنه فليس يخفى عليكم أن ربكم ليس على ما يخفى عليكم ثلاثا، إن ربكم ليس بأعور، وإنه أعور عين اليمنى كأن عينه عنبة طافية، ألا إن الله حرم عليكم دماءكم وأموالكم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا، ألا هل بلغت؟ قالوا: نعم، قال: اللهم اشهد ثلاثا، ويلكم أو ويحكم انظروا لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض

"ہم حجۃ الوداع کے متعلق گفتگو کرتے تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ ہم میں موجود تھے، تاہم ہمیں حجۃ الوداع کے مفہوم کا پتہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر دجال کا خوب تفصیل سے تذکرہ کیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں، انھوں نے اپنی اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اور ان کے بعد آنے والے انبیاء نے بھی اپنی امتوں کو ڈرایا۔ یاد رکھو وہ تم ہی میں نکلے

1 سنن ابی داود: 1957 2 صحیح البخاری: 1742

گا۔ اور اس (کے جھوٹے ہونے) کی کوئی بات تم سے مخفی رہ بھی گئی تو تم پر یہ مخفی نہ رہے کہ تمھارا رب اس ہیئت وصورت پر نہیں جو تم پر مخفی رہے۔ (آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ بیان فرمائی) بے شک تمھارا رب کانا نہیں جبکہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ اس کی آنکھ انگور کے دانے جیسی ہوگی۔ خبردار! اللہ تعالیٰ نے تم پر تمھارے خون اور اموال اسی طرح حرام کیے ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں ہے۔ تو کیا میں نے بات پہنچا دی؟'' صحابۂ کرام ؓ نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔'' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم پر افسوس! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے رہو۔''[1]

فضالہ بن عبید انصاری کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے خطبے کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

[illegible]

''آج حرمت والا دن ہے اور یہ شہر بھی حرمت والا ہے۔ بلاشبہ تمھارے خون، اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن اور یہ شہر ہے۔ یہ حرمت اس دن تک ہے جس دن تم اپنے رب سے ملو گے۔ کسی مسلمان کو برے ارادے سے دھکا دینا بھی حرام ہے (یعنی چھوٹی سے چھوٹی زیادتی کرنا بھی روا نہیں ہے)۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ مسلمان کون ہے۔ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور میں تمھیں بتاتا ہوں کہ مومن کون ہوتا ہے۔ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے جان و مال کے بارے میں بے خوف ہوں۔ میں تمھیں بتاؤں کہ مہاجر کسے کہتے ہیں؟ مہاجر وہ ہے جو برائیوں، خطاؤں اور گناہوں سے کنارہ کش رہے۔ اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملے میں اپنے نفس (کی خواہشات) سے جہاد کرتا ہے۔''[2]

سیدنا ابو مالک اشعری ؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[1] صحیح البخاری، 4403،4402۔ [2] مسند البزار: 206/9، مجمع الزوائد: 268/3

[illegible]

''ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر حرمت آج کے دن کی حرمت کی طرح ہے، لہٰذا ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی غیبت کرکے اس کا گوشت مت کھائے، اس کی عزت کو تار تار نہ کرے۔ نہ اس کے چہرے پر طمانچہ مارے، نہ اس کا خون بہائے، نہ اس کا مال ہتھیائے اور نہ اسے دکھ دے کر تکلیف پہنچائے۔''[1]

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں متنِ خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ نے سب تنگیاں ختم کر دی ہیں سوائے اس آدمی کے جو کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو تنگی اور ہلاکت میں پڑتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج نازل کیا ہے سوائے بڑھاپے کے۔''[2]

عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں متنِ خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے وراثت میں ہر حقدار کا حصہ مقرر کر دیا ہے، لہٰذا وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ خبردار! بچہ بستر والے (خاوند) کا شمار کیا جائے گا اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے۔ سن لو! جس نے کسی غیر شخص کو اپنا باپ قرار دیا یا جس نے اپنے موالی (آزاد کنندگان) سے بے رغبت ہو کر کسی اور کو اپنا آقا و مولیٰ (آزاد کرنے والا) سمجھا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''[3]

1 المعجم الکبیر للطبرانی: 293/3، رقم: 3444، ومجمع الزوائد: 268/3، یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 المصنّف لابن أبی شیبة (محقق، دار ابن کثیر): 271/5 3 مسند أحمد: 186/4

پھر آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کو ان کے منیٰ میں ٹھہرنے کے مقامات بتائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''مہاجرین اس جگہ پڑاؤ ڈالیں۔'' آپ نے ان کے لیے قبلے کی دائیں جانب اشارہ کیا اور فرمایا: [illegible] ''اور انصار اس طرف پڑاؤ ڈالیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے قبلے کی بائیں جانب اشارہ کیا، پھر فرمایا: [illegible] ''بقیہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان کے ارد گرد پڑاؤ ڈال لیں۔'' خود آپ ﷺ نے امام کے مصلے کی بائیں جانب منیٰ میں پڑاؤ ڈالا۔[1] پھر آپ ﷺ سے آپ کے لیے ایک عمارت بنانے کے بارے میں پوچھا گیا جو آپ کو دھوپ سے بچائے تو آپ نے فرمایا: [illegible] ''نہیں، منیٰ اس شخص کے لیے اونٹ بٹھانے (اور قیام کرنے) کی جگہ ہے جو پہلے (یہاں) پہنچ جائے۔''[2]

منیٰ میں قربانیاں کرنا

رسول اللہ ﷺ جمرہ کو کنکریاں مارنے اور خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد منیٰ کے اندر قربان گاہ پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے مبارک ہاتھوں سے نحر کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میں نے یہاں اونٹ نحر کیے ہیں اور منیٰ سارا قربان گاہ ہے۔ تم اپنے مقامات پر نحر کرو، اور تمام ایام تشریق ذبح کے ایام ہیں۔''[3]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب کو قربانی کے جانوروں میں شریک فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے اور رسول اللہ ﷺ مدینہ سے جو جانور لائے تھے، ان کی تعداد ایک سو تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے۔[4]

امام ابن حبان اور دیگر فرماتے ہیں: قربانیوں کی تعداد کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ برس ہے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونٹ قربان کرتے وقت اس کا بایاں پاؤں باندھ دیتے اور اسے کھڑا کر کے نحر کرتے۔[6] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ وہ ایک شخص کے پاس پہنچے، وہ اپنی قربانی کے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے کھڑا کر کے باندھو (پھر نحر کرو)، یہ

1 سنن أبي داود: 1951. 2 سنن أبي داود: 2019، سنن ابن ماجه: 3007. 3 صحيح مسلم: 1218، السنن الكبرى للبيهقي: 239/5، مسند أحمد: 82/4. 4 صحيح مسلم: 1218. 5 صحيح ابن حبان: 250/9، البداية والنهاية: 167/5. 6 سنن أبي داود: 1767.

محمد ﷺ کی سنت ہے۔[1]

حجۃ الوداع میں سو اور صلح حدیبیہ میں ستر اونٹ نحر فرمائے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حج میں سو اونٹ نحر فرمائے۔ ساٹھ اپنے دست مبارک سے اور باقی آپ کے حکم سے نحر کیے گئے۔ آپ نے ہر جانور سے ایک ایک بوٹی لی۔ سب کو جمع کر کے ایک ہنڈیا میں پکایا گیا۔ کچھ بوٹیاں آپ ﷺ نے کھا لیں اور باقی کا شوربہ پی لیا۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے ستر اونٹ نحر کیے تھے۔ ان میں ابوجہل والا اونٹ بھی شامل تھا۔ جب ان جانوروں کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح روتے تھے جیسے اونٹنی اپنے بچے کو یاد کر کے روتی ہے۔[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

[illegible]

''قربانیوں کے گوشت، چمڑے اور جل (پالان) کو مساکین میں تقسیم کر دو اور قصائی کو بطور اجرت اس میں سے کچھ نہ دو، اور ہر قربانی کے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر ایک ہنڈیا میں پکاؤ تاکہ ہم یہ گوشت کھائیں اور شوربہ پئیں۔''[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ کے قربانی کے جانوروں کی نگرانی کروں۔ ان کے گوشت، چمڑے اور جھولیں (پالان) صدقہ کر دوں اور یہ چیزیں ذبح کرنے والوں کو بطور اجرت نہ دوں۔ فرمایا: [illegible] ''اجرت ہم اپنے پلے سے دیں گے۔''[4]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پہلے جمرۂ عقبہ کو رمی کی، پھر قربانی کی، بعدازاں سر منڈایا۔[5]

ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی

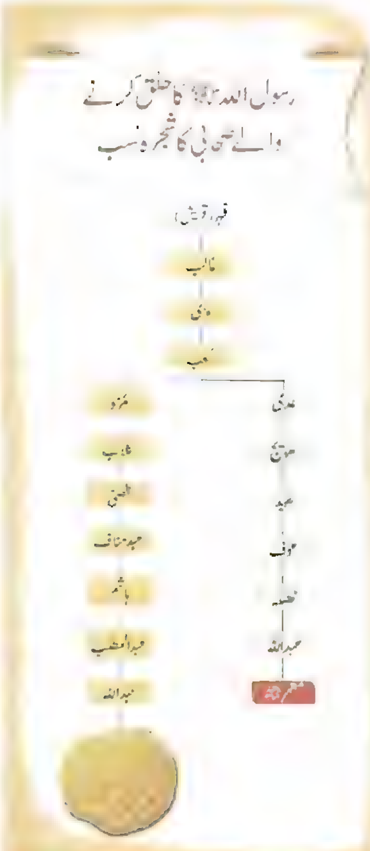
اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی کیونکہ وہ بھی آپ کے ساتھ حج تمتع کر رہی تھیں اور ان کے لیے بھی قربانی کرنا ضروری تھا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

1 صحیح البخاری: 1713 2 مسند احمد 314/1 نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے جو اونٹ نحر کیے تھے ان میں ان کی تعداد 60 ذکر ہوئی ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ یہ تعداد 63 تھی جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے گزرا ہے۔ 3 مسند احمد 260/1.
4 صحیح البخاری: 1707، صحیح مسلم 1317 5 مسند احمد 260/1

قربانی کے دن ہمارے پاس گائے کا گوشت لایا گیا تو میں نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے؟ لانے والے نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی سب ازواج کی طرف سے ایک ہی گائے ذبح کی تھی۔[2]

سنن کبریٰ نسائی میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام ازواج کی جانب سے ایک ایک گائے ذبح کی۔[3] حافظ ابن حجر ؒ نے اسے شاذ اور گزشتہ روایت کے مخالف قرار دیا ہے۔[4]

پھر صحابہ کرام ؓ نے اپنی اپنی قربانیاں ذبح کیں اور سات سات افراد کی طرف سے ایک ایک اونٹ ذبح کیا گیا اور سات سات افراد ہی نے ایک ایک گائے ذبح کی۔[5] ایسا اس بنا پر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حج کی نیت کو عمرے میں بدلنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے ایک دوسرے کو قربانی میں شریک کر لیا۔ جن کے پاس ہدی نہیں تھی، آپ نے ان کے بارے میں فرمایا:



[illegible]

''جو قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین روزے ایام حج میں اور سات روزے اپنے گھر پہنچ کر رکھے۔''[6]

رسول اللہ ﷺ نے حلق کرایا

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج کے موقع پر سر مبارک منڈایا تھا۔[7]

رسول اللہ ﷺ جب قربانیوں سے فارغ ہوئے تو آپ نے حجام کو بلایا۔ اس نے آپ کا حلق کیا۔ حلق کرنے والے حجام کا نام معمر بن عبداللہ العدوی ؓ تھا۔[8] انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجام سے فرمایا: ''یہ (بال) لو۔''

1 صحیح البخاري: 1709، 2 سنن أبي داود: 1750، 3 السنن الکبری للنسائي: 4115، 4 فتح الباري: 696/3،
5 صحیح مسلم: 1318، 6 صحیح البخاري: 1691 وصحیح ابن خزیمة: 2926، 7 صحیح البخاري: 1726، 8 شرح صحیح مسلم للنووي: 46/9، وفتح الباري: 562/3

پھر اپنے مبارک ہاتھ سے اپنی دائیں جانب اس طرح اشارہ کیا، یعنی پہلے دائیں جانب سے شروع کرو، پھر آپ نے اپنے بال قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں تقسیم فرما دیے۔ پھر حجام کو بائیں طرف اشارہ کیا کہ اب بائیں جانب سے سر مونڈو۔ حجام نے آپ ﷺ کا سر مونڈ دیا تو آپ نے اپنے بال سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو عطا فرما دیے۔ ایک روایت میں ہے: حجام نے دائیں جانب سے سر مونڈنا شروع کیا تو آپ نے ایک ایک، دو دو بال لوگوں کو عطا فرما دیے، پھر آپ نے بائیں طرف سے حجامت بنانے کا اشارہ کیا۔ حجام نے اس طرف سے بھی سر مونڈ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: [illegible] ''ابوطلحہ کہاں ہیں؟'' پھر آپ نے اپنے موئے مبارک ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما دیے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سر منڈانے کے بعد بال ابوطلحہ کو دے دیے اور فرمایا: [illegible] ''ان کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔''[2] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سر منڈایا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک بال حاصل کیے۔[3]

ایک دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے حجام سے حلق کرانے کا ارادہ فرمایا تو حلق کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ایک پہلو کے بال لے لیے اور اپنی اہلیہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیے۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا جب کوئی خوشبو تیار کرتیں تو ان مبارک بالوں کو اس خوشبو میں ڈبو دیتی تھیں۔[4]

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھا جب آپ ﷺ حجام سے حلق کرا رہے تھے اور لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع تھے، چنانچہ آپ کا جو بھی موئے مبارک گرتا تو وہ کسی نے ہاتھ ہی میں گرتا تھا۔[5] محمد بن عبداللہ بن زید اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اور ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس قربان گاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تقسیم فرمایا، لیکن اس میں سے مجھے اور میرے انصاری ساتھی کو کچھ نہیں ملا، پھر آپ ﷺ نے سر کے بال منڈائے اور ان بالوں کو اپنے کپڑے میں جمع کیا، پھر آپ نے وہ بال مجھے بھی عطا فرمائے اور لوگوں میں بھی تقسیم فرمائے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ناخن کٹروائے، وہ میرے ساتھی کو عنایت کر دیے۔[6]

حلق کرانے والوں کے لیے بار بار دعا

نبی ﷺ کے ساتھیوں نے بھی بال منڈائے، یعنی حلق کرایا لیکن بعض نے حلق کے بجائے قینچی سے بال کتروائے۔

1 صحیح مسلم: 1305۔ 2 صحیح مسلم: (326)-1305۔ 3 صحیح بخاری: 171۔ 4 مسند احمد: 146/3۔
5 صحیح مسلم: 2325۔ 6 مسند احمد: 42/4۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے حلق کرانے والوں کے لیے دعا فرمائی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔" لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی رحم کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔" صحابہ نے پھر عرض کی: بال کتروانے والوں پر بھی۔ تب آپ ﷺ نے بال کتروانے والوں کے لیے بھی یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! بال کتروانے والوں پر بھی رحم فرما۔"[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حج یا عمرے کے موقع پر ہرچند بال کتروانا جائز ہے لیکن محبوب اور افضل عمل بال منڈانا ہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منڈانے والوں کے لیے تین مرتبہ رحمت و مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ مذکورہ دعائیہ کلمات آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی کہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی، جیسا کہ سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بال منڈانے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی جبکہ بال ترشوانے والوں کے لیے صرف ایک دفعہ دعا فرمائی۔[2]

رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی کہ آپ نے بال منڈانے والوں کے لیے تین دفعہ اور ترشوانے والوں کے لیے صرف ایک دفعہ دعا کیوں کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "منڈانے والوں نے کسی قسم کا تردد نہیں کیا (بلکہ میرا حکم ماننے میں پہل کی ہے)۔"[3]

عورتوں کے لیے بال منڈانا جائز نہیں، وہ صرف اپنی چٹیا کے چند بال (ایک پورے کے برابر) کاٹ لیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کو بال منڈانا نہیں چاہیے بلکہ صرف ترشوانا چاہیے۔"[4]

طواف افاضہ سے پہلے خوشبو لگانا

امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے خوشبو استعمال کرنے کے حوالے سے یہ باب قائم کیا ہے: "جمرات کو رمی کے بعد خوشبو لگانا اور طواف زیارت سے پہلے سر منڈانا۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں

[1] صحیح البخاری، 1727، 1728، صحیح مسلم، 1301، 1302۔ [2] صحیح مسلم، 1303۔ [3] سنن ابن ماجہ، 3045۔
[4] سنن ابی داود، 1984۔

سے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت خوشبو لگائی جب آپ ﷺ نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا۔ اسی طرح اس وقت خوشبو لگائی جب آپ نے طواف زیارت سے پہلے احرام کھولا اور آپ ﷺ احرام کی پابندی سے آزاد ہوئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ عنوان اس طرح ثابت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے منیٰ لوٹے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ نہیں تھیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ جمرۂ عقبہ کو رمی کرنے تک سوار رہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدہ نے آپ کو رمی کے بعد خوشبو لگائی ہوگی، اس لیے رمی اور حلق کے بعد خوشبو لگائی جا سکتی ہے، البتہ عورتوں سے صحبت جائز نہیں، وہ طواف زیارت کے بعد جائز ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو جاؤ تو تمھارے لیے عورتوں کے علاوہ ہر چیز حلال ہے۔ وہ طواف کے بعد حلال ہوں گی۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے ابوالعباس! کیا خوشبو لگانا بھی جائز ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سر میں کستوری لگاتے ہوئے دیکھا، مجھے اس کی مہک آرہی تھی۔ کیا یہ خوشبو نہیں؟[2]

لیکن احرام کھولنے کی اجازت مشروط ہے کہ شام سے پہلے پہلے طواف زیارت کر لیا جائے۔ اگر شام تک طواف نہ کر سکے تو احرام کی پابندیاں لوٹ آئیں گی جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ دس ذوالحجہ کو شام کے وقت جب رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس سیدنا وہب بن زمعہ قمیص پہنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ابوعبداللہ! کیا تم نے طواف افاضہ کر لیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں طواف افاضہ نہیں کر سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اپنی قمیص اتار دو۔'' وہب فرماتے ہیں: جب میں نے قمیص اتار دی تو آپ نے فرمایا: ''اس دن تمھیں رخصت دی گئی ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد تم عورتوں (سے صحبت) کے سوا ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہو لیکن اگر تم شام سے پہلے پہلے طواف نہ کر سکو تو تم پر احرام کی پابندیاں آ جائیں گی یہاں تک کہ تم طواف افاضہ کر لو۔''[3]

ادائے مناسک حج میں ترتیب ضروری نہیں

رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کی، پھر حلق کرایا۔ بعد میں طواف افاضہ کیا لیکن ان چاروں امور میں تقدیم و تاخیر یعنی ترتیب کے بدلنے سے بھی مناسک حج ادا ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنا جائز

1 صحيح البخاري: 1754. 2 سنن النسائي: 3086، سنن الكبرى للبيهقي: 136/5. 3 سنن أبي داود: 1999.

ب۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے منیٰ میں ٹھہرے رہے۔ وہ آپ ﷺ سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلے کیا کرنا ہے۔ میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اب قربانی کر لو، کوئی حرج نہیں۔'' پھر ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے پتہ نہیں چلا اور میں نے رمی کرنے سے پہلے ہی قربانی کر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کوئی حرج نہیں اب رمی کر لو۔'' رسول اللہ ﷺ سے تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے جب بھی کوئی امر پوچھا گیا، آپ ﷺ نے یہی فرمایا: [illegible] ''اب کر لو، کوئی حرج نہیں۔''[1]

ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے سنا کہ اس روز نبی ﷺ سے ان اعمال کے بارے میں جن میں آدمی بھول سکتا ہے یا لاعلم رہ سکتا ہے، بعض امور کی تقدیم و تاخیر یا ان سے ملتی جلتی باتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا: اب کر لو، کوئی حرج نہیں۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے ان تینوں کاموں (طواف افاضہ کے علاوہ سر منڈانے، رمی کرنے اور قربانی) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا: ''اب کر لو، کوئی حرج نہیں۔''[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ذبح کرنے، سر منڈانے، کنکریاں مارنے اور تقدیم و تاخیر کے متعلق عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کوئی حرج نہیں۔''[4]

ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے قربانی کے دن منیٰ کے میدان میں (تقدیم و تاخیر کے متعلق) دریافت کیا جاتا تو آپ یہی فرماتے کہ کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اب ذبح کر لو، کوئی حرج نہیں۔'' پھر اس نے کہا: میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔''[5]

بعض دوسری روایت میں ہے کہ ایک نے آپ سے پوچھا: میں نے طواف پہلے کیا، رمی بعد میں کی۔ ایک اور نے پوچھا: میں نے قربانی سے پہلے طواف کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے جواب میں یہی فرمایا: کوئی حرج نہیں۔[6]

بعض حضرات کے نزدیک دسویں تاریخ کے مناسک میں ترتیب واجب ہے اور اس کے برعکس کرنے پر دم واجب ہے لیکن یہ موقف صحیح نہیں، اور صریح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔

1 صحیح مسلم: 1306۔ 2 صحیح مسلم: (328) 1306۔ 3 صحیح مسلم: (330) 1306۔ 4 صحیح البخاری: 1734۔ 5 صحیح البخاری: 1735۔ 6 فتح الباری: 3/720، 721۔

طواف افاضہ

رسول اللہ ﷺ حلق کرانے کے بعد بیت اللہ کی طرف گئے اور وہاں طواف افاضہ کیا۔ امام ابوداود ؒ نے اپنی مراسیل میں امام زہری ؒ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکے تو پھر آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے قربانیاں کیں، پھر اپنے سر کا حلق کرایا، پھر وہیں سے فوراً طواف افاضہ کے لیے چلے گئے۔[1]

اس طواف کو جو منیٰ سے واپس آ کر کیا جاتا ہے، طواف افاضہ، طواف زیارت اور طواف فرض یا رکن کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے سواری پر طواف کیا، اس کے بعد آپ نے سعی نہیں کی کیونکہ آپ متمتع نہیں تھے اور آپ ﷺ نے آتے ہی طواف قدوم کے ساتھ سعی کر لی تھی، البتہ جو شخص حج تمتع کرتا ہے، وہ آتے ہی عمرہ کرتا ہے جس میں سعی ایک رکن ہے اور پھر طواف افاضہ کے ساتھ بھی سعی کرتا ہے کیونکہ یہ سعی حج کا رکن ہے۔ آپ ﷺ نے چونکہ حج والی سعی پہلے کر لی تھی، اس لیے آپ نے اس طواف کے ساتھ سعی نہیں فرمائی۔ اس طواف میں آپ نے رمل بھی نہیں فرمایا۔ سیدنا ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف افاضہ میں رمل نہیں کیا۔[2]

سیدنا ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن طواف افاضہ کیا، پھر واپس آ کر ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔[3]

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ کا طواف اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کیا۔ آپ دور سے حجر اسود کا استلام کر رہے تھے مبادا لوگوں کو تکلیف ہو۔[4]

ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے سال آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ کر نکلے..... حدیث کے آخر میں سیدہ کہتی ہیں کہ جنھوں نے عمرے کے لیے احرام باندھ رکھا تھا، انھوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی اور پھر حلال ہو گئے۔ پھر منیٰ سے واپسی کے بعد انھوں نے اپنے حج کے لیے ایک اور سعی کی۔ البتہ جنھوں نے حج کے لیے احرام باندھا تھا یا جنھوں نے عمرہ و حج جمع کیا تھا، یعنی حج قران یا حج مفرد کے لیے احرام باندھا تھا، انھوں نے صرف ایک ہی سعی کی۔[5]

جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب ؓ نے صفا و مروہ کی صرف ایک ہی سعی کی۔[6]

[1] المراسیل لأبی داود: 150، السنن الکبری للبیہقی: 144/5. [2] سنن الکبری للنسائی: 4170، سنن ابن ماجہ: 3060. [3] صحیح مسلم: 1308. [4] صحیح مسلم: 1274. [5] صحیح البخاری: 1556، صحیح مسلم: 1211. [6] صحیح مسلم: 1215.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس روایت میں وہ صحابہ کرام مراد ہیں جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے اور وہ قارن تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تیری یہ سعی تیرے حج و عمرہ دونوں کے لیے کافی ہے۔'' اس وقت سیدہ عائشہ عمرے کے ساتھ حج شامل کر کے قارنہ بن چکی تھیں۔[1] لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کے نزدیک سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول قران کرنے والوں کو بھی شامل ہے اور تمتع کرنے والوں کو بھی۔ اسی لیے امام احمد نے صراحت فرمائی ہے کہ تمتع کرنے والے کو بھی حج و عمرہ دونوں کے لیے ایک ہی سعی کافی ہے، چاہے وہ ان کے درمیان حلال بھی ہو چکا ہو۔ یہ قول غریب ہے اور اس کی دلیل حدیث کے ظاہری عام الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب متمتع کے علاوہ قارن کے لیے بھی دو طواف اور دو سعی کے قائل ہیں۔ ایک عمرے کے لیے، دوسرا حج کے لیے۔ قارن کے بارے میں ان کا یہ قول بھی غریب ہے جسے انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ اگرچہ یہ ان سے مرفوعاً بھی مروی ہے مگر ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ اس قول کی سندیں ضعیف اور صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔[2] واللہ اعلم

اور مالکیہ و شافعیہ کے نزدیک متمتع دو طواف اور دو سعی کرے گا جبکہ قارن اور افراد کرنے والا ایک سعی کرے گا۔ جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔

ظہر کی نماز مکہ میں یا منیٰ میں؟

رسول اللہ ﷺ نے دس ذوالحجہ کو ظہر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی یا منیٰ میں؟ اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے دس ذوالحجہ کو ایک طواف کیا، اس کے بعد قیلولہ فرمایا، پھر منیٰ چلے گئے۔[3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح ثابت ہے۔ گویا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایسا کیا اور رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی بتا دیا۔ البتہ مرفوع روایت میں ہے کہ جب آپ وہاں سے لوٹے تو ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن طواف افاضہ کیا، پھر واپس منیٰ آ کر ظہر کی نماز ادا کی۔[4]

اس کے برعکس سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ میں ادا کی۔[5]

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دن کے پچھلے پہر ظہر پڑھ لینے کے بعد طواف افاضہ

1 صحیح مسلم، 1211، سنن أبي داود، 1897۔ 2 [illegible] 5/171، 172۔ 3 صحیح البخاري، 1732۔ 4 صحیح مسلم، 1308۔ 5 صحیح مسلم، 1218۔

کیا۔ پھر آپ ﷺ منیٰ چلے گئے اور وہاں ایام تشریق کی راتیں گزاریں۔ آپ سورج ڈھلنے کے بعد ہر جمرے کو سات سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔[1]

محب الدین طبری نے ان روایتوں کے درمیان یوں تطبیق دی ہے: ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ یا منیٰ میں اکیلے نماز ظہر پڑھی ہو، پھر دوسرے مقام پر اپنے صحابہ کو نماز باجماعت پڑھائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے منیٰ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظہر کی نماز پڑھائی ہو، پھر آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف زیارت کیا ہو اور وہاں پھر اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنھوں نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو نماز ظہر باجماعت پڑھائی ہو۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ دونوں روایات صحیح مسلم کی ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی، پھر منیٰ میں واپس آئے، لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے، لہٰذا آپ نے انھیں دوبارہ ظہر کی نماز پڑھا دی۔ واللہ اعلم

آپ کا ظہر کے وقت منیٰ میں پہنچنا ممکن ہے کیونکہ وہ گرمی کا موسم تھا اور دن لمبا تھا، اگرچہ اس دن کے شروع میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سے افعال صادر ہوئے۔ آپ اس دن فجر کی نماز کے بعد خوب روشنی پھیل جانے پر طلوع شمس سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو چلے۔ منیٰ آنے کے بعد آپ نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی، پھر منیٰ میں آ کر آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کیے۔ باقی سینتیس اونٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نحر کیے۔ پھر ہر اونٹ سے ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر گوشت پکایا گیا۔ پک جانے کے بعد آپ نے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے حجامت بھی کرائی اور خوشبو بھی لگوائی۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر آپ بیت اللہ جانے کے لیے سوار ہوئے، پھر اس دن آپ نے ایک عظیم الشان خطاب بھی فرمایا۔

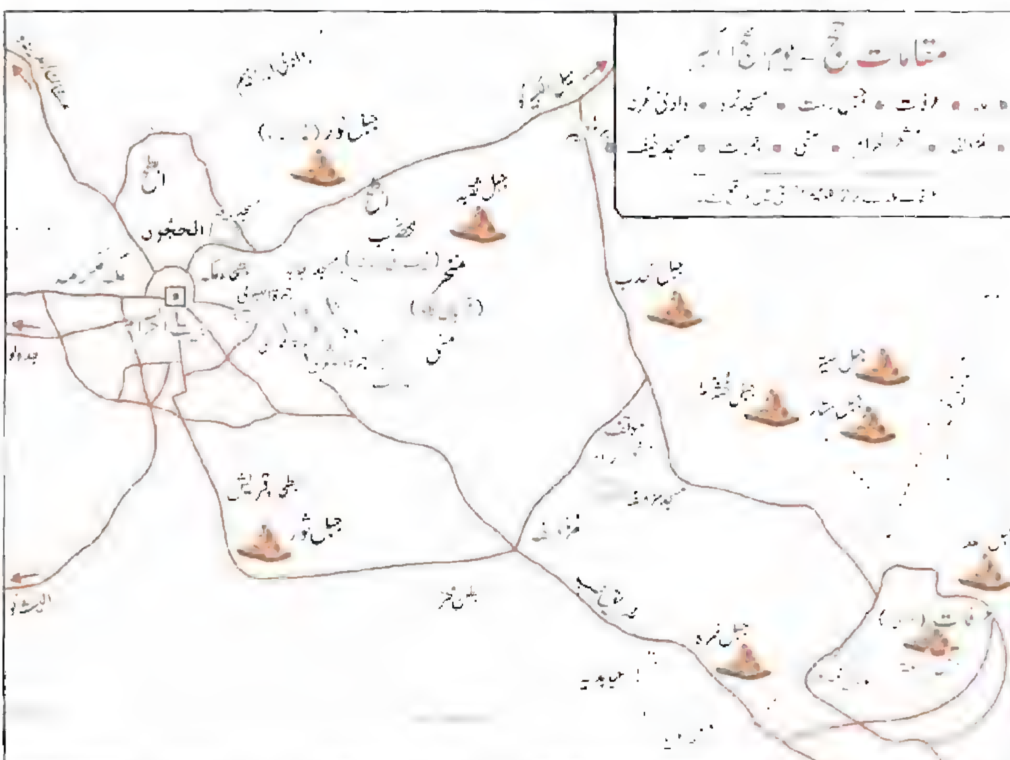
جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ یہ خطاب بیت اللہ کی طرف روانگی سے قبل ہوا یا مکہ سے منیٰ واپسی کے بعد۔ خیر! آپ نے بیت اللہ پہنچنے کے بعد سوار ہو کر سات چکر لگائے۔ اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کی، جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، پھر آپ نے زمزم کا پانی پیا بلکہ زمزم کے پانی میں بنا ہوا کھجور کا نبیذ نوش فرمایا۔ یہ تمام باتیں اس قول کو قوی قرار دیتی ہیں کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ظہر کے آخری وقت میں منیٰ پہنچ گئے ہوں اور آپ نے صحابہ کو دوبارہ ظہر کی نماز پڑھا دی ہو۔[3]

1 سنن أبي داود، 1973. 2 القرى للطبري: 7/347. 3 صحيح مسلم، 1218، البداية والنهاية: 5/169، 170، مزید دیکھیے زاد المعاد: 2/280-283، مرعاة المفاتيح: 9/43-45

رسول اللہ ﷺ نے طواف افاضہ کس وقت کیا؟

نبی ﷺ نے حلق کرانے کے فوراً بعد طواف کیا۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو زبیر کی روایت بیان کی ہے جو انھوں نے سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے طواف زیارت کو رات تک مؤخر کیا تھا۔[1] رسول اللہ ﷺ نے دس ذوالحجہ کو ظہر کے وقت طواف زیارت کیا جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جس میں رسول اللہ ﷺ کے رات کو طواف کرنے کا تذکرہ ہے اس سے مراد دیگر ایام منیٰ میں طواف کرنا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے ان دونوں روایات میں تعارض دور کرنے کے لیے ابوحسان کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایام منیٰ میں طواف زیارت کیا کرتے تھے۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے دن کے وقت طواف زیارت کیا جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے اور باقی ایام منیٰ یعنی گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں کے دن آپ ﷺ نے رات کے وقت بیت اللہ کا طواف کیا جیسا کہ ابوحسان رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔[3] اس کے علاوہ امام ابوحاتم ابن حبان رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے

[1] صحیح البخاری، الحج، باب [illegible] قبل الحدیث: 1731، وسنن ابی داود، حدیث: 2000، وجامع الترمذی، حدیث: 920، ومسند احمد: 288/1. [2] صحیح البخاری، الحج، قبل الحدیث: 1731. [3] فتح الباری: 716/3.



رمی جمار اور قربانی کے بعد طواف زیارت کیا اور پھر منیٰ تشریف لے گئے۔ وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ ایک اور طواف کیا۔[1]

ایک اور طرح بھی تطبیق دی گئی ہے جس میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے دن کے پہلے وقت میں اپنا طواف افاضہ کیا اور پھر آپ ﷺ اپنی بیویوں کے ہمراہ ایک مرتبہ پھر طواف کے لیے تشریف لے گئے۔ ابن جریج نے طاؤس سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ نحر کے وقت طواف افاضہ کریں اور خود آپ نے اپنی ازواج کے ساتھ رات کو طواف کیا جبکہ آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔[2]

طواف کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں ادا کیں۔[3]

زمزم

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زمزم نوش فرمایا۔

قریش نے بیت اللہ سے متعلقہ خدمات کو تقسیم کر رکھا تھا جس کی تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا: 1/336,335 میں گزر چکی ہے۔ ان میں سے حجاج کرام کو پانی پلانے کا انتظام عبدالمطلب کے بیٹے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ذمے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت کے اس نظام کو برقرار رکھا اور زمزم کے کنویں کا انتظام و انصرام سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے دیا۔ وہ زمزم کے پانی میں کشمش بھگوتے اور نبیذ بنا کر حجاج کو پلاتے تھے۔ زمزم کا خالص پانی بھی پلایا جاتا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب حج کے ایام آئے، رسول اللہ ﷺ زمزم پلانے کی جگہ تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا تو سیدنا عباس نے اپنے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مشروب لاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''مجھے اسی سے پلاؤ۔'' عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تم مجھے اسی میں سے پلاؤ۔'' چنانچہ آپ نے اس میں سے پیا، پھر آپ چشمہ زمزم کے پاس تشریف لائے، وہاں لوگ پانی پلانے کا کام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible] يعني عاتقه، وأشار إلى عاتقه

''اپنے کام میں مصروف رہو، تم اچھا کام کر رہے ہو۔'' پھر فرمایا: ''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ

[1] صحیح ابن حبان: 9/195. [2] الطبقات لابن سعد: 2/182. [3] سنن أبي داود: 1881.

گے تو میں یقیناً سواری سے اتر کر رسی اپنے یہاں (کندھے پر) رکھ لیتا۔" یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔[1]

مغلوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اتر کر خود پانی کھینچوں گا تو لوگ مجھے دیکھ کر پانی کھینچنے کے لیے دوڑ آئیں گے اور تمھارے کام میں رکاوٹ ہوگی۔ پھر یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں لوگ اسے مناسک حج میں سے نہ سمجھ لیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنو عبدالمطلب نے نبی ﷺ کو زمزم کا ڈول پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا، پھر اس میں سے کچھ زمزم کے کنویں میں انڈیل دیا، پھر آپ ﷺ نے اسی پانی سے وضو بھی کیا۔[2]

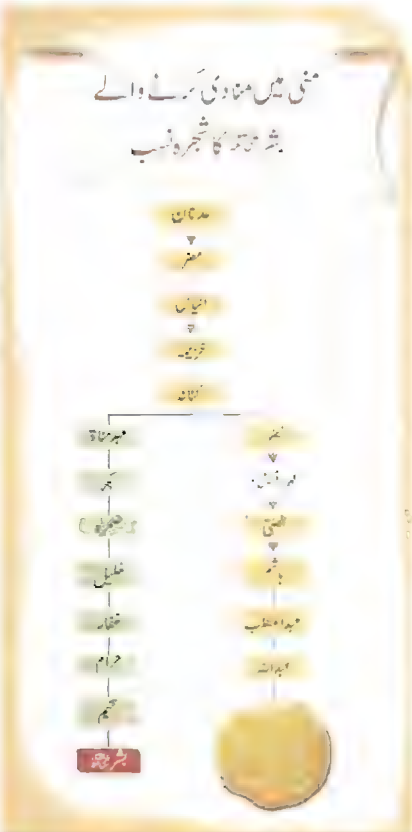
سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے، طواف کے بعد ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی، پھر بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ زمزم پر حاجیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بنو عبدالمطلب! شاباش، پانی نکالو۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر ہجوم کریں گے اور تمھیں پانی نہ پلانے دیں گے تو میں خود تمھارے ساتھ مل کر ڈول نکالتا۔" پھر انھوں نے آپ ﷺ کو پانی سے بھرا ہوا ڈول دیا اور آپ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا۔[3]

بکر بن عبداللہ مزنی کہتے ہیں کہ میں کعبے کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور ان سے کہنے لگا کہ تمھارے چچازاد بھائیوں نے دودھ اور شہد کی سبیلیں لگا رکھی ہیں، تم صرف نبیذ پلا رہے ہو! ایسا تمھاری کسی ضرورت کی وجہ سے ہے یا بخل دامن گیر ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمدللہ، ہمیں کوئی حاجت لاحق ہے نہ بخل۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پلائی تھی اور آپ نے ہماری تحسین فرمائی تھی اور یہ عمل جاری رکھنے کی تلقین کی تھی، اس لیے ہم آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہی عمل جاری رکھے ہوئے ہیں۔[4]

کھڑے ہو کر زمزم پینا

رسول اللہ ﷺ نے زمزم کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمزم پلایا۔ آپ نے اسے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ لیکن عکرمہ رحمہ اللہ نے قسم کھا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس دن اونٹ پر سوار تھے۔[5]

[1] صحیح بخاری 1635، [2] صحیح مسلم 1218، صحیح ابن حبان 3944، مسند احمد 1/372، 76، [3] صحیح مسلم 1218، سنن ابی داود 1905، سنن ابن ماجہ 3074، [4] صحیح مسلم 1316، [5] صحیح بخاری 1637



میں گزارے۔ سورج ڈھلنے کے بعد آپ روزانہ ہر جمرے کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر بھی پڑھتے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بشر بن سحیم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ منیٰ میں لوگوں کے پاس جا کر یہ منادی کریں:

''جنت میں مسلمان شخص کے سوا کوئی داخل نہیں ہو سکے گا اور یہ ایام (تشریق) کھانے پینے کے دن ہیں۔''[2]

مسعود بن حکم انصاری زرقی اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار دیکھ رہی تھی جب وہ انصار کے پڑاؤ میں ٹھہر کر یہ کہہ رہے تھے: اے لوگو! رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''یہ روزے رکھنے کے دن نہیں بلکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[3]

یہی اعلان کرنے کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص، کعب بن مالک اور اوس بن حدثان رضی اللہ عنہم کو بھی بھیجا تھا۔[4]

چرواہوں اور سقایہ کے لیے رخصت

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ پانی پلانے کے انتظامات کے لیے وہ منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں بسر کریں تو آپ نے انھیں اجازت دے دی۔[5] اسی طرح عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو (منیٰ سے باہر) رات گزارنے کی رعایت دی کہ وہ قربانی کے دن رمی کریں، پھر قربانی کے بعد دو دن کی رمی اکٹھی

[1] سنن أبي داود: 1973، [2] سنن ابن ماجه: 1720، مسند الطيالسي: 1396، [3] مسند أحمد: 92/1، السنن الكبرى للنسائي: 2887، [4] صحيح مسلم: 1142، مسند أحمد: 169/1 و 174، [5] صحيح البخاري: 1745

کسی ایک دن (گیارہ یا بارہ تاریخ کو) کر لیں۔ اس کے بعد والے کسی دن (تیرہ ذوالحجہ کو) رمی کر لیں۔[1]

حسب ضرورت یہ اجازت عام ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی مجبوری ہو اور اس کا کوئی دوسرا حل نہ نکل سکتا ہو تو اس صورت میں منیٰ سے باہر رات گزاری جا سکتی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں بسر کرنا ضروری ہیں کیونکہ یہ عمل مناسک حج میں سے ہے اور مناسک حج پر عمل کرنا واجب ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دنوں فرمایا تھا: [illegible] ''مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔''[2] بغیر کسی وجہ کے یا سستی اور کاہلی کی بنا پر منیٰ سے باہر رات گزارنے پر دم لازم ہو سکتا ہے۔

منیٰ میں سب حجاج کے لیے نماز قصر

رسول اللہ ﷺ نے حج کے دوران میں عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ کے ایام میں نماز قصر ہی پڑھائی جیسے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں دو دو رکعت پڑھتے تھے، اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ابتدائی دور خلافت میں دو دو رکعت پڑھنے کا اہتمام کیا۔[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کا یہ خیال ہے کہ آپ ﷺ منیٰ میں مکہ والوں سے خطاب فرما کر کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پوری پڑھو، ہم تو مسافر لوگ ہیں، اسے غلطی لگی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان فتح مکہ کے دور کا ہے جب آپ ابطح میں ٹھہرے ہوئے تھے۔[4] واللہ اعلم

ایام تشریق میں کنکریاں مارنا

رسول اللہ ﷺ ایام تشریق کے تینوں دنوں میں جمرات کے پاس پہنچتے اور زوال شمس کے بعد کنکریاں مارتے تھے۔ آپ کنکریاں مارنے کے لیے پیدل تشریف لے جاتے۔ ہر جمرے کو سات سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ بآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے۔ آپ ﷺ پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر بڑی لمبی دعا کرتے اور دعا کرتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھاتے تھے۔ جب آپ ﷺ تیسرے جمرے کو کنکریاں مارتے تو اس کے بعد کھڑے ہو کر دعا نہیں کرتے تھے۔[5]

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے جمرات کے قریب کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی تاکہ تمام لوگ بآسانی کنکریاں مار سکیں۔ اس وجہ سے اگر جمرات سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو کر بھی دعا کی جائے تو

1 سنن ابی داود: 3037، جامع الترمذی: 976 2 السنن الکبریٰ للبیہقی: 125/5 3 صحیح البخاری: 1655
4 البدایۃ والنہایۃ: 177/5 5 صحیح البخاری: 1751، 1753

کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہنا مشروع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے کنکری مارتے وقت اللہ اکبر نہ کہا تو اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ البتہ امام ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص مساکین کو کھانا کھلائے اور اگر وہ بطور فدیہ دم دے تو زیادہ بہتر ہے۔[1]

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کی دعائیں

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران مختلف مواقع اور مختلف مقامات پر دعائیں کیں۔ کہیں مختصر دعا کی اور کہیں بڑی لمبی دعائیں کیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے جب احرام باندھا، اس وقت سے لے کر دس ذوالحجہ جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک آپ ﷺ کبھی بلند آواز سے اور کبھی آہستہ آواز سے وقفے وقفے سے تلبیہ پکارتے رہے۔ جب آپ بلندی پر چڑھتے یا نیچے اتر رہے ہوتے، سواری پر ہوتے یا پیدل، کسی کام سے یا کلام سے فارغ ہوتے تو آپ تلبیہ ہی پکارتے رہتے۔ فی الجملہ جب تک آپ احرام کی حالت میں رہے، تلبیہ ہی پکارتے رہے۔

حج کے ان تمام اوقات میں آپ ﷺ کی مختلف حالتیں رہیں، کبھی سفر کرتے ہوئے، اونٹنی پر سوار ہوتے ہوئے، طواف کرتے ہوئے، زمزم پیتے ہوئے اور دیگر حاجات کو پورا کرتے ہوئے گویا کہ ان تمام مراحل کے دوران میں آپ مختلف اذکار اور دعائیں کرتے رہے۔ کچھ مقامات ایسے بھی آئے جہاں آپ ﷺ نے خصوصی دعائیں کیں، مثلاً: طواف میں رکن یمانی سے حجر اسود کے درمیان، پھر دوران سعی صفا اور مروہ پہاڑی پر، عرفات کے میدان میں اور مشعر الحرام کے نزدیک، پھر جمرۂ صغری اور جمرۂ وسطی کے پاس، ان تمام مقامات پر آپ ﷺ سے دعائیں منقول ہیں۔[2]

ماہ ذوالحجہ کے مختلف دنوں کے معروف نام

ذوالحجہ کی 6 تاریخ کو بعض مورخین نے یوم زینت کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ اس دن قربانی کے جانور کو مخصوص اشیاء، جھول وغیرہ کے ذریعے مزین کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول ذوالحجہ کی 7 تاریخ کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن حجاج کرام پانی سے اچھی طرح سیراب ہوتے تھے اور اونٹوں کو بھی سیراب کرتے تھے۔ نیز حج کے دنوں کے لیے ضرورت کا پانی بھی ساتھ لے لیتے تھے۔ لیکن معروف یہ ہے کہ یوم الترویہ آٹھ ذوالحجہ کو کہا

[1] فتح الباری: 3/798 [2] دیکھیے زاد المعاد: 2/267، 268.

"کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟"

اور یہ وہ دن تھا جسے یوم الرؤوس کا نام دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ ایام تشریق کا درمیانہ دن ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا تمھیں پتہ ہے یہ شہر کون سا ہے؟"

وہ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ حرمت والا مقام ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"ممکن ہے آئندہ سال میں تم سے نہ مل سکوں۔ خبردار! تمھارے خون، اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارا یہ آج کا دن تمھارے اس شہر میں تمھارے لیے مقدس و محترم ہے۔ یہ حرمت اس وقت تک قائم رہے گی جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنے سے دور والے کو یہ باتیں پہنچا دے۔ سنو! کیا میں نے بات پہنچا دی؟"[1]

اسی طرح ابوحرہ رقاشی اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں کہ میں ایام تشریق کے درمیانے دن رسول اللہ ﷺ کی

1 المعجم الأوسط للطبراني: 2430، سنن أبي داود: 1953

اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا اور لوگوں کے ہجوم میں آپ ﷺ کے لیے راستہ بنا رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟ تم اب کس مہینے میں ہو؟ اور یہ شہر کون سا ہے؟''

لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج حرمت والا دن ہے، مہینہ بھی حرمت والا ہے اور شہر بھی حرمت والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تمھارے خون، اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمھارا آج کا دن، اس مہینے اور اس مقدس شہر میں حرمت والا ہے۔ یہ حرمت قیامت کے دن تک قائم رہے گی۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری بات سنو! تم (میری نصیحت پر عمل کر کے) پرسکون زندگی گزارو گے۔ خبردار! ظلم نہ کرنا۔ خبردار! ظالم نہ بننا۔ خبردار! ظلم سے باز رہنا۔ کسی شخص کا مال اس کی قلبی رضامندی کے بغیر کسی دوسرے شخص کے لیے حلال نہیں۔ خبردار! ہر قسم کے خون، اموال اور جاہلی مفاخر آج میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ تاقیامت سب سے پہلا جو خون معاف کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ وہ بنولیث میں دودھ پی رہا تھا کہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ آگاہ رہو! جاہلیت کے تمام سود آج سے کالعدم قرار دیے جاتے ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے پہلا سود جو کالعدم قرار دیا جاتا ہے، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ تمھارے لیے اب صرف تمھارا اصل مال (حلال) ہوگا۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو، نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ خبردار! زمانہ اپنی اسی اصل حالت پر لوٹ آیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ﴾

''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہے۔ اسی دن سے جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی صحیح دین ہے۔ تم ان مہینوں میں (قتال ناحق سے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا۔''[1]

خبردار! میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگنا۔ آگاہ رہو! شیطان اس بات سے مایوس

1 [illegible] 36:9

ہو گیا ہے کہ نمازی لوگ اس کی عبادت کریں گے لیکن وہ تمھیں آپس میں لڑانے سے مایوس نہیں ہوا۔ لہٰذا عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ یہ عورتیں تمھارے پاس مددگار کی حیثیت سے ہیں۔ وہ اپنے لیے کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔ ان کے تم پر اور تمھارے ان پر حقوق ہیں۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر تمھارے علاوہ کسی اور کو جگہ نہ دیں اور کسی ایسے شخص کو گھر آنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اور اگر تمھیں ان کی نافرمانی کا خدشہ ہو تو انھیں نصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انھیں ایسی مار مارو کہ اس کا نشان نہ پڑے۔ اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ ان کا نان و نفقہ اور لباس وغیرہ اپنی استطاعت کے مطابق فراہم کرو۔ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے انھیں اپنے لیے حلال پایا ہے۔ سن لو! جس کے پاس کسی کی امانت ہو، وہ اسے (صاحب امانت) کو واپس کر دے۔" یہ بات کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ آگے پھیلایا، پھر فرمایا: "کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ کیا میں نے بات آگے پہنچا دی؟ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟" پھر فرمایا: "چاہیے کہ یہاں موجود لوگ غیر موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں کیونکہ بہت سے لوگ جنھیں بات پہنچائی جاتی ہے، وہ سننے والے سے زیادہ سعادت مند ہوتے ہیں۔"[1]

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے سرِوں والے دن خطبہ فرمایا۔ اہل مکہ کا اتفاق ہے کہ یہ یوم نحر سے اگلا دن تھا۔ یہ بھی آیا ہے کہ وہ ایام تشریق میں سے اوسط یعنی درمیانہ دن تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ درمیانے سے افضل دن مراد ہو جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

"اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی یعنی افضل امت بنایا۔"[2]

لیکن علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی یہ توجیہ بعید ہے۔[3] واللہ اعلم

سورۂ نصر کا نزول

امام بیہقی موسیٰ بن عبیدہ کے واسطے سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت ایام تشریق کے درمیانے دن ہی میں نازل ہوئی:

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

1 مسند احمد 5/72، 73 2 البقرۃ 2:142 3 البدایۃ والنہایۃ 5/178

''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح حاصل ہوئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے۔ بلاشبہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''[1]

یوں آپ نے سمجھ لیا کہ اب چل چلاؤ کا وقت آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی لانے کا حکم دیا تو اسے تیار کر کے لایا گیا۔ آپ اس پر سوار ہو کر لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے گھاٹی میں آ کر رکے۔ جس قدر اللہ نے چاہا، مسلمان آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے ایام تشریق ہی میں خطبہ ارشاد فرمایا۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کی ایک نماز بھی ایسی نہیں دیکھی جس میں آپ نے یہ دعا نہ پڑھی ہو: [illegible][3]

ایام تشریق کی ہر رات بیت اللہ کی زیارت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے صیغۂ تمریض (مجہول) کے ساتھ معلقاً ذکر کیا ہے۔[4]

مسجد خیف کا ایک اہم واقعہ

سیدنا یزید بن اسود عامری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے موقع پر موجود تھا۔ میں نے منیٰ میں مسجد خیف کے اندر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو آپ نے دیکھا کہ دو ایسے آدمی لوگوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے نماز نہیں پڑھی۔ انھیں آپ کے پاس لایا گیا تو ان کی حالت یہ تھی کہ ڈر کے خوف سے ان کے پٹھے کانپ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

[illegible]

''تمھیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روکا ہے؟''

وہ کہنے لگے: ہم نے اپنے خیموں میں نماز پڑھ لی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

1 النصر 110: 1-3. 2 السنن الکبریٰ للبیہقی: 152/5، مسند البزار: 298/12، یہ روایت ضعیف ہے۔ السیح [illegible]: 728/3) 3 صحیح البخاري: 4967، صحیح مسلم: 484. 4 صحیح البخاري، قبل حدیث: 1732، السنن الکبریٰ للبیہقي: 146/5، [illegible] 804.

"اس طرح نہ کیا کرو، جب تم اپنی جائے قیام میں نماز پڑھ لو اور پھر تم مسجد میں لوگوں کے ساتھ مل جاؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ یہ نماز تمھارے لیے نفل بن جائے گی۔"[1]

بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے روانگی

اگر حاجی 12 ذوالحجہ کو غروب شمس سے پہلے پہلے نکلنا چاہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اس امر کی اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾

"اور (قیام منیٰ کے) گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو، پھر اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں (منیٰ سے مکے کی طرف واپس) چل دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ تقویٰ اختیار کرے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا۔"[2]

اسی لیے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: جو شخص منیٰ میں ہو اور 12 ذوالحجہ کا سورج غروب ہو جائے تو وہ 13 ذوالحجہ کی کنکریاں مارنے سے پہلے منیٰ سے نہ نکلے۔[3]

منیٰ سے واپسی

جب ایام تشریق کا آخری دن آیا جو منگل کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمیت زوال کے بعد منیٰ سے نکلے۔ آپ ﷺ وادی محصب میں قیام پذیر ہوئے، یہ وادی مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان ہے۔ یہ بنو کنانہ کی وادی تھی۔ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ جن کے پاس رسول اللہ ﷺ کا مال و اسباب محفوظ تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے وادی محصب میں خیمہ لگا رکھا تھا۔ آپ ﷺ اسی خیمے میں قیام پذیر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ جس وقت منیٰ میں تھے، آپ نے اسی وقت یہ اعلان فرما دیا تھا:

«نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ»

1 سنن أبي داود: 575، صحيح ابن حبان: 1665. 2 البقرة 2:203. 3 الموطأ للإمام مالك: 1/407

''کل ہم بنو کنانہ کی گھاٹی میں خیمہ زن ہوں گے جہاں انھوں (کفارِ قریش) نے کفر پر معاہدہ کیا تھا۔''[1]

یہی وہ مقام تھا جہاں رسول اللہ ﷺ نے منیٰ سے واپسی پر ایک دن اور ایک رات بسر فرمائی۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں: ابو رافع رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے منیٰ سے نکلتے ہوئے مجھے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ میں ابطح میں قیام کروں۔ میں از خود وہاں آگیا اور آپ کے لیے خیمہ لگایا، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابو رافع نبی ﷺ کے سامان کی حفاظت اور نقل و حمل پر مامور تھے۔[2]

عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جناب والا! مجھے وہ چیز بتائیے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر یاد رکھی ہو۔ آپ ﷺ نے ترویہ کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ وہ فرمانے لگے: منیٰ میں۔ میں نے کہا: کوچ والے دن عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ فرمایا: ابطح میں۔ پھر فرمانے لگے: جس طرح تمھارے امراء و حکام کریں، تم بھی اسی طرح کرو۔[3] ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے کوچ والے دن ظہر کی نماز بھی ابطح یعنی محصب میں پڑھی۔[4] واللہ اعلم

کیا ابطح میں قیام سنت ہے؟

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ابطح میں ٹھہرا کرتے تھے۔[5]

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کل کہاں ٹھہریں گے؟ یہ آپ کے حج کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: [illegible] ''کیا عقیل نے ہمارا کوئی گھر (باقی) چھوڑا ہے؟'' پھر فرمایا: ''ہم ان شاء اللہ کل خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے یعنی محصب میں جہاں قریش نے کفر کا معاہدہ کیا تھا۔'' بات یہ تھی کہ بنو کنانہ نے اس جگہ قریش کے ساتھ بنو ہاشم کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا کہ نہ ان سے کوئی رشتہ ناتا کریں گے، نہ کوئی لین دین اور سودا کریں گے اور نہ ان کو کوئی ٹھکانا مہیا کریں گے حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا۔'' امام زہری کہتے ہیں کہ خیف سے مراد وادی ہیں۔[6]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابطح (محصب) میں ٹھہرنا (اعمالِ حج کی سنتوں میں سے کوئی) سنت نہیں۔ وہ تو ایک

1 صحیح البخاری: 1590، صحیح مسلم: 1314,1313، مسند احمد: 237/2۔ 2 صحیح مسلم: 1313۔ 3 صحیح البخاری: 1763، صحیح مسلم: 1309۔ 4 صحیح مسلم: 1310 (338)۔ 5 صحیح مسلم: 1310۔ 6 مسند احمد: 202/5

منزل تھی جس میں آپ اس لیے ٹھہرے تھے کہ مدینہ روانگی میں آسانی رہے۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: تحصیب یعنی محصب میں ٹھہرنا کوئی چیز نہیں۔ وہ تو پڑاؤ کی ایک جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے قیام کیا تھا۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام لوگ اس بات پر تو متفق ہیں کہ جب نبی ﷺ نے منیٰ سے کوچ فرمایا تھا تو آپ محصب میں ٹھہرے تھے۔ مگر کیوں ٹھہرے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ آپ وہاں قصداً نہیں ٹھہرے تھے بلکہ صرف اس لیے ٹھہر گئے تھے کہ وہاں سے مدینہ جانے میں آسانی رہے۔ بعض دیگر فقہاء کا خیال ہے کہ آپ وہاں قصداً ٹھہرے تھے۔ اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف کی صورت میں گزرنا چاہیے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ لوگ منیٰ ہی سے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو جایا کرتے تھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صراحت فرمائی ہے، لہٰذا لوگوں کو طواف وداع کا حکم دیا گیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مسلمان ساتھی بھی ظاہر ہے طواف وداع کے بعد ہی مدینہ روانہ ہوتے تھے۔ آپ منیٰ سے زوال کے بعد جمرات کو رمی کر کے چلے۔ اب یہ ممکن نہیں تھا کہ اتنے بڑے مجمع کے ساتھ آپ باقی دن کے دوران میں بیت اللہ جاتے، طواف وداع کرتے اور فوراً مدینہ چل پڑتے، لہٰذا مکہ میں داخل ہونے سے قبل آپ کے لیے راستے میں رات گزارنا ضروری تھی اور اس غایت کے لیے محصب سے زیادہ مناسب کوئی اور مقام نہ تھا جہاں قریش اور بنو کنانہ نے باہم مل کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ منصوبہ ناکام فرما دیا تھا بلکہ انھیں ذلیل و رسوا ہو کر ناکامی اور نامرادی کا کڑوا گھونٹ پینا پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور کلمۂ طیبہ کو غالب فرمایا، نبی کریم ﷺ کے ذریعے دین اسلام کو مکمل فرمایا اور صراط مستقیم کو اجاگر کر دیا۔ لہٰذا آپ نے حج کے شرائع کی تکمیل اور شعائر اللہ کی ادائیگی کے بعد واپسی کے موقع پر اس جگہ قیام فرمایا جہاں قریش نے ظلم و زیادتی اور قطع رحمی کا معاہدہ کیا تھا۔ آپ نے اس جگہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور تھوڑی دیر استراحت کے لیے سو گئے۔[4]

وادی محصب ہی وہ جگہ تھی جو ظلم و عدوان کے معاہدے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ اب وہاں اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی رحمتیں سمیٹنے والے آکر قیام فرما ہوئے۔ ان مقدس حضرات کی زندگی کے شب و روز دین کی سربلندی

1 صحیح البخاری 1765، صحیح مسلم 1311۔ 2 صحیح مسلم 1312۔ 3 صحیح البخاری 1755، صحیح مسلم 1328۔ 4 البدایة والنهایة 5/181، 182۔



مسجد عائشہ (تنعیم، مکہ مکرمہ)

''تم مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کر لو۔''[1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم حرم سے باہر گئے حتی کہ میں عمرے اور طواف سے فارغ ہو گئی۔ پھر میں السحر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم عمرے سے فارغ ہو گئی ہو؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روبرو کوچ کا اعلان کیا تو لوگ چل پڑے۔[2]

طواف وداع

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: لوگوں کو حکم دیا گیا کہ سب سے آخر میں تمہارا عمل بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ ایام ماہواری والی عورت سے تخفیف کی گئی ہے۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر وادی محصب میں کچھ وقت کو استراحت ہوئے۔ اس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف تشریف لے گئے اور اس کا طواف کیا۔[4]

جمہور علماء کے نزدیک طواف وداع واجب ہے اور اس کے ترک کرنے پر دم لازم آتا ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے سنت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے ترک کرنے پر دم واجب نہیں۔ طواف وداع کے بعد اپنے اپنے علاقوں کی طرف فوری طور پر چل دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر بامر مجبوری کچھ تاخیر ہو جائے تو دوبارہ طواف وداع کی ضرورت نہیں۔ طواف وداع کا دوسرا نام طواف صدر بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز سے پہلے طوافِ وداع کیا اور اس طواف میں رمل نہیں فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو فجر کی نماز بیت اللہ کے پاس پڑھائی اور اس نماز میں سورہ طور کی تلاوت فرمائی کیونکہ صحیح بخاری میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں بیمار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سوار ہو کر لوگوں سے بالا بالا طواف کر لو۔'' دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

1 صحیح البخاری: 1772، 2 صحیح البخاری: 1560، 3 صحیح البخاری: 1755، 4 صحیح البخاری: 1756

[illegible] ''جب صبح کی نماز کی اقامت ہو جائے اور لوگ نماز شروع کر دیں، اس وقت تم اپنے اونٹ پر (لوگوں سے باہر باہر) طواف کر لینا۔'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کی تو میں نے طواف شروع کر دیا۔ آپ اس وقت سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔[1]

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور حجر اسود اور کعبے کے دروازے کے درمیان ملتزم کے مقام پر کھڑے رہے اور اپنا جسد مبارک کعبے کی دیوار سے لگائے رکھا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مقدس چہرہ اور سینہ مبارک ملتزم سے چمٹا رکھا تھا۔[3]

حائضہ کے لیے طواف وداع کی رخصت

رسول اللہ ﷺ نے حائضہ عورت کو طواف وداع چھوڑنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ پیچھے بھی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر ہوا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض کی حالت پیش آ گئی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''کیا یہ ہمیں روک لیں گی؟''

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے پوچھا:

[illegible]

''کیا اس نے قربانی کے دن طواف کیا تھا؟''

لوگوں نے کہا کہ انھوں نے طواف زیارت کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''پھر کوئی حرج نہیں۔'' یعنی سفر کا آغاز کرو۔[4]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں بھی ہے کہ حائضہ عورت کو طواف وداع کے بغیر جانے کی اجازت دی گئی ہے۔[5]

1 صحيح البخاري 1619 و 1626. 2 [illegible] 182/5. 3 السنن الكبرى للبيهقي 161/5. 4 صحيح البخاري 1757، 1771، 1772. 5 صحيح البخاري 1760، 1761.

زمزم اپنے شہروں کو لے جانا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب مدینہ واپس ہوتے تو اپنے ساتھ زمزم لے کر جاتے تھے۔ اسی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے ساتھ زمزم لے کر جاتی تھیں۔[1]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس موقع پر جب آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوئے تھے تو اس دوران میں آپ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری کی اطلاع ملی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ میں مقیم تھے۔ ان کی بیماری اس قدر شدت اختیار کر چکی تھی کہ وہ خود فرماتے ہیں: بیماری نے مجھے موت کے منہ میں ڈال دیا تھا۔[2] انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت اس دنیا کو خیرباد کہہ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

"کیوں روتے ہو؟"

وہ عرض کرنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس سرزمین میں فوت ہو جاؤں گا جہاں سے میں نے ہجرت کی تھی، جیسے سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات سن کر بارگاہ الٰہی میں تین مرتبہ یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ! سعد کو صحت دے دے، اے اللہ! سعد کو تندرستی عطا فرما۔"[3]

آپ ﷺ نے اس موقع پر سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ابن عفراء (سعد بن خولہ) پر رحم فرمائے۔"[4]

ایک روایت میں ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ مجھے الٹے پاؤں واپس نہ کرے (کہ یہیں میری موت واقع نہ ہو)۔ اس پر آپ ﷺ

[1] صحیح ابن ماجہ: 963، [2] صحیح البخاری: 3936، [3] صحیح مسلم: 1628(8)، [4] صحیح البخاری: 2742

نے فرمایا:

’’ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھیں صحت عطا فرمائے اور تمھارے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو نفع دے۔‘‘ [1]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مال و دولت سے نواز رکھا تھا اور اس وقت ان کی ایک ہی صاحبزادی تھی جس کا نام ام حکم کبریٰ تھا۔ [2] انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میری بیماری کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ میرے پاس بہت سارا مال ہے اور میری وارث میری ایک بیٹی ہی ہے تو کیا میں اپنے سارے مال (کو اللہ کی راہ میں وقف کرنے) کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’نہیں۔‘‘ انھوں نے پوچھا: پھر دو تہائی مال خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ’’نہیں۔‘‘ انھوں نے عرض کی: آدھا کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے کہا: پھر ایک تہائی کر دوں؟ آپ نے فرمایا:

’’(ہاں) ایک تہائی کی (وصیت کر دو) اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں محتاج چھوڑ دو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے، تمھیں اس کا اجر و ثواب ملے گا حتی کہ اس لقمے کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے۔‘‘ [3]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

’’اپنے مال میں سے تمھارا صدقہ کرنا صدقہ ہے، اپنے عیال پر تمھارا خرچ کرنا صدقہ ہے۔ تمھارے مال سے تمھاری بیوی جو کھاتی ہے، وہ بھی صدقہ ہے۔ تم اپنے اہل و عیال کو (کافی مال دے کر) خیر کے عالم

1 صحیح البخاري: 2744. 2 صحیح البخاري: 2742، فتح الباري، مقدمة، ص: 410. 3 صحیح البخاري: 4409، و 2742، صحیح مسلم: 1628

میں چھوڑ جاؤ۔ یا فرمایا: اچھی گزر بسر کے ساتھ چھوڑ جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں اس حال میں چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔" اور آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر کے دکھایا۔"[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ بھی مدینہ چلے جائیں۔ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنے ساتھیوں کے (مدینہ لوٹ جانے کے) بعد پیچھے (یہیں مکہ میں) چھوڑ دیا جاؤں گا؟ آپ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

"اگر تم نہیں جا سکے تب بھی اگر تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے کوئی عمل کرو گے تو تم درجے اور بلندی میں اور بڑھ جاؤ گے۔ اور امید ہے کہ تم ابھی زندہ رہو گے اور تم سے کچھ لوگوں (مسلمانوں) کو نفع پہنچے گا اور کچھ لوگوں (اسلام دشمنوں) کو نقصان پہنچے گا۔ اے اللہ! میرے ساتھیوں کی ہجرت کامل فرما اور انھیں ان کی ایڑیوں کے بل نہ لوٹا لیکن بے چارے سعد بن خولہ (وہ تو فوت ہی ہو گئے)۔"[2]

آپ نے سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس وجہ سے غم کا اظہار کیا کہ وہ پہلے ہی مکہ آ کر فوت ہو گئے تھے۔

مدینہ کی جانب واپسی

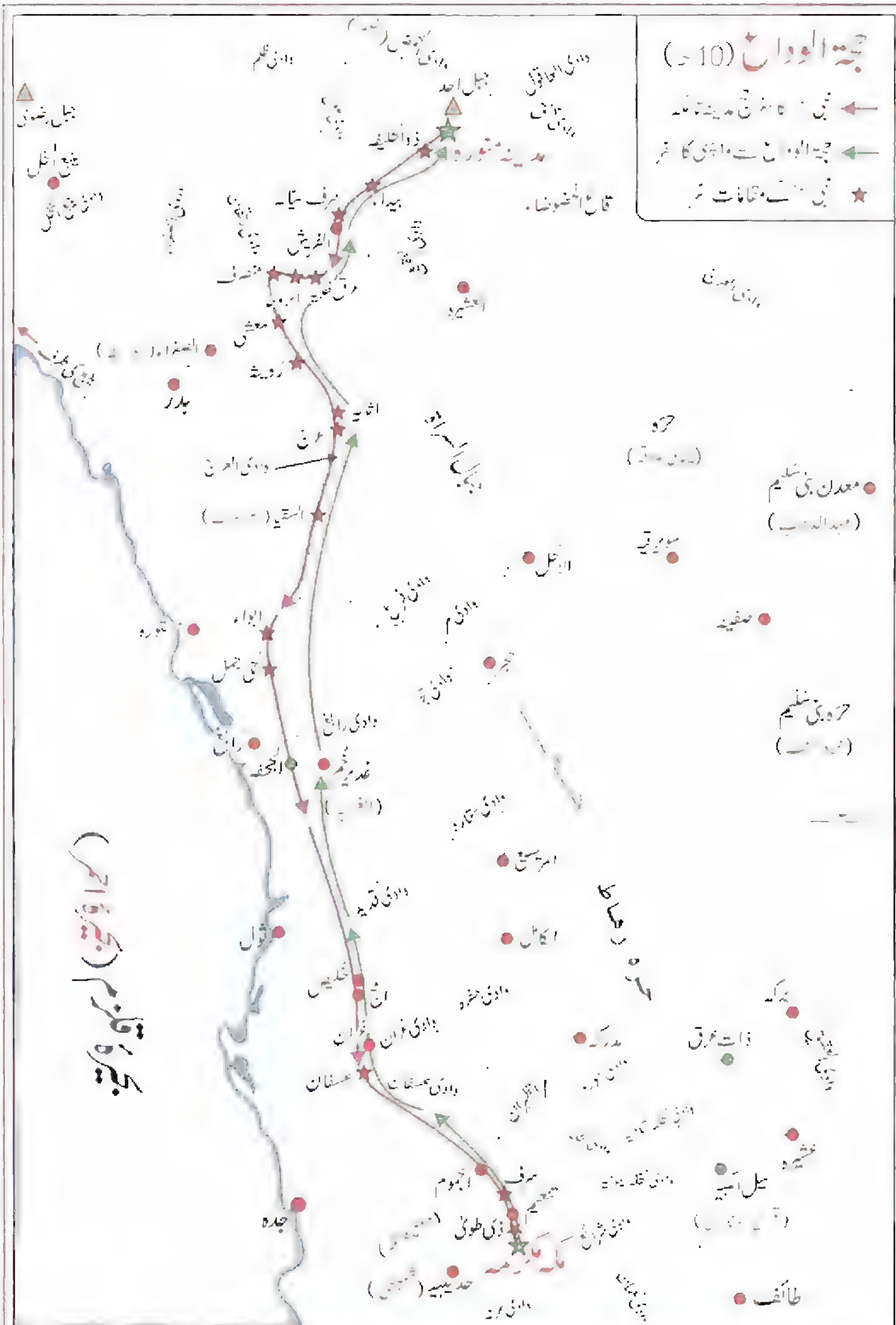
رسول اللہ ﷺ مکہ سے ثنیۂ السفلی (ثنیۂ کدی) کی طرف سے نکلے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بطحاء کی بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور نشیبی جانب سے نکلے۔[3] ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ آپ کداء سے داخل ہوئے اور کدی سے نکلے۔[4] یہ وہ مقام ہے جہاں پہلے باب عمرہ تھا اور اب یہ جگہ ملک عبداللہ رحمہ اللہ کی طرف سے توسیع حرم مکہ میں شامل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر دس دن قیام فرمایا۔

خطبۂ غدیر خم

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل کر غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو نبی ﷺ نے سب کو یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

1 صحیح مسلم، 1628 [8]۔ 2 صحیح البخاری، 4409، صحیح مسلم، 1628۔ 3 صحیح البخاری، 1576۔
4 صحیح البخاری، 1578، صحیح مسلم، 1258۔



حجۃ الوداع (10ھ)
جبل احد
ذوالحلیفہ
بدر
معدن بنی سلیم
الجحفہ
غدیر خم
عسفان
ذات عرق
ذی طویٰ
حدیبیہ
جدہ
طائف



غدیر خم



میقات جحفہ (رابغ)

غدیر خم ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے 8 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ آج کل اس کا نام الغربہ ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پورے جزیرہ نمائے عرب سے لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج ادا کرنے آئے تھے۔ حج سے فراغت پا کر رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد بتدریج تمام لوگوں کو بھی اپنے اپنے علاقے کی طرف واپس جانا تھا۔ غدیر خم وہ مرکزی مقام تھا جہاں سے مختلف علاقوں کی طرف رستے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی بنا پر اس جگہ پڑاؤ ڈالا تاکہ سب لوگ آپ ﷺ کے ارشادات کو پلے باندھ لیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت جحفہ کے قریب ایک مقام غدیر خم میں خطاب فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی اور ان لوگوں کے اعتراضات سے ان کی براءت بیان فرمائی جو یمن کے علاقے میں ان کے ساتھ تھے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ سیدنا علی نے ظلم، سختی اور کنجوسی کا مظاہرہ کیا ہے، حالانکہ انھوں نے عدل و انصاف کے تقاضے پوری طرح ملحوظ رکھے تھے، لہٰذا جب آپ مناسک حج ادا کرنے کے بیان سے فارغ ہوگئے اور واپس مدینہ چل پڑے تو آپ نے اثنائے راہ میں اس کی وضاحت کرنا مناسب خیال فرمایا۔ آپ نے 18 ذوالحجہ کو غدیر خم میں ایک درخت کے نیچے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ آپ نے اس خطبے میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت، امانت و دیانت، عدل و انصاف اور ان سے اپنے قریبی تعلق کا تذکرہ فرمایا جس سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات زائل ہو گئے۔

خطاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

مؤرخ محمد بن اسحاق نے حجۃ الوداع کے بیان میں لکھا ہے: یزید بن طلحہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے اپنے لشکر سمیت یمن سے آ رہے تھے۔ وہ اپنی جلد فوج سے پہلے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو نائب مقرر کر کے رسول اللہ ﷺ سے شوق ملاقات میں خود آگے نکل گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد اس شخص نے تمام فوجی دستے کو اس مال میں سے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھوڑ گئے تھے،

ایک ایک خوبصورت جوڑا دے دیا۔ جب یہ فوجی دستہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے مکہ سے باہر آئے تو دیکھا کہ ان سب کے بدن پر خوبصورت جوڑے تھے۔ آپ اپنے نائب سے کہنے لگے: تجھ پر افسوس! یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں نے انھیں نئے خوبصورت جوڑے اس لیے دیے کہ جب وہ لوگوں میں پہنچیں تو ممتاز نظر آئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تم پر افسوس ہے! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے پہلے تمام جوڑے واپس لے لو۔ اس نے سب سے نئے جوڑے واپس لے لیے اور سرکاری مال میں جمع کرا دیے۔ فوجی دستہ اس سلوک پر پیچ و تاب کھانے لگا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے لگا۔[1]

اس کا مفصل تذکرہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی اسی جلد کے پہلے باب عام الوفود کے آخر میں ''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا سریہ یمن'' کے زیرِ عنوان گزر چکا ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکایات کیں تو رسول اللہ ﷺ خطاب فرمانے کے لیے اٹھے۔ میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے:

[illegible]

''اے لوگو! علی کی شکایت نہ کرو۔ وہ اگر سختی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اللہ کے راستے میں کرتے ہیں۔ ان کی شکایت تو بنتی ہی نہیں۔''[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

درج بالا شکایت کنندگان میں سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں: میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن گیا۔ میں نے ان میں کچھ سختی دیکھی۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذکر تنقیص کے انداز میں کیا۔ میں نے دیکھا کہ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''بریدہ! کیا میں مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟''

میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

1 السیرة لابن هشام: 4/250. 2 مسند أحمد: 3/86، السیرة لابن هشام: 4/250.

[illegible]

”جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔“ [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”کیا تم جانتے نہیں کہ میں مومنوں پر ان کی جانوں سے بڑھ کر حق رکھتا ہوں؟“

سب نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”پھر یاد رکھو جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے، تو بھی اسے دوست بنائے اور جو علی سے دشمنی رکھے، اس سے تو بھی کنارہ کرلے۔“ [2]

خطبے کے الفاظ

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپسی کے دوران غدیر خم میں ٹھہرے تو آپ نے بڑے بڑے درختوں کے نیچے صفائی کا حکم دیا۔ صفائی کے بعد لوگوں کو اکٹھا کر کے فرمایا:

[illegible] ثم اخذ بيد علي فقال [illegible]

”یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھے واپس بلایا جا رہا ہے اور میں نے ہاں کر دی ہے۔ میں تم میں دو اہم اور وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت۔ اس امر کا خیال رکھنا کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ دونوں اکٹھے میرے پاس حوض پر آجائیں گے۔ اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں ہر مومن کا دوست ہوں۔“ پھر آپ نے سیدنا علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ”میں جس شخص کا دوست ہوں، یہ بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ!

[1] مسند أحمد 347/5، [2] صحيح ابن حبان 6931

جو اس سے دوستی رکھے اس سے تو بھی دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"

سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے واقعتاً یہ گفتگو سنی ہے؟ وہ فرمانے لگے: ان درختوں کے نیچے موجود ہر شخص نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے یہ باتیں سنی تھیں۔[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے اللہ کے شایان شان اس کی حمد و ثنا بیان کی، لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی، پھر فرمایا:

[illegible]

[illegible]

فحث على كتاب الله ورغب فيه [illegible]

[illegible]

"اما بعد، لوگو! سنو، میں بھی ایک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت قبول کر لوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔" آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کے بارے میں (لوگوں کو) ابھارا اور شوق دلایا، پھر فرمایا: "(دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دہانی کراتا ہوں۔ اپنے گھرانے کی بابت اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔"[2]

زید بن یثیع اور سعید بن وہب سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رحبہ (مسجد کوفہ کے صحن) میں لوگوں سے پوچھا: کس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو غدیر خم میں گفتگو فرماتے ہوئے سنا ہے؟ وہ اٹھ کھڑا ہو۔ چھ آدمی سعید کی طرف سے اور چھ آدمی زید کی طرف سے کھڑے ہوئے۔ ان سب نے گواہی دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو غدیر خم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "کیا اللہ تعالیٰ مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حقدار نہیں؟" لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: "اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! جو اس سے دوستی اور محبت رکھے، تو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"[3]

1 السنن الکبری للنسائی، 8092۔ 2 صحیح مسلم، 2408۔ 3 مسند احمد، 118/1، السنن الکبری للنسائی، 8483۔

خطبہ عذرِ قم سے حاصل ہونے والا سبق

رسول اللہ ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شدید محبت رکھتے تھے۔ آپ سراپا رحمت و الفت تھے۔ آپ ﷺ نے جب بھی کسی صحابی کو پریشان دیکھا تو اس کی دلجوئی اور خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اگر کبھی صحابہ کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو جاتی تو آپ احسن انداز سے اس کا ازالہ فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

"جو شخص اپنے کسی بھائی کی عزت کا دفاع کرے گا، اللہ عزوجل قیامت والے دن اس کے چہرے سے آگ دور کرے گا۔"[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ ایمان لانے میں اسی طرح سبقت کرنے والے تھے جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سبقت کی تھی۔ آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ اگر کوئی صحابی کسی ساتھی کی وجہ سے پریشان ہوتا تو آپ اس کا دفاع کرتے۔ اور اگر مناسب سمجھتے تو تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے وعظ و نصیحت فرماتے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگوں نے باتیں کیں تو آپ شدید برہم ہوئے اور غم و غصے سے تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑ سکتے ہو؟"[2]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہوا، جب ایک یہودی نوجوان شاس بن قیس کی شرارت کی وجہ سے اوس و خزرج کی پرانی دشمنی پھر بھڑک اٹھی اور ان میں تکرار بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا:

"اللہ اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی، اس کے ذریعے سے تمھیں عزت بخشی، تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا، تمھیں کفر سے نجات عطا فرمائی اور تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی۔"[3]

1 سنن الترمذی: 1931، 2 صحیح بخاری: 4640، 3 سیرۃ ابن ہشام: 2/556

سریۂ موتہ کے موقع پر جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے امیر ہونے کی حیثیت سے ایک غنی سے مال غنیمت واپس لیا تو سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد سے بحث وتکرار کی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو سارا واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ ارشاد فرمایا: [illegible] ''اے خالد! اسے کچھ نہ دو۔''

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''کیا تم میرے لیے میرے امرا کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمھیں تو ان کے امور کی خیر اور بھلائی حاصل ہو اور ان کے حصے میں صرف ذاتی ذمہ داری آئے؟''[1]

جب بھی آپس میں اختلاف کی نوبت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الفت ومحبت کا سبق دیا اور ایسے تاریخی الفاظ کہے جن سے صحابہ کرام کی فضیلت جاگر ہوگئی جیسا کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ فتح مکہ کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ جب ان کے مکہ خط روانہ کرنے کا انکشاف ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ باوجودیکہ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ غلطی کر بیٹھے تھے، رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ان سے درگزر کیا بلکہ ان کی فضیلت بھی بیان کی اور بخشش کی سند بھی عطا فرمائی کیونکہ وہ بدری صحابی تھے۔ اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں ہمیشہ نرمی اور درگزر کا رویہ اختیار فرمایا۔ صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ کے تعامل سے جہاں آپ کے بے مثل اخلاق کی جھلک نظر آتی ہے، وہاں صحابہ کی فضیلت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح جب یمن سے واپسی پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق پیدا شدہ شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے خطبہ غدیر خم ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو انتہائی پارسا، امانت دار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار قرار دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ

1 مسند أحمد 6/26، 27.

"بے شک ابراہیم سے قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، پھر یہ نبی اور مومن لوگ ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔"[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور انصار کے قبیلوں اوس و خزرج کے دفاع میں خطبے ارشاد فرمائے، اسی طرح آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے اختلاف اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے خطبہ غدیر خم ارشاد فرمایا۔

رسالت مآب ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غیر معمولی محبت اور قدر شناسی کا سلوک ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں باہمی محبت و اخوت کے جذبات مستحکم ہوئے اور امت مسلمہ کے سامنے صحابہ کی عظمت و فضیلت تا ابد نمایاں ہوئی۔ اس طرح تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت حاصل ہوئی کہ وہ اختلاف نہ کریں، آپس میں اتفاق و اتحاد اور تنظیم سے رہیں، نیز مسلمانوں کا جو امیر ہو، اس کی اطاعت کی جائے۔ یہی امت کی اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق کی کنجی ہے۔ جیسا کہ غزوۂ حنین میں جب رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد واپس کرنے کا حکم دیا تو تمام صحابہ کرام نے بلا تامل سارا مال واپس کر دیا۔ یہ تنظیم اور اطاعت کی بہترین مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو ہمیشہ باہمی اخوت، محبت اور اطاعت امیر کا درس دیتے رہے۔ یہی مقصد خطبہ غدیر خم کا تھا جس میں ایک طرف سیدنا علی اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عظیم الشان فضیلت کا ذکر ہے تو اس کے ساتھ ساتھ امیر کی اطاعت اور باہم متحد رہنے کا بھی اشارہ ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی فرمایا، چنانچہ ارشاد مبارک ہے:

[illegible]

"اے لوگو! اللہ سے ڈرو، اگرچہ تمھارے اوپر ایک نکٹا حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ ہو۔ اس کی اس وقت تک سمع و اطاعت کرو جب تک وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔"[2]

صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

[illegible]

"سمع و اطاعت کرو، اگرچہ تمھارے اوپر منقے جیسے سر والا غلام حبشی ہی امیر ہو۔"[3]

1 آل عمران 68. 2 سنن الترمذی، 1706. 3 صحیح بخاری، 7142.

ان روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل متاعِ حیات تقویٰ ہے اور اسی کی بدولت انسان دین و دنیا میں اپنے رب کا خاص بندہ بنتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیت کو دنیا ہی میں جنت کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ذوالحلیفہ میں قیام

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ کے قریب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے وہاں رات گزاری کیونکہ آپ رات کو بغیر تنبیہ کے گھر والوں کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پھر جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر تین مرتبہ تکبیر بلند کی اور کہا:

”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس کی حکومت و بادشاہت ہے۔ وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ہم سفر سے لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، اپنے مالک کی بندگی کرنے والے، اس کے حضور سجدہ ریز ہونے والے اور اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے کفار کی افواج کو شکست سے دوچار کر دیا۔“[1]

یوں آپ کا یہ مبارک سفر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ والحمد للہ

1 صحیح البخاری: 1797

باب

3

سیرت انسائیکلوپیڈیا

وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم



[illegible]

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

"ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔"



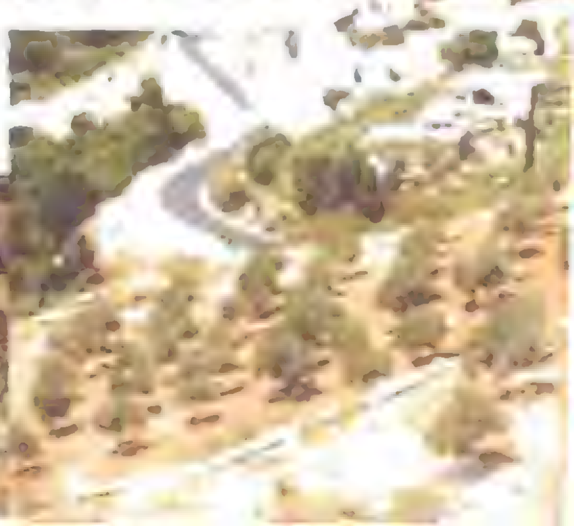


اس باب میں

[illegible]







لشکرِ اسامہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے لوٹنے کے بعد ذوالحجہ 10ھ کے بقیہ ایام، محرم اور صفر میں مدینہ منورہ ہی میں قیام فرما رہے۔ اس دوران آپ کے ذوقِ عبادت اور فکرِ آخرت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور آپ امتِ مسلمہ کی حفاظت، اسلام کے فروغ اور اسلامی مملکت مدینہ کے استحکام کی تدابیر فرماتے رہے۔

سریۂ اسامہ کا پس منظر یہ تھا کہ رومی حکومت کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام اور اہلِ اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے۔ اگر وہاں کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کی شامت آ جاتی اور جان محفوظ نہ رہتی۔ اس حکومت کا غرور توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صفر 11 ہجری کے آخر میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی، سیدنا اسامہ ؓ کو امیرِ لشکر مقرر کیا اور حکم دیا کہ بلقاء اور روم کا علاقہ روند آؤ۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کر کے ان کی حدود پر موجود عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور کسی مغرور کھوپڑی میں یہ نشہ باقی نہ رہے کہ ہم رومی لوگ ناقابلِ تسخیر ہیں۔ ہم جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی مائی کا لال ہم سے کسی طرح کا کوئی مواخذہ یا باز پرس کرنے والا نہیں۔

حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: امام بخاری ؒ نے اس عنوان کو رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت اور آپ کی وفات کے حالات میں بیان کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے دو دن پہلے ہفتے کے روز لشکرِ اسامہ کو روانہ کیا تھا جبکہ اس کی تیاری کا آغاز آپ ﷺ کی بیماری سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔[1] آپ کا سیدنا اسامہ ؓ کو امیرِ لشکر بنانا اور شام کی طرف روانہ فرمانے کا فیصلہ بہت سی حکمتوں، عظمتوں اور برکتوں پر مبنی تھا۔ چونکہ سیدنا اسامہ ؓ کے والدِ گرامی سیدنا زید ؓ اس سرزمین میں شہید کر دیے گئے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اسامہ ؓ کی دلجوئی فرمائی تاکہ وہ اپنے والد کے قاتلوں پر ٹوٹ پڑیں اور اللہ کے دشمنوں کو خاک و خون میں ملا کر اسلام کا پرچم بلند کر دیں۔

اس لشکر میں عام مہاجرین و انصار کے ساتھ ساتھ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر ؓ جیسے گرانمایہ اکابر بھی شامل تھے۔ سیدنا اسامہ ؓ کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ سال تھی۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس لشکر میں بڑے بڑے

1 فتح الباری 8/196.

انصار و مہاجرین موجود ہیں تو اس چھوٹی سی عمر والے اور آزاد کردہ غلام (کے بیٹے) کو امیر کیوں بنایا جا رہا ہے؟ مگر رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اٹھائے گئے تمام اعتراضات یکسر مسترد کر دیے۔[1]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور وہ سب لوگوں میں سے مجھے زیادہ پیارا تھا۔ اب اس کا یہ بیٹا (اسامہ) مجھے سب لوگوں میں سے زیادہ پیارا ہے۔"[2]

بہر حال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے گرد اکٹھے ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ لشکر روانہ ہو کر مدینۂ طیبہ سے تین میل دور مقام جرف میں خیمہ زن ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری سے متعلق تشویشناک خبروں کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا۔ اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی پہلی مہم قرار پائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تو انھوں نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لشکر لے کر چل پڑیں، یوں ان کی قیادت میں لشکر روانہ ہوا۔ وہ تیس روز چلتے رہے آخر کار رومیوں پر حملہ کیا، جس نے بھی وہاں مزاحمت کی اسے قتل کر دیا گیا۔ ان کے مکانات اور کھیتیاں جلا دی گئیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ انھوں نے اس دوران میں اپنے والد کے قاتل کو جہنم واصل کیا۔ مدینہ واپس آنے تک اللہ کے فضل سے ایک مسلمان بھی شہید نہ ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور اہل مدینہ کے ہمراہ ان کا مدینۂ طیبہ سے باہر استقبال کیا۔[3]

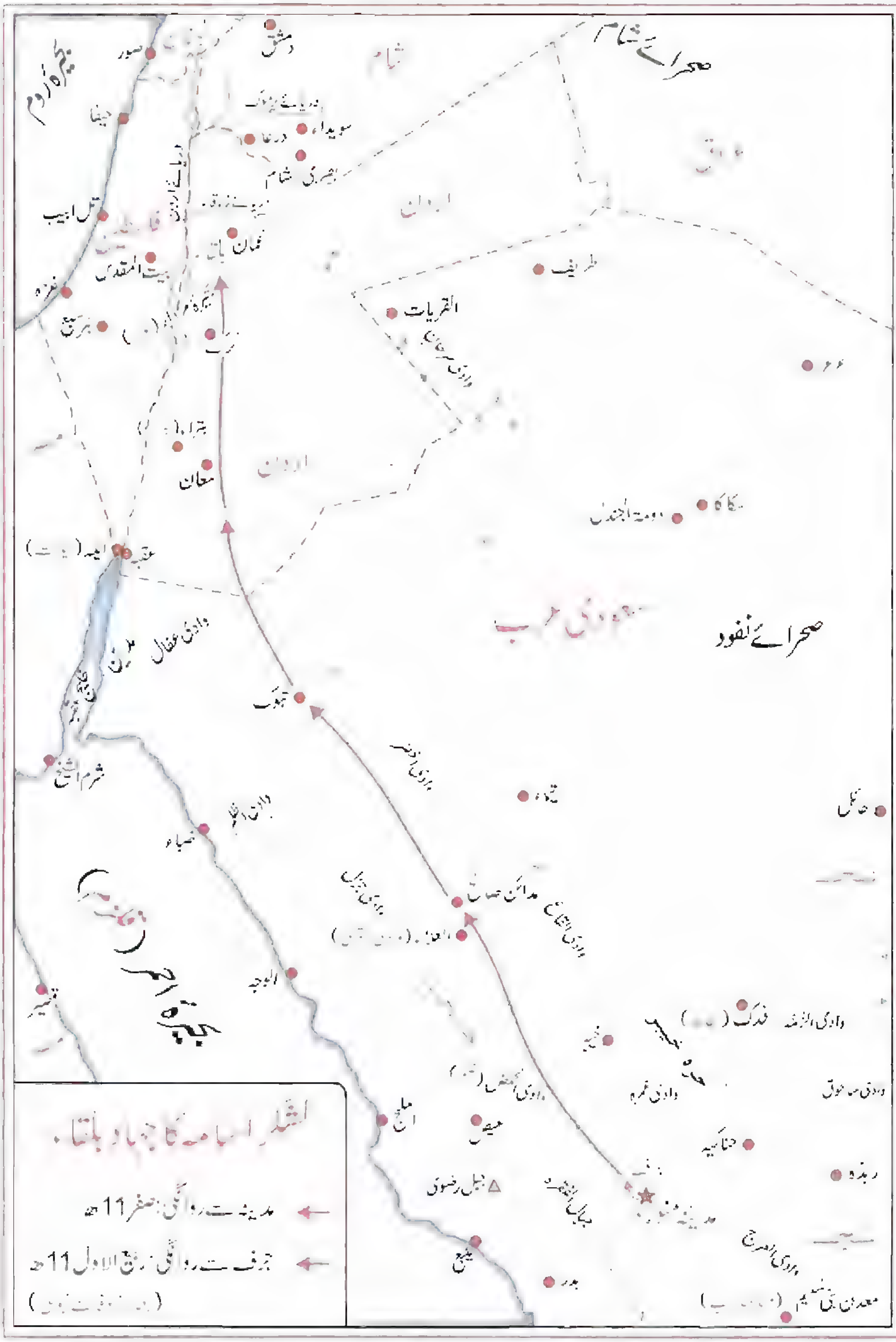
نخلستان جرف (مدینہ منورہ)



1 [illegible] 552/2

2 صحیح البخاري: 3730، وصحیح مسلم: 2426

3 [illegible] 475-478/2، [illegible] 406/12


صحرائے شام
دمشق
شام
بحیرہ روم
صور
حیفا
سویداء
درعا
بصریٰ شام
تل ابیب
عمان
بیت المقدس
غزہ
طریف
القریات
معان
عقبہ
وادی عفال
تبوک
صحرائے نفود
دومۃ الجندل
سکاکہ
تیماء
حائل
شرم الشیخ
ضباء
مدائن صالح
العلا
الوجہ
بحیرہ احمر
فدک
خیبر
وادی الرمہ
وادی عرم
املج
حناکیہ
ربذہ
جبل رضوی
ینبع
بدر
وادی العرج
معدن بنی سلیم
مدینہ سے روانگی: صفر 11ھ
جرف سے روانگی: ربیع الاول 11ھ



شام
عراق
ایران
مصر
جزیرہ نمائے عرب
عمان
بحیرۂ عرب
سوڈان
بحر ہند

حتیٰ کہ خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بھی، ہیچ اور ناقابل توجہ ہے۔ کسی صحابی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے بچھڑ جائیں گے اور ایک دن ایسا سورج بھی طلوع ہوگا جب یہ دنیا آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے خالی ہو جائے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہی مشیت ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ''ہر چیز جو اس روئے زمین پر ہے، فنا پذیر ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات باقی رہنے والی ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ کے فیصلے اٹل ہیں۔ مسلمانوں کو بہرحال اپنے پیارے نبی خاتم النبیین محمد ﷺ کی وفات کا غم سہنا پڑا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن سے زیادہ روشن اور بہترین دن کبھی نہیں دیکھا جب رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اور میں نے اس دن سے زیادہ تاریک اور برا دن بھی کوئی نہیں دیکھا جس روز رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی وفات پر کس قدر زبردست قلق ہوا اور وہ کتنی الم انگیز پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ یقیناً امت محمدیہ پر اس سے زیادہ اذیت ناک اور کوئی پریشانی نہیں آ سکتی۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر آنے والی اس اندوہناک پریشانی سے ناواقف نہ تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے دنیا کی تمام پریشانیوں اور مصائب کے مقابلے میں اس دکھ اور تکلیف کو زیادہ جاں گسل اور جاں گداز قرار دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے لوگو! تم میں سے جس شخص یا مومن کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ میری وفات کی مصیبت کو یاد کر کے اپنی مصیبت میں صبر و تسلی حاصل کرے کیونکہ میری امت کے کسی شخص کو میری وفات سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔''[3]

اگلے صفحات میں انھی جاں گداز لمحات کی جزئیات و تفصیلات درج کی جاتی ہیں جو بجائے خود پوری امت مسلمہ کے لیے ہدایت اور کامیابی کا بہت بڑا سبق ہیں۔

1 الرحمٰن 55:27,26. 2 مسند احمد 122/3. 3 سنن ابن ماجہ، 1599.

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ نیک لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین جزا ہے اور جزا موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد ہی مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو پوری انسانیت کے رہبرِ اعظم اور اللہ کے نہایت محبوب ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انھیں وہ کچھ عطا فرمانے والا تھا جو دنیا میں عطا کرنا ممکن ہی نہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں کسی مومن کو جو اللہ کا قرب اور دیدار نصیب ہوگا، رسول اللہ ﷺ اس نعمتِ عظمیٰ کے تمام مومنوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب آپ اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارالخلد منتقل ہوتے۔

قرآن حکیم میں وفاتِ نبوی کا تذکرہ

رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ پیغام پا چکے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کا پیغام مکمل ہونے کے قریب ہے، لہٰذا اب کسی بھی وقت اس دنیا سے کوچ کرنے کا حکم آ سکتا ہے۔

ذیل میں چند آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں بڑے واضح اشارے موجود ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کی حقیقت کو بہت نمایاں طور پر اجاگر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا بشر ہونا ہی دراصل آپ کے بے مثل شرف و مجد کی اصل بنیاد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی انسان ہونے کے ناتے موت اور اس کے اثرات و آثار اور احوال سے دوچار ہوئے جیسا کہ سابقہ انبیائے کرام ﷺ بھی اپنے اپنے وقت پر موت کی وادی سے گزرے سوائے سیدنا عیسیٰ ﷺ کے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان پر اٹھا لیا لیکن موت کا ذائقہ انھیں بھی بہرحال چکھنا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾

’’ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔‘‘[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

’’اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں

1. الرحمٰن 55:26

کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[1]

امام قرطبی رحمۃ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں میں ہمیشہ نہیں رہتے اور اللہ کے رسول ﷺ خواہ طبعی طور پر وفات پا جائیں یا بصورت شہادت اس دنیا سے رخصت ہو جائیں، تب بھی بہرصورت ان کی تعلیمات کو مضبوطی سے اپنائے رکھنا ضروری ہے۔[2] ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی وفات پا جائیں گے اور وہ (کافر) بھی یقیناً مر جائیں گے۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جن کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات کی دلیل سمجھا حتی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کی موت کا یقین کر لیا۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، اگر آپ مر جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟''[5]

مذکورہ آیات آپ ﷺ کی وفات پر نص صریح ہیں۔

وفات کے اشارے

بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی صراحت تو نہیں مگر صاف صاف اشارے ضرور موجود ہیں، مثلاً:

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿٥﴾

''اور یقیناً آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''[6]

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 آل عمران 144:3. 2 تفسیر القرطبی، آل عمران 144:3. 3 الزمر 30:39. 4 تفسیر ابن کثیر، الزمر 30:39. 5 الأنبیاء 34:21. 6 الضحیٰ 93:4، 5.

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

''ہر چیز، جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے۔ اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔''[1]

3 ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے، اسی کی حاکمیت و فرمانروائی ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''[2]

پھر اس کے بعد بتا دیا کہ موت ایک طے شدہ ناگزیر چیز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝

''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں اور آخر کار تمھیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''[3]

یہ آیات وضاحت کر رہی ہیں کہ تمام اہلِ زمین پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ یا محفوظ نہ رہے گا۔

دین مکمل ہو گیا

کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کر دیا ہے۔ دینِ اسلام کی ترویج اور اشاعت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آخری نبی ﷺ کو مبعوث کیا تھا۔ اب چونکہ دین مکمل ہو گیا ہے، اس لیے رسالت کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہونے والا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اپنا فریضہ بطریقِ احسن و اکمل ادا کر چکے ہیں۔ اب عنقریب ربِ کریم سے آپ ﷺ کی ملاقات ہو گی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[4]

1 الرحمٰن 55: 26، 27 2 القصص 28: 88 3 الأنبياء 21: 35 4 المائدة 5: 3

جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس بات نے رلایا ہے؟ انھوں نے کہا: "کمال کے بعد صرف زوال ہوتا ہے۔" گویا انھوں نے اس آیت سے آپ ﷺ کی وفات کو محسوس کر لیا تھا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

"(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"[2]

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کے بارے میں سوال کیا تو صحابہ کرام نے کہا: اس سے مراد ہماری فتح و نصرت ہے جب شہر اور محلات فتح ہوں گے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: اے ابن عباس! اس آیت کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا: اس سے مراد فتح مکہ ہے اور عنقریب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی اطلاع ہے۔

ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے اہل بدر کے ساتھ بلایا تو سیدنا عمر نے اہل بدر سے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کے بارے میں پوچھا۔ بعض کہنے لگے: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب فتح و نصرت ملے تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں۔ اور بعض نے بالکل خاموشی اختیار کی اور کچھ نہ کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کیا تم بھی وہی کہتے ہو جو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کی: اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا بھی یہی خیال ہے۔[3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے شاید اللہ کے کلام وَاسْتَغْفِرْهُ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے استغفار کو اعمال کے آخر میں رکھا ہے جیسا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ تین مرتبہ استغفر اللہ کہا کرتے تھے۔ اسی طرح بیت الخلاء سے فارغ ہونے کے بعد غفرانک کہتے۔ اور مجلس کے اختتام پر آپ یہ دعا پڑھتے:

1 البدایہ والنہایہ ... 298/5 2 النصر 110: 1-3 3 صحیح البخاری 4294، 4969، 4970

اسی طرح حج کے مناسک کی دائیگی کے بعد استغفار کا حکم ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

"پھر جہاں سے سب لوگ لوٹیں تم بھی وہیں سے لوٹو اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کے نازل ہونے کے بعد کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں یہ دعا نہ ہو: [illegible][2]

صحیح مسلم میں عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کیا تمھیں پتہ ہے کہ قرآن کی آخری سورت جو مکمل طور پر نازل ہوئی، وہ کون سی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں وہ تو إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ہے۔ تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: تم نے ٹھیک کہا۔[3]

صحیح بخاری میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ براءۃ یعنی سورت توبہ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: آخری سورت کے نزول میں سورۂ نصر اور براءۃ میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ سورۂ نصر مکمل طور پر آخر میں نازل ہوئی جبکہ سورۂ براءۃ کی بیشتر آیات پہلے غزوہ تبوک میں نازل ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔[5]

ذخیرۂ آخرت کے لیے مزید کوشاں

جس سال نبی اکرم ﷺ فوت ہوئے، اس سال آپ نے عبادت میں بہت زیادہ وقت صرف کیا، بہت زیادہ استغفار اور کثرت سے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے لگے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سورہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی جس میں آپ کو وفات کی خبر دی گئی تھی تو آپ ﷺ نے ذخیرۂ آخرت بڑھانے کے لیے نہایت محنت و مشقت سے بڑی ہمت کے ساتھ عبادت شروع فرما دی۔[6]

احادیث مبارکہ میں وفات کی طرف اشارہ

بعض صحیح احادیث سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس اہم تکلیف دہ خبر کا پہلے ہی اظہار فرما دیا تھا کہ اب میری رحلت کا وقت قریب ہے۔ آپ ﷺ سے کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جو وفات پر صراحتاً

1 ... 677/4 ... 175/1، 170. 2 صحیح البخاری 4967. 3 صحیح مسلم 3024.
4 صحیح بخاری 4654. 5 فتح الباری 8/ 407، 938. 6 سنن ... 11648.

دلالت کرتی ہیں۔ وہ احادیث جو وفات النبی کی جانب اشارہ کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

(1) قرآن کا دو مرتبہ دور

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم سب بیویاں رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھی تھیں۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ ؓ آ گئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال ٹھیک رسول اللہ ﷺ کی چال سے مشابہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: ''میری بیٹی خوش آمدید!'' پھر آپ نے انھیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا لیا۔ اس کے بعد ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ جب آپ نے ان کا غم دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کی، اس پر وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے سب کو چھوڑ کر صرف آپ سے راز کی بات کی ہے۔ پھر آپ کیوں رو رہی ہیں؟ جب نبی اکرم ﷺ اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا: بتائیں تو سہی، رسول اللہ ﷺ نے چپکے چپکے آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات افشا نہیں کروں گی۔ جب آپ ﷺ وفات پا گئے، اس وقت میں نے ان سے کہا:

آپ پر میرا جو حق ہے، اس حوالے سے پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس روز آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اب وہ بات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، پھر کہنے لگیں: جب آپ ﷺ نے پہلی بار میرے کان میں بات کی تھی تو یہ فرمایا تھا:

''جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن پاک کا ایک بار دور کیا کرتے تھے۔ اس سال انھوں نے دو بار دور کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمھارے لیے آخرت میں اچھا پیش رو ہوں گا۔''

اس وقت میرا رونا جو آپ نے دیکھا تھا، اس کی وجہ یہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے میری پریشانی دیکھی تو پھر مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا:

''اے فاطمہ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم سب مسلمانوں کی عورتوں یا یوں فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہو گی؟''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر میں ہنسنے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا تھا۔[1]

اس حدیث مبارکہ میں اس بات کا صاف اشارہ موجود ہے کہ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے اور رسول اللہ ﷺ موت کی سرحد عبور فرمانے والے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات صرف اپنی پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ کو بتائی۔[2]

سیدنا ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر ماہ رمضان میں دس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا۔ نیز ہر رمضان المبارک میں آپ کے ساتھ قرآن مجید کا ایک دفعہ دور کیا جاتا تھا مگر جس سال آپ فوت ہوئے، اس میں دو دفعہ دور کیا گیا۔[3]

وحی کی کثرت

قرب وفات کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی تھی کہ وحی بڑی کثرت سے نازل ہوتی تھی تاکہ شریعت محمدی مکمل ہو جائے۔ سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر پے در پے وحی نازل فرمائی یہاں تک کہ آپ ﷺ رحلت فرما گئے۔[4]

حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: قرب وفات کے موقع پر بکثرت وحی نازل ہونے کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ فتح مکہ کے بعد پے در پے وفود آتے رہے اور احکام بھی کثرت سے نازل ہوئے۔[5]

شاید میں دوبارہ حج نہ کر سکوں

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے اپنی وفات کا وقت قریب آنے کا تذکرہ پہلے ہی کر دیا تھا جیسا کہ سیدنا جابر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو نحر والے دن سواری پر بیٹھے ہوئے کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

[illegible]

''مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو، شاید اس حج کے بعد میرے لیے آئندہ حج کی نوبت نہ آئے۔''[6]

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

[illegible]

1 صحیح البخاری: 6285، 6286، صحیح مسلم: 98)-(99)2450. 2 مرض النبی ﷺ و وفاتہ لخلیل بن صالح، ص 35. 3 صحیح البخاری: 2044، 4998. 4 صحیح البخاری: 4982. 5 فتح الباری: 9/11. 6 صحیح مسلم: 1297.



"تمھارا خیال ہے کہ میری وفات تمھارے بعد ہوگی، بلاشبہ میں تم سے پہلے وفات پا جاؤں گا، تم میرے بعد گروہوں میں بٹ جاؤ گے اور ایک دوسرے کی گردنیں قلم کرو گے۔"[1]

بھتیجے کی وفات کی طرف اشارہ

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا زمین مضبوط رسیوں کے ذریعے آسمان کی طرف کھینچی جا رہی ہے۔ میں نے یہ خواب نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

"یہ تو تمھارے بھتیجے کی موت (کا اشارہ) ہے۔"[2]

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کے اس دارِ فانی سے جلد رخصت ہونے کی خبر ہے۔ مزید برآں مومن کا خواب سچا ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بعض صحابہ کو آپ ﷺ کی وفات کی اطلاع پہلے ہی سے دی گئی تھی۔[3]

اے معاذ! الوداع

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جب یمن کی جانب بھیجا تو وہ سوار ہو کر مدینہ منورہ سے نکلے۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل سکو اور میری قبر اور مسجد کے پاس سے گزرو۔"

یہ وحشت اثر خبر سن کر معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا

"معاذ! مت رو، رونا (چیخنا، چلانا) تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔"[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے فراق کے صدمے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور پھر آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ نے مدینہ کی جانب منہ کر کے فرمایا

1 [illegible] 6646 [illegible] 2 [illegible] 444 [illegible] 21,23/9
3 [illegible] 37 [illegible] 4 [illegible]
[illegible] 2017

''میرے قریب ترین متقی لوگ ہوں گے، ہر چند وہ کوئی بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔''[1]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کا وقت قریب آنے کی اطلاع دی ہے کہ عین ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ پا سکو۔ اس سے آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ صحابۂ کرام کی والہانہ محبت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے آپ کے فراق کا تذکرہ ہوتا تو وہ بے اختیار رو پڑتے تھے۔[2]

اب حوضِ کوثر پر ملیں گے

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے لیے شفقت اور محبت کے موجزن جذبات کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ امت کی بھلائی اور خیرخواہی کے کتنے آرزومند رہتے تھے۔ جب آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا یا آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے اپنے مالک و خالق سے ملاقات ہی کو پسند فرمایا، پھر آپ شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اور آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

چنانچہ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہدائے احد کی شہادت پر آٹھ سال بیت چکے تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے یوں دعا کی جیسے زندوں اور مردوں سب سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ واپس آکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:

''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں گا۔ اب حوض پر ملیں گے۔ میں اس وقت اس جگہ سے اپنے سامنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے، بلکہ مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف لاحق ہے کہ تم دنیا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے نکلنے لگو گے۔''

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آخری موقع تھا کہ میں نے آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو

1 مسند احمد: 5/235. 2 مرض النبی ﷺ و وفاتہ لخالد ابی صالح، ص: 38.

دیکھ نہ سکا۔[1]

میں اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں

رسول اللہ ﷺ صفر کے مہینے کے آخری ایام میں آدھی رات کو قبرستان بقیع الغرقد تشریف لے گئے اور اپنے آسودۂ خاک ساتھیوں کے لیے استغفار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابومویہبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آدھی رات کے وقت بلوایا اور فرمایا:

[illegible]

"ابومویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے دعائے مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو۔"

بقیع (مدینہ) کا ایک منظر



میں آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ ﷺ ان کی قبروں کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

[illegible]

"اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، لوگوں کی نسبت جس حالت میں تم ہو، تمھیں وہ حالت مبارک ہو، فتنے اس طرح سامنے آ گئے ہیں جس طرح تاریک رات کے ٹکڑے، ہر دوسرا فتنہ پہلے فتنے کے پیچھے لپکا چلا آ رہا ہے اور ہر دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ پرفتن ہے۔"

ابومویہبہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

[illegible]

1 صحیح البخاري، 4042، وصحیح مسلم، 2296.

''ابومویہبہ! مجھے ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں، ہمیشہ کی زندگی اور آخر میں جنت پیش کی گئی اور دوسری طرف رب ذوالجلال سے ملاقات اور جنت رکھی گئی۔ پھر اختیار دے دیا گیا کہ دونوں سے جو چاہوں لے لوں۔''

سیدنا ابومویہبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ دنیا کے خزانے اور بقائے دوام کے ساتھ جنت لے لیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں، اللہ کی قسم! اے ابومویہبہ! میں نے لقائے الٰہی اور جنت کو اختیار کر لیا۔''

پھر آپ ﷺ نے اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔ بقیع سے واپسی پر ہی آپ ﷺ کو وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف بلا لیا۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چاند

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ تین چاند میری جھولی میں آ گرے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر تمھارا خواب سچا ہے تو تمھارے گھر میں زمین کے تین بہترین لوگ دفن ہوں گے، پھر جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمھارا سب سے بہتر چاند فوت ہوا۔ بعد ازاں سیدہ کے گھر کے صحن میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دفن ہوئے۔[2]

ایک بدوی عورت کی بات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے کسی معاملے پر گفتگو کی۔ آپ نے اسے بعد میں آنے کے لیے کہا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! اگر میں حاضر ہوں اور آپ کو نہ پا سکوں تو پھر میں کس کے پاس حاضر ہوں؟ گویا وہ آپ کی وفات کی بات کر رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی آنا۔''[3]

1 مسند أحمد: 489/3، المستدرك للحاكم: 56/3، المعجم الكبير للطبراني: 347,346/22، مجمع الزوائد للهيثمي: 24/9، سنن الدارمي، رقم: 79۔ 2 المستدرك للحاكم: 63,62/3، مجمع الزوائد: 78/4، دلائل النبوة للبيهقي: 262/7۔ 3 صحيح البخاري: 3659، 7220۔

بقیع سے واپسی پر طبیعت ناساز ہو گئی

جس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی، اس کا آغاز صفر کے آخری ایام کی ایک رات میں ہوا۔ اکثر مورخین کے نزدیک آپ ﷺ کی بیماری کی مدت تیرہ دن ہے۔ بعض نے تیرہ دنوں کے علاوہ بھی بیماری کے طول کھینچنے کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ ﷺ ان ایام میں لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے یہاں تک کہ آخری تین دنوں میں آپ بیماری کی شدت سے اتنے نڈھال ہو گئے کہ پھر آپ مسجد تشریف نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس کی تفصیل آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب ابومویہبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بقیع سے واپس آئے تو آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ بقیع قبرستان سے واپس تشریف لائے تو میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں کہہ رہی تھی: ہائے میرا سر! آپ ﷺ فرمانے لگے: "(عائشہ!) بلکہ ہائے میرا سر۔" یعنی تیرا درد مہلک نہیں، میرا دردِ سر مہلک ہے۔

پھر آپ فرمانے لگے:

[illegible]

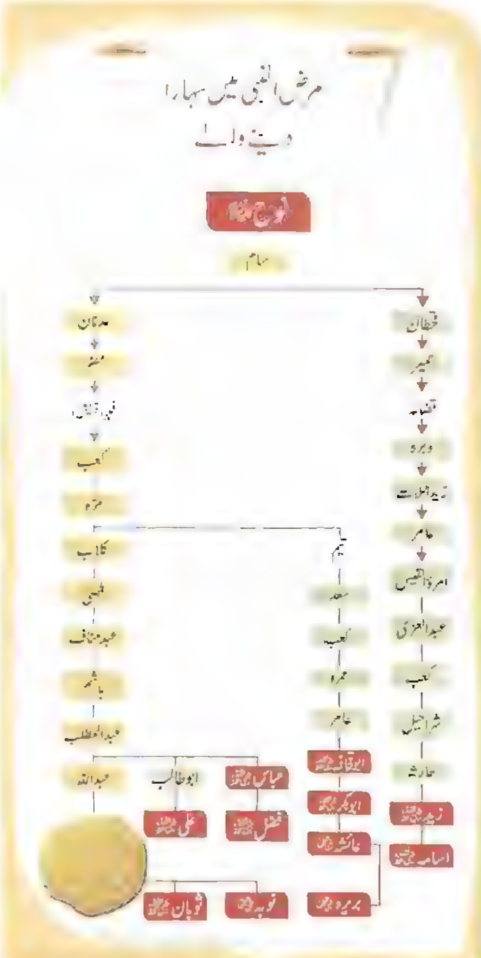
"اگر تو مجھ سے پہلے مر بھی گئی تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تجھے غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا، جنازہ پڑھوں گا اور تجھے خود دفن کروں گا۔"

میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اگر ایسا ہو گیا تو آپ یہ سب کچھ کرنے کے بعد میرے گھر واپس آئیں گے اور اپنی کسی بیوی کے ساتھ یہیں شب بسری کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے (کہ اسے کیا خبر کہ میں ہی پہلے اس دنیا سے جا رہا ہوں)، پھر آپ کی وہ تکلیف شروع ہو گئی جس میں مبتلا رہ کر بالآخر آپ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔[1] مگر اس کے باوجود آپ باری کے مطابق ہر بیوی کے گھر تشریف لے جاتے رہے، حتی کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ کی حالت بہت بگڑ گئی۔ آپ نے اپنی تمام بیویوں کو بلایا اور ان سے اجازت طلب کی کہ کیا میں اپنی بیماری کے دن عائشہ کے گھر بسر کر لوں؟ تو سب نے بخوشی اجازت دے دی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: چنانچہ آپ اپنے اہل بیت میں سے دو آدمیوں کا سہارا لے کر نکلے۔ ان میں سے

1 مسند أحمد: 228/6، سنن ابن ماجه: 1465



ایک فضل بن عباس تھے اور دوسرا کوئی اور تھا۔ آپ نے اپنے سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی تھی اور پاؤں زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے حتیٰ کہ آپ میرے گھر تشریف لے آئے۔[1] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق دوسرے شخص سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیماری کے موقع پر آپ کو سہارا دینے والے کئی حضرات تھے۔ ایک طرف سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری جانب کبھی سیدنا علی، سیدنا اسامہ، سیدنا ثوبان اور کبھی سیدنا فضل رضی اللہ عنہم ہوتے۔ بعض اوقات گھر کے اندر ایک طرف سیدہ بریرہ اور سیدہ نوبہ ہوتی تھیں۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا انتخاب

صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بیماری میں فوت ہوئے، اس دوران آپ بار بار دریافت فرماتے تھے:

أين أنا غدا؟ أين أنا غدا؟

''میں کل کہاں ہوں گا؟ میں کل کہاں ہوں گا؟''

آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ امہات المومنین نے آپ کو بطیب خاطر اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بقیہ ایام علالت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بسر فرمائے۔[4]

رسول اللہ ﷺ جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو وہ سوموار کا دن تھا۔[5]

1 البداية والنهاية (محقق) 5/313،314. 2 صحيح البخاري، 198، صحيح مسلم، 418. 3 فتح الباري 177/8
4 صحيح البخاري، 4450، صحيح مسلم، 2443. 5 فتح الباري: 177/8.

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ بیماری کے ایام میں اپنی ازواج کے پاس باری کے مطابق جاتے تو دریافت فرماتے: [illegible] ''میں کل کہاں ہوں گا؟'' آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے خواہشمند ہوتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو پرسکون ہو گئے۔[1]

بیماری میں شدت

مرض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نڈھال کر دیا۔ آپ کو شدید بخار آنے لگا۔ یہاں تک کہ حرارت کی شدت کپڑوں کے اوپر ہی سے محسوس ہو رہی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شدت والے مرض میں کسی کو مبتلا نہیں دیکھا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت گیا جب آپ کو سخت بخار تھا۔ میں نے آپ کو چھوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو بہت سخت بخار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

''ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے عرض کیا: ''اسی لیے آپ کو دوہرا اجر ملتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible] ''ہاں۔'' پھر فرمایا:

[illegible]

''جس مسلمان کو بیماری یا اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف پہنچے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ایسے جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔''[3]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کو بخار تھا، میں نے جسم مبارک پر ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ کو لحاف کے اوپر ہی سے حرارت محسوس ہونے لگی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: آپ کا جسم کتنا گرم ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

''بلاشبہ ہم (انبیاء) اسی طرح ہوتے ہیں کہ ہماری آزمائش بھی دگنی ہوتی ہے، اور ہمارے لیے اجر بھی دگنا

1 صحیح البخاری: 3774، 2 صحیح البخاری: 5646، صحیح مسلم: 2570، 3 صحیح البخاری: 5647، صحیح مسلم: 2571

ہوتا ہے۔''[1]

معوذات پڑھنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات (اللہ کی پناہ دینے والے کلمات) پڑھ کر اپنے آپ پر پھونک لیا کرتے تھے۔ اور اپنا مبارک ہاتھ بدن اطہر پر پھیرتے۔ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر پھونکنے لگی لیکن بدن اطہر پر آپ کا دست مبارک پھیر دیتی تھی۔[2]

معوذات سے مراد قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ہیں۔ ویسے معوذہ سے مراد وہ کلمات ہیں جن کے ذریعے سے شیاطین، بیماریوں اور دیگر تکلیفوں سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ یہ تھا کہ معوذات پڑھ کر دم کرتیں، پھر نبی ﷺ کا بابرکت ہاتھ آپ کے بدن پر پھیرتی جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس ہر رات ایسا ہی کرتے تھے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ اور معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتے، آپ پورے جسم پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرتے تھے، پھر جب آپ بیمار ہوتے تو مجھے حکم دیتے کہ میں آپ کو اسی طرح دم کروں۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا علاج

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے مرض الوفات میں لدود کیا (منہ کے ایک طرف سے دوائی ڈالی)۔ آپ اشارہ فرما رہے تھے کہ مجھے لدود نہ کرو لیکن ہم نے سمجھا کہ مریض دوا کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا ہم نے زبردستی لدود کیا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا: «أَلَمْ أَنْهَكُمْ أَنْ تَلُدُّونِي» ''کیا میں نے تمھیں لدود کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟'' ہم نے کہا: مریض کو دوا پینے سے جو ناگواری ہوتی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ»

''میری نظروں کے سامنے گھر کے ہر فرد کو لدود کیا جائے۔ البتہ عباس کو رہنے دیا جائے کیونکہ وہ اس وقت حاضر نہ تھے۔''[4]

[1] سنن ابن ماجہ: 4024. [2] صحیح البخاری: 4439، صحیح مسلم: 2192. [3] صحیح البخاری: 5748. [4] صحیح البخاری: 4458، صحیح مسلم: 2213.

ابن العربی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ان کو لدود اس لیے کیا تاکہ قیامت والے دن جب وہ آئیں تو ان کے ذمے آپ کا کوئی حق نہ ہو اور انھیں دنیا ہی میں معافی مل جائے۔ آپ ﷺ نے یہ حکم انتقاماً نہیں دیا تھا۔ حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں کہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ آپ نے تادیب کے لیے انھیں لدود کیا تاکہ وہ آئندہ باز رہیں۔ اس عمل میں انتقام یا قصاص کا شائبہ تک نہ تھا۔[1] رسول اللہ ﷺ نے لدود کو اس لیے بھی ناپسند فرمایا کہ آپ اسے اپنی بیماری کے لیے موزوں نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ سیدہ اسماء ؓ کی روایت آرہی ہے۔

سیدہ اسماء بنت عمیس ؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لدود کا یہ واقعہ سیدہ میمونہ کے گھر پیش آیا تھا۔ چنانچہ سیدہ اسماء فرماتی ہیں کہ بیماری کی شدت کا آغاز سیدہ میمونہ ؓ کے گھر میں ہوا۔ بیماری اتنی شدید تھی کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ کی ازواج نے مشورہ کیا کہ آپ کو لدود کریں، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے پوچھا: [illegible] ''یہ کیوں کیا گیا؟ یہ ان عورتوں کی کارروائی ہے جو اس طرف سے آئی ہیں؟'' اس وقت آپ ﷺ حبشہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

سیدہ اسماء بھی انھی عورتوں میں سے تھیں۔ وہ کہنے لگیں: ہم سمجھتے تھے کہ آپ ذات الجنب (پھیپھڑوں کی جلدی سوزش) کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''یہ ایک بیماری ہے۔ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جو بھی گھر میں ہے، اسے لدود کیا جائے سوائے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے۔''

کہا جاتا ہے کہ سیدہ میمونہ کا روزہ تھا، پھر بھی انھیں لدود کیا گیا۔[2]

[1] فتح الباری: 8/185. [2] مسند أحمد: 6/438، مشکل الآثار: 1935، صحیح ابن حبان: 6587

رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (آخری ایام میں) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں علیحدہ کر کے باتیں کیں۔ آپ ﷺ باتیں کر رہے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ان کی باتوں میں آخری بات یہ تھی کہ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھے کو تھپتھپایا اور فرمایا:

[illegible]

''اے عثمان! بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ عنقریب تمھیں ایک قمیص پہنائے گا، اگر منافقین اس قمیص کو اتروانا چاہیں تو نہ اتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو۔''[1]

آپ نے یہ بات تین بار دہرائی۔

ایک دوسری روایت میں اس سے زیادہ صراحت موجود ہے۔ ابوبکر عدوی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی صحابی کو وفات سے قبل کوئی وصیت فرمائی تھی؟ وہ فرمانے لگیں: معاذ اللہ (ایسا تو کچھ نہیں ہوا) البتہ جو ہوا، وہ تمھیں بتاتی ہوں۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں: اے حفصہ! میں اس چیز پر تمھیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم حق پر میری تکذیب کرو یا باطل پر میری تصدیق کرو۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ٹھیک ہے (میں ایسا نہیں کروں گی)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: کیا تم جانتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تھی؟ تو میں نے کہا: کیا آپ فوت ہوگئے؟ تو تم نے کہا: پتہ نہیں۔ پھر آپ کو ہوش آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اس کے لیے کھول دو'' دوسری روایت میں ہے:

1 مسند أحمد: 86/6، صحیح ابن حبان: 6915، سنن ابن ماجہ: 113,112

"اس کے لیے دروازہ کھولو۔" میں نے آپ سے پوچھا: میرے والد کے لیے؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے، پھر تم نے پوچھا: میں اپنے والد کے لیے کھولوں؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ آپ ﷺ پر تین مرتبہ غشی طاری ہوئی۔ تین ہر دفعہ یہی کیفیت طاری تھی کہ شاید آپ فوت ہو گئے ہیں۔ پھر تم نے کہا: پتہ ہے کہ دروازے پر کوئی شخص ہے، نہ وہ میرے والد ہیں نہ تمھارے والد۔ بھلا دیکھو وہ کون ہیں؟

جب دیکھا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ گھر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "اسے قریب کرو۔" حتی کہ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا اور اپنا ہاتھ ان کی گردن کے پیچھے کر کے ان سے چند سرگوشیاں فرمائیں۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو سیدنا عثمان کہنے لگے: میں سمجھ گیا ہوں۔ اور کہا کہ میرے کانوں نے سن لیا ہے اور دل نے سمجھ لیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین مرتبہ کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے۔ یہ سب باتیں سن کر حفصہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ایسا ہی ہوا تھا۔[1]

انصار کے لیے وصیت

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ (یہ نبی ﷺ کی بیماری کے دنوں کا واقعہ ہے۔) انھوں نے ان سے پوچھا: "تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟" مجلس والوں نے کہا: "ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس یاد آ رہی ہے۔" انھوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ باہر تشریف لائے، سر مبارک پر کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور اس کے بعد پھر کبھی آپ منبر پر رونق افروز نہ ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"(لوگو!) میں تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ وہ میرے مخلص ساتھی اور ہمراز ہیں۔ ان پر جو حق تھا، انھوں نے پورا کر دیا ہے، اب ان کا حق باقی ہے۔ ان میں سے جو نیک ہو، اس کی قدر کرنا اور جو برا ہو اس سے درگزر کرنا۔"[2]

اس حدیث سے انصار کی رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت، آپ کی بیماری پر قلق اور گریہ وزاری اور مجلس سے محرومی

1 فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 835، مسند أحمد: 263/6، صحيح الجامع: 104/? 2 صحيح البخاري: 3799، صحيح مسلم: 2510.

پر ملال انگیزی کا پتہ چلتا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اے لوگو! بلاشبہ لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے، تم میں سے جو شخص بھی کسی ایسے معاملے میں حاکم ہو جس کے ذریعے وہ کسی کو نقصان اور نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ انصار کے نیکو کاروں کی قدر کرے اور ان کے خطاکاروں سے درگزر کرے۔"[2]

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے متعلق وصیت

بیماری کے ایام میں وفات سے دو روز قبل ہفتے کے دن نبی اکرم ﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی اور فرمایا کہ وہ لشکر کی امارت و قیادت کے لائق ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور وہ سب لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا تھا۔ اب اس کے بعد یہ (اس کا بیٹا اسامہ) مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے۔"[3]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ

رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں یہ ارادہ کیا کہ میں ابوبکر صدیق کی خلافت کے لیے وصیت کر دوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

1 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 65. 2 صحيح البخاري: 3800. 3 صحيح البخاري: 3730، 4469، صحيح مسلم: 2426

[illegible] ويدفع الله ويأبى المؤمنون

''میرا ارادہ ہے کہ میں ابوبکر اور اس کے بیٹے کو پیغام بھیج کر بلاؤں اور خلافت کی وصیت کر دوں تاکہ کوئی کہنے والا کچھ کہہ نہ سکے اور تمنا کرنے والا تمنا نہ کرتا پھرے۔'' (عائشہ ؓ فرماتی ہیں:) پھر میں نے کہا: اللہ تعالیٰ بھی کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار فرمائے گا اور مومنین بھی کسی اور کو تسلیم نہ کریں گے۔ (یا فرمایا:) اللہ بھی کسی اور کو تسلیم نہ کرے گا اور مومنین بھی کسی اور کو خلیفہ نہ ہونے دیں گے۔''[1]

اپنی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنا

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس بات پر شدید تنبیہ کی کہ کہیں آپ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔ پھر آپ نے فرمایا: جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، وہ لعنت الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللهم لا تجعل قبري وثنا، لعن الله قوما اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد

''اے اللہ! میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، اللہ اس قوم پر اپنی لعنت بھیجے جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''[2]

ایک دوسری روایت میں یہ فرمان مذکور ہے: [illegible] ''میری قبر کو عیدگاہ نہ بنانا۔''[3]

سیدہ عائشہ اور ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پر موت کا وقت قریب آیا تو آپ اپنی ایک چادر اپنے چہرے پر ڈالتے، پھر جب گھبراہٹ طاری ہوتی تو اسے اپنے چہرے سے ہٹا دیتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا:

[illegible]

''یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت ہو! انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

آپ کا مقصد اپنی امت کو اس سے روکنا تھا۔[4]

دوسری روایت میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے، انھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''[5]

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: اگر قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو قبر کو نمایاں کیا جاتا۔[6] حافظ ابن حجر کہتے

[1] صحیح البخاری: 7217۔ [2] مسند احمد: 246/2۔ [3] مسند احمد: 367/2۔ [4] صحیح البخاری: 4444، 4469، صحیح مسلم: 531۔ [5] صحیح البخاری: 437، صحیح مسلم: 530۔ [6] صحیح البخاری: 1330 و 4441

ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کو ظاہر کر دیا جاتا اور اس میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کی جاتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر دفن کیے جاتے۔ سیدہ نے یہ بات اس وقت کہی جب ابھی مسجد کی توسیع نہیں ہوئی تھی۔ جب مسجد کی توسیع ہوگئی تو حجرہ مبارک کو مثلث شکل میں محدود کر دیا گیا تاکہ کوئی قبلہ رو ہو کر اور قبر اپنے آگے کر کے نماز نہ پڑھ سکے۔[1]

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی دو صورتیں ہیں: 1 قبروں کو براہ راست سجدہ کیا جائے۔ 2 نماز پڑھتے وقت قبر کو اپنے اور قبلے کے درمیان کیا جائے۔ یہودی یہ دونوں صورتیں اختیار کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا اندیشہ تھا مبادا آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنا یا جائے۔ اسی اندیشے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو چھت کے ذریعے سے بند کر دیا گیا ہے۔ یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ آج ساری کائنات میں صرف ایک ہی سچے آخری رسول ﷺ کی قبر اس حالت میں محفوظ ہے کہ وہاں کسی طرح کی کوئی پوجا پاٹ نہیں کی جاتی۔ والله الحمد.

یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ کرتے اور ان کی تعظیم کے لیے انھیں قبلہ بناتے تھے، اس لیے مسلمانوں کو اس مذموم کام سے روکا گیا، چنانچہ ایک حدیث میں اس امر کی مزید وضاحت ہے۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجدا، وصوروا فيه تلك الصور، أولئك شرار الخلق عند الله»

”ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس

1 فتح الباري 256/3.

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت عدیس ابابا



میں مورتیاں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ بدتر ہوں گے۔"[1]

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں خیر و بھلائی کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے رحمت اور اس کی رضا کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور اگر انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے لیے رفع درجات اور گناہوں کی بخشش کا باعث بنتی ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے:

[illegible]

"تم میں سے ہر شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھتا ہو۔"[2]

امام نووی کہتے ہیں: علماء کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان کے ذریعے سے اللہ سے مایوس ہونے سے منع کیا اور حکم دیا ہے کہ انسان مرنے کے وقت اپنے رب سے اچھے معاملے، معافی اور رحمت کی امید رکھے۔[3]

نماز اور غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ جس بیماری میں فوت ہوئے، اس میں آپ نے بار بار فرمایا:

[illegible]

"نماز، غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا۔"

آپ ﷺ نے بار بار یہ کہا، حالانکہ زبان مبارک آپ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی لیکن آپ بہ تکلیف کوشش کر کے یہی کلمات کہتے رہے۔[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ کی عموی وصیت نماز اور غلاموں سے متعلق تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ وصیت کرتے کرتے غرغرہ سا آ گیا۔ اس وقت آپ کی زبان آپ ﷺ کے ملفوظات ادا نہیں کر پا رہی تھی۔[5]

1 صحيح البخاري: 434، 2 صحيح مسلم: 2877، 3 شرح صحيح مسلم للنووي: 172/17، 4 سنن ابن ماجه: 1625
5 سنن ابن ماجه: 2697، مسند أحمد: 117/3

بے مثال محبت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے یہ بات تسلی بخش ہے کہ میں نے عائشہ کے ہاتھ کی سفیدی جنت میں دیکھی ہے۔''[1]

یہ روایت اس حقیقت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی۔ لوگوں نے اظہار محبت کے لیے کئی پیرائے اختیار کیے ہیں لیکن اس معیار کو کوئی نہیں پہنچ سکا کیونکہ ان کی بات میں مبالغہ ہوتا ہے، حقیقت نہیں ہوتی۔ لیکن آپ ﷺ کی بات حق ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

وفات سے پہلے آخری خطبہ

وفات سے پانچ دن پہلے نبی اکرم ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ بخار کی شدت سے آپ ﷺ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پھر جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو فرمایا:

هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ

''سات مشکیزے پانی لاؤ جن کے منہ نہ کھولے گئے ہوں اور میرے اوپر بہا دو۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کرسکوں۔''

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک ٹب میں بٹھا دیا، پھر وہ مشکیزے آپ ﷺ پر بہانا شروع کر دیے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ بس کرو۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی طرف تشریف لائے، ان کو نماز پڑھائی اور وعظ فرمایا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے سات مشکیزے بہانے کا حکم دیا کیونکہ سات کے عدد میں خصوصیت ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سات کے عدد کو زہر اور جادو کا اثر زائل کرنے میں خاص دخل ہے، اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سات مشکیزوں کا پانی منگوایا۔[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پانی سے حرارت میں کمی محسوس ہوئی تو آپ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر نکلے۔[4] آپ کے سر مبارک پر ایک کالی پٹی بندھی ہوئی تھی اور آپ اپنے دونوں شانوں پر چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ اسی طرح مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس کے بعد آپ

1 مسند أحمد: 25944. 2 صحیح البخاري: 198 و 5714. 3 فتح الباري: 177/8. 4 المصنف لعبد الرزاق: 469/9.

منبر پر کبھی نہ بیٹھ سکے۔[1] تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی۔[2] پھر فرمایا:

إن عبدا خيره الله بين أن يؤتيه من زهرة الدنيا ما شاء وبين ما عنده فاختار ما عنده

''بلاشبہ اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ دنیا کی نعمتوں میں سے جو چاہے، اپنے لیے پسند کر لے یا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے (آخرت میں) اسے پسند کر لے، تو اس نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے، اسے اختیار کر لیا ہے۔''

فبكى أبو بكر وقال: فديناك بآبائنا وأمهاتنا

''یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارے آباء و اجداد اور مائیں قربان ہوں۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تعجب کیا۔ لوگ کہنے لگے: اس بزرگ کو دیکھو رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ بندے کو اللہ نے دنیا کی زیب و زینت اور جو اس کے پاس ہے، دونوں میں سے کسی کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ پر میرے باپ دادا اور مائیں فدا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ ہی کو یہ اختیار دیا گیا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله خير عبدا بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ذلك العبد ما عند الله

''بے شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے، دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے، چنانچہ اس کے بندے نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے، اسے اختیار کر لیا ہے۔''

اس موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روتا دیکھ کر آپ ﷺ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا:

يا أبا بكر لا تبك إن أمن الناس علي في صحبته وماله أبو بكر ولو كنت متخذا خليلا من أمتي لاتخذت أبا بكر ولكن أخوة الإسلام ومودته لا يبقى في المسجد باب إلا

1 صحيح البخاري: 3800,3799 2 مسند أحمد: 224/5 3 صحيح البخاري: 3904


کوہ احد کے دامن میں مسجد شہدائے احد اور احاطۂ شہداء

مسند احمد میں ہے

''اے ابوبکر! امت رو، بلاشبہ لوگوں کی صحبت اور مال میں مجھ پر ابوبکر کا سب سے زیادہ احسان ہے۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت و مودت ہی کافی ہے، مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کر دو۔ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ باقی رہنے دو۔''[1]

مسند ابو یعلی میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: میرے علم میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل کوئی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام خطابی اور ابن بطال سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصی عظمت آشکار ہو رہی ہے۔ اس میں یہ مضبوط اشارہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ اس بنا پر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخر میں یہ بات ایک ایسے وقت ارشاد فرمائی جب آپ نے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو امام بنانے پر اصرار کیا۔ بعض نے دروازے کو خلافت اور بند کرنے کو اس کی طلب سے تعبیر کیا ہے، گویا آپ نے فرمایا ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی خلافت کا مطالبہ بھی نہ کرے، البتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اس کو طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابن حبان کا میلان بھی اسی طرف ہے۔[2]

عدل کے میدان میں

رسول اللہ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا:

[illegible]

''اے لوگو! بلاشبہ تمھارے درمیان رہتے ہوئے کچھ حقوق میرے ذمے ہیں، تم مجھے یہاں اپنے درمیان نہیں دیکھو گے، میرا یہ خیال تھا کہ میرے علاوہ کوئی کفایت کرنے والا نہیں یہاں تک کہ میں ہی تمھارے

1 صحیح بخاری 466، 3654؛ مسند ابی یعلی 56/8؛ مجمع الزوائد 43/9. 2 فتح الباری 19/7

درمیان کھڑا ہوں، جان لو! اگر میں نے کسی کی کمر پر کوئی درہ مارا ہے تو میری کمر حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال لیا ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس میں سے وصول کر سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے، وہ اس میں سے لے سکتا ہے۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا خدشہ ہے، اس لیے میں بدلہ نہیں لیتا۔ سنو! یہ میری شان نہیں ہے نہ یہ میری عادت ہے۔ بلاشبہ تم میں سے مجھے سب سے محبوب وہی ہے جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے اور میرا معاملہ صاف کر دے۔ میں اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ مجھ پر کسی کا حق واجب نہ ہو۔''

ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میرے آپ کے ذمے تین درہم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اے فضل! اسے یہ دے دو۔''[1]

تحریری وصیت کا ارادہ

بروز جمعرات وفات سے چار روز قبل رسول اللہ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میرے پاس لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ، میں تمھیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔''

گھر میں بہت سارے لوگ تھے جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آپ ﷺ پر بیماری نے غلبہ پا لیا ہے۔ ہمارے پاس قرآن ہے جو ہمیں کافی ہے۔[2] لیکن گھر میں موجود لوگ اختلاف کرنے اور جھگڑنے لگے۔ ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے کے لیے کوئی چیز دے دو تاکہ وہ تمھارے لیے کچھ لکھ دیں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے لیکن ان میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح بعض افراد وہی بات کہنے لگے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ پھر جب اختلاف بڑھ گیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 7/175 یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ پر بیماری کے غلبے کی وجہ سے جو یہ الفاظ کہے تھے: ''ہمارے پاس کتاب اللہ ہے جو ہمیں کافی ہے۔'' اس کا مقصد یہ نہیں کہ حدیث نبوی کی اہمیت نہیں یا وہ شریعت محمدی کا حصہ نہیں کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر اور تشریح بھی رسول اللہ ﷺ نے ہی کی کے ذریعے اپنے اقوال، فرامین اور عمل سے فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں گزری تھی۔ ان کے نزدیک قرآن بھی وحی الٰہی تھا اور آپ ﷺ کا قول و عمل بھی وحی تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بخوبی سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں کتاب اللہ کا لفظ بعض روایات میں حدیث نبوی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن اور احادیث دونوں ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: انکار حدیث سے انکار قرآن تک، ص: 291-299، تالیف مولانا عبدالسلام رحمانی۔)

قوموا عني ولا ينبغي عندي تنازع

''میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے۔''

لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ وہ کہنے لگے: آپ کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ کیا آپ شدت بخار کی وجہ سے الٹی بات کہہ رہے ہیں؟ ذرا آپ ہی سے پوچھ لو۔ وہ آپ سے بار بار پوچھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: دعوني فالذي أنا فيه خير مما تدعوني إليه ''مجھے چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ جو لوگ اختلاف اور تکرار کر رہے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تحریر لکھوانے میں حائل ہو گئے۔[1]

تین باتوں کی وصیت

اسی روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تین باتوں کی وصیت فرمائی: ''1 مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ 2 اور وفود کو اسی طرح عطیات دیتے رہنا جس طرح میں دیتا ہوں۔''

راوی کہتے ہیں کہ تیسری بات انھوں نے نہیں کہی۔ یا میں بھول گیا ہوں۔[2]

تیسری وصیت کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو بھی شمار کیا جاتا ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں مجھ سے فرمایا:

ادعي لي أبا بكر أباك وأخاك حتى أكتب كتابا فإني أخاف أن يتمنى متمن ويقول قائل أنا أولى

ويأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر

''اپنے والد ابوبکر اور بھائی کو بلاؤ، تاکہ میں ایک مکتوب لکھ دوں، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرنے لگے یا اعتراض کرنے والا اعتراض کرتا پھرے اور کہے کہ میں بہتر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور تمام مومن ابوبکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔''[3]

اسی طرح درج بالا روایت میں مذکور تیسری وصیت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام داودی سے نقل کیا ہے کہ تیسری چیز قرآن کو لازم پکڑنے کی وصیت تھی۔ سیدنا ابو موسیٰ غافقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو آخری وصیت فرمائی تھی، وہ آپ کا یہ فرمان تھا:

[1] صحيح البخاري: 114 و 3053 [2] صحيح البخاري: 4431، صحيح مسلم: 1637 [3] صحيح مسلم: 2387

[illegible]

''تم اللہ کی کتاب کو لازم پکڑو۔ تم جلد ہی ایسی قوم کی طرف لوٹو گے جو مجھ سے حدیث بیان کرنا پسند کرے گی۔ جس نے وہ بات کی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اور جس نے میری کوئی بات حفظ کی ہو، وہ اسے بیان کرے۔''[1]

مالک بن مغول طلحہ بن مصرف سے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا نبی کریم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: لوگوں پر کیسے وصیت فرض کی گئی یا انھیں اس کا کس طرح حکم دیا گیا؟ انھوں نے فرمایا: ویسے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیسری وصیت آپ ﷺ کی جیش اسامہ کی تیاری اور اسے روانہ کر دینے کی تھی۔ اس بات کو ترجیح دینے والوں میں ابن بطال شامل ہیں۔ وہ اس کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جیش اسامہ کی روانگی میں اختلاف کیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: نبی ﷺ نے موت کے وقت اس جیش کو روانہ کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔

کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تیسری وصیت آپ کا یہ فرمان تھی: [illegible] ''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لینا۔'' کیونکہ موطا میں آپ کا یہ فرمان یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دینے کے حکم کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ و برباد کرے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عرب کی سرزمین میں دو دین باقی نہ رہیں۔''[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے تیسری وصیت یہ کی تھی جو حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے: [illegible] ''نماز اور غلاموں کا خیال رکھنا۔''[4]

اس حدیث کو ''حدیث قرطاس'' کہتے ہیں۔

نبی ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی اور دستاویز لکھوانے کا واقعہ جمعرات کے دن پیش آیا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

1 مسند أحمد 334/4. 2 صحيح البخاري 4460، صحيح مسلم 1634. 3 الموطأ للإمام مالك 2606. 4 سنن ابن ماجه 2697، مسند أحمد 26483، فتح الباري 480/8.

کا تنازعہ ہوا۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے دستاویز نہ لکھی۔ اس کے متعلق روافض بہت شور مچاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے پر مامور تھے۔ کسی کے خوف سے آپ نے فریضۂ تبلیغ نہیں چھوڑا، خصوصاً ایسی چیز جو گمراہی سے بچاتی ہو، اسے تو آپ ﷺ کسی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیتے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صائب الرائے تھے۔ ان کی رائے کے مطابق کئی موقعوں پر قرآن نازل ہوا۔ اگر ایسے آدمی نے روک دیا تو ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی اور ان کی رائے کی خود رسول اللہ ﷺ نے بھی تائید کی۔ اگر بہت ضروری معاملہ ہوتا تو آپ اس کے بعد تین چار دن زندہ رہے، ان ایام میں کسی سے بھی تحریر لکھوا لیتے۔ نیز قبل ازیں تکمیل دین کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ اب اگر گمراہی سے بچانے والی کوئی چیز باقی رہ گئی تھی تو پھر تکمیل دین کے کیا معنی ہوں گے؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی نئی بات بیان نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ یا تو مفصلات کو مجمل بیان کرنا چاہتے تھے یا پہلی باتوں میں سے کسی بات کی تاکید کرنا چاہتے تھے جس کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو تکلیف دینا ضروری خیال نہ کیا۔ ان حقائق کی روشنی میں فہم عمر کو فہم ابن عباس پر ترجیح دی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے آخر میں تین چیزوں کی وصیت کی تھی جن پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عمل پیرا ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ لکھ دیتے تو منافقین کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہتی۔ علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرائن سے معلوم کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تحریر کرنے کا امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اختلاف کے باوجود رسول اللہ ﷺ ضرور اس کے مطابق عمل کرتے جبکہ اس کے بعد آپ ﷺ چار دن زندہ رہے۔ ان بقیہ ایام میں جو حضرات سامان کتابت لانے کی خواہش رکھتے تھے، انھوں نے بھی اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا انکار نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کر کے اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قوت فہم اور دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ انھیں بھی قرائن سے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ دستاویز ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے محض اس اختلاف کی وجہ سے کبھی نظر انداز نہ کرتے۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر اصرار

شدید بیماری کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی یہی خواہش رہی کہ آپ نماز میں مسلمانوں کی امامت کرائیں لیکن

1 دیکھیے: فتح الباری: 8/168، 169

بیماری کی شدت سے آپ ﷺ مسجد آنے جانے سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔

سیدنا عبیداللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی؟ وہ فرمانے لگیں: کیوں نہیں، جب نبی کریم ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: أصلى الناس؟ ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا:

ضعوا لي ماء في المخضب

''میرے لیے ٹب میں پانی ڈالو۔''

ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ نے غسل فرمایا اور اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فرمایا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے گزارش کی: نہیں اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا:

ضعوا لي ماء في المخضب

''میرے لیے پھر ٹب میں پانی ڈالو۔''

ہم نے پانی ڈال دیا۔ آپ نے پھر غسل فرمایا لیکن اٹھنے لگے تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو فرمانے لگے: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا:

ضعوا لي ماء في المخضب

''میرے لیے ٹب میں اور پانی ڈالو۔''

ہم نے ڈال دیا تو آپ نے تیسری مرتبہ غسل فرمایا مگر جب اٹھنے لگے تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب حواس بجا ہوئے تو پوچھا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ کافی دیر سے مسجد میں بیٹھے تھے اور عشاء کی نماز کے لیے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی تھے، کہنے لگے: عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، آپ ہی امامت کے حقدار ہیں۔ تو ان

دنوں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔[1]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''ابوبکر بہت نرم دل ہیں۔ وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔'' آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی بات دہرائی تو آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ اپنے ارشاد کی تکرار کرتے ہوئے فرمایا: [illegible] ''تم یوسف علیہ السلام (کے قصے میں مذکور) عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' تو ابوبکر (امامت کے لیے) آگے بڑھے۔[2]

سیدہ عائشہ کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ امامت کے لیے کسی اور شخص کو حکم دیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جگہ جب کوئی دوسرا کھڑا ہوگا تو لوگ اسے اچھا نہیں سمجھیں گے اور اس سے محبت نہیں کریں گے۔

دوبارہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

سیدنا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کی حالت زیادہ بگڑ گئی تو اس وقت میں بھی چند صحابہ کے ساتھ آپ کے پاس موجود تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لیے بلانے آئے تو آپ فرمانے لگے: [illegible] ''کسی کو کہو لوگوں کو نماز پڑھا دے۔'' میں باہر نکلا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں موجود تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غائب تھے۔ میں نے کہا: جناب عمر! لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آگے کھڑے ہوگئے۔ جب انھوں نے اللہ اکبر کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سن لی کیونکہ وہ بلند آہنگ شخص تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ اور مومنین اس سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ اور مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے (کہ ابوبکر کے سوا کوئی اور آگے آئے)۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا۔ وہ آئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا چکے تھے۔ سیدنا ابوبکر نے دوبارہ نماز پڑھائی۔ سیدنا عمر مجھ سے کہنے لگے: ابن زمعہ! تجھ پر افسوس! تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا؟ جب تو نے مجھے نماز پڑھانے کا کہا تو اللہ کی قسم! میں نے یہی سمجھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا نام لے کر مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں ہرگز نماز نہ پڑھاتا۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام لے کر حکم نہیں

1 صحيح البخاري: 687، 2 صحيح مسلم: 712

دی تھی۔ مگر جب مجھے ابوبکر نظر نہیں آئے تو میں نے آپ ہی کو امامت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھا۔[1]

مسجد میں آخری نماز

رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت کی گرانی میں کمی محسوس فرمائی تو آپ ﷺ دو آدمیوں کے کاندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ مگر تکلیف کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدم مبارک زمین پر جم نہیں پا رہے تھے بلکہ گھسٹتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اس وقت ابوبکر ؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارے سے اپنی جگہ کھڑے رہنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ کو ابوبکر کے پہلو میں لایا گیا تو آپ ﷺ تشریف فرما ہو گئے۔

اعمش سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے؟ تو انھوں نے سر ہلا کر کہا: ''ہاں۔''[2]

دوسری روایت میں ہے کہ پھر ظہر کی نماز کے وقت آپ ﷺ نے طبیعت میں بہتری محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر نکلے۔ ان دونوں میں سے ایک عباس تھے۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے لیکن آپ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ اور ان دونوں آدمیوں سے فرمایا: [illegible] ''مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دو۔'' انھوں نے آپ ﷺ کو ابوبکر ؓ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ پھر ابوبکر ؓ نماز میں نبی ﷺ کی پیروی کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر ؓ کی نماز کی پیروی کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ آپ کو سہارا دینے والے دوسرے شخص علی ؓ تھے۔[3]

امام بیہقی ؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ اس نماز میں امام تھے اور سیدنا ابوبکر ؓ آپ ﷺ کی نماز کی پیروی کر رہے تھے۔[4]

ام المومنین عائشہ ؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں سیدنا ابوبکر ؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔[5]

سیدنا انس ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر ؓ کے پیچھے ایک چادر اوڑھ کر نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے اس کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: ''اسامہ کو بلاؤ۔'' وہ آئے اور آپ کی پشت کو اپنے سینے کا سہارا دیا۔ یہ آخری نماز تھی

1 مسند أحمد: 322/4، سنن أبي داود: 4660. 2 صحيح البخاري: 664 و 712، صحيح مسلم: (95)-418.
3 صحيح البخاري: 687، صحيح مسلم: 418. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 231/7. 5 مسند أحمد: 159/6.

جو آپ نے پڑھی۔[1]

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ایک روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیماری میں سر باندھے ہوئے تشریف لائے، آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ مرسلات پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے کوئی نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔[2]

جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ فوت ہوئے، جو آخری نماز پڑھی، وہ ظہر کی نماز تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام الفضل رضی اللہ عنہا سے مروی روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مراد یہ ہے کہ مسجد میں آپ نے جو نماز پڑھائی، وہ ظہر کی تھی اور جو سیدہ ام الفضل نے سورۂ مرسلات والی نماز کا ذکر کیا ہے، وہ آپ ﷺ کے گھر کے اندر نماز کا تذکرہ ہے جیسا کہ امام نسائی نے تذکرہ کیا ہے۔ البتہ جامع الترمذی کے الفاظ: [illegible] سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ ممکن ہے ام الفضل رضی اللہ عنہا کے قول: [illegible] سے مراد یہ ہو کہ اپنے ہی گھر میں ایک جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ پر نماز ادا کی ہو۔[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ کا خیال ہے آخری نماز جو آپ نے مسجد میں پڑھی، وہ وفات والے دن سوموار کو صبح کی نماز تھی، اس لیے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ سوموار کے دن ضحٰی کے وقت اللہ کو پیارے ہوئے۔ مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بیہقی نے یہ بات موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے اخذ کی ہے۔ اسی طرح ابوالاسود نے عروہ سے بھی یہ بات بیان کی ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ البتہ یہ آخری نماز ظہر کی ہے جو آپ نے مسجد میں لوگوں کے ساتھ پڑھی جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ چونکہ حدیث ایک ہے، لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ نماز وفات والے دن سوموار کی صبح کی نماز ہو کیونکہ وہ تو آپ نے جماعت کے ساتھ ادا نہیں فرمائی بلکہ اپنے حجرے میں پڑھی، اس وجہ سے کہ آپ بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ اس کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث ہے جو آپ کے خادم خاص تھے اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے مرض وفات میں نماز پڑھاتے رہے حتی کہ

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 7/192، مسند احمد 3/243. 2 صحیح البخاری 4076. 3 فتح الباری 2/287، صحیح البخاری 4076، صحیح مسلم 704، جامع الترمذی 283، سنن النسائی 975، سنن ابی داود 687، سنن ابن ماجہ 823، مسند احمد 25646.

جب سوموار کا دن ہوا، لوگ صبح کی نماز میں صفیں باندھے کھڑے تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ کھڑے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک (حسن و جمال اور صفائی میں) قرآن پاک کے ورق کی طرح منور نظر آ رہا تھا۔ آپ کچھ دیر کھڑے مسکراتے رہے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کے دیدار کی بے تحاشا خوشی تھی۔ قریب تھا کہ ہم نماز ہی سے غافل ہو جاتے۔ سیدنا ابوبکر ؓ الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تاکہ صف میں مل جائیں۔ انھوں نے سمجھا کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ اپنے رب کو پیارے ہو گئے۔[1]

دوسری روایت میں سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ (بیماری کے ایام میں) تین دن باہر نہیں نکلے، پھر جماعت کی اقامت ہوئی اور ابوبکر ؓ آگے بڑھنے لگے کہ نبی کریم ﷺ نے پردہ ہٹایا۔ جب ہمیں نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک دکھائی دیا تو آپ کے روئے مبارک سے زیادہ خوبصورت منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے سیدنا ابوبکر ؓ کو اشارہ فرمایا کہ آگے بڑھیں اور خود نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا۔ پھر آپ ﷺ کبھی دکھائی نہیں دیے حتی کہ اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ واضح ترین دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوموار کے دن صبح کی نماز لوگوں کے ساتھ نہیں پڑھی اور اس وقت تک آپ کو مسجد میں تشریف لائے تین دن ہو چکے تھے۔ بنا بریں آپ نے آخری نماز جو لوگوں کے ساتھ پڑھی، وہ ظہر کی نماز تھی جیسا کہ سیدہ عائشہ ؓ کی گزشتہ روایت میں صراحت سے بیان ہو چکا ہے۔ مزید برآں یہ جمعرات کے دن کی بات ہے، ہفتہ یا اتوار کی نہیں جیسا کہ امام بیہقی نے مغازی موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس نماز کے بعد خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔ آپ جمعہ، ہفتہ اور اتوار پورے تین دنوں میں مسجد نہیں آسکے۔ امام بیہقی پر تعجب ہے کہ انھوں نے یہ حدیث (کہ رسول اللہ ﷺ نے سوموار کے دن فجر کی نماز کی ایک رکعت ابوبکر ؓ کی اقتدا میں ان کے پہلو میں ادا کی اور سلام پھیرنے کے بعد دوسری رکعت ادا کی) دونوں سندوں سے (بطریق موسیٰ بن عقبہ اور عروہ) بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: شاید آپ نے پہلی رکعت میں پردہ گرا دیا ہو اور دوسری رکعت میں تشریف لائے ہوں اور سیدنا ابوبکر ؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہو جیسا کہ عروہ اور موسیٰ بن عقبہ نے فرمایا ہے۔ اور یہ بات سیدنا انس ؓ پر مخفی رہی ہو یا انھوں نے کچھ حدیث بیان کر دی ہو اور آخری حصہ چھوڑ دیا ہو۔ یہ آخری بات تو انتہائی بعید از قیاس ہے

1 صحیح البخاری: 680، 2 صحیح مسلم: 681

کیونکہ خود سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد آپ اپنی وفات تک اوجھل رہے اور ہمیں دکھائی نہیں دیے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''یہ آپ ﷺ کا آخری دیدار تھا۔'' ظاہر ہے صحابی کا قول تابعی کے قول سے مقدم ہے۔[1] واللہ اعلم

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں سب صحابہ کا امام مقرر فرمایا جو اسلام کے عملی ارکان میں سب سے اہم اور بڑا رکن ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم فرمانا دین اسلام کا بدیہی اور یقینی امر ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام میں سب سے بڑے عالم اور قاری قرآن تھے کیونکہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں سے بڑا قاری قرآن ہو۔ اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو پھر وہ جو ان میں سنت کا بڑا عالم ہو۔ اگر وہ سنت کے علم میں بھی برابر ہوں تو پھر جو ان میں سے عمر میں بڑا ہو۔ اور اگر وہ عمر میں برابر ہوں تو پھر جو ان میں سے پہلے اسلام لایا ہو۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام اشعری رحمہ اللہ کی یہ بات سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں تو یہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، جیسا کہ ہم صحیح روایات میں بیان کر چکے ہیں، صحیح بخاری کی اس روایت کے منافی نہیں جس میں ذکر ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اقتدا کی کیونکہ یہ کسی دوسری نماز کی بات ہے۔ امام شافعی اور دیگر ائمہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔[3]

ثانی اثنین

امام ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ سے متعلق فرماتے ہیں: یہ آیت نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ خلیفہ ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو دوسرے نمبر پر ہو۔ ابوالعباس احمد بن عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ کے لقب کے مستحق اس لیے ٹھہرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد انھوں نے امور سلطنت کو ٹھیک اسی طرح جاری رکھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے چلایا تھا۔ وہ اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد

1 البدایۃ والنہایۃ: 5/234-236، 2 صحیح مسلم: 673، 3 البدایۃ والنہایۃ: 5/236

بیشتر عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ اسلام صرف مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جواثا میں باقی رہ گیا تھا۔ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پوری قوت کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور دین اسلام میں واپس نہ آنے پر ان کے خلاف اسی طرح جہاد کیا جس طرح نبی کریم ﷺ نے منکرین اسلام کے ساتھ جنگیں لڑی تھیں۔ اسی لحاظ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ''ثانی اثنین'' کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔''[1]



جواثا (سعودی عرب) کے آثار

میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو

حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''مجھے معلوم نہیں کہ میں تم میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا۔ تم میرے بعد آنے والے دو (خلفاء) کی اقتدا کرنا ... یہ بات آپ ﷺ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمائی ... نیز فرمایا: اور عمار کی سیرت کو اپنانا اور جو بات ابن مسعود بیان کریں، اس کی تصدیق کرنا۔''[2]

آپ ﷺ کے اس ارشاد ''میرے بعد آنے والے دو افراد کی اقتدا کرنا'' کا صریح مطلب ہے کہ ان دو خلفاء کی اقتدا کرنا جو میرے بعد امور مملکت سنبھالیں گے اور وہ دو حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ نے ان کے حسن سیرت، حسن عمل اور پاک طینت کی وجہ سے ان کی اقتدا کی ترغیب دی۔ یوں اس حدیث میں ان دونوں حضرات کی خلافت کی روشن دلیل موجود ہے۔[3]

نبی ﷺ کا خواب

رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دو خلفاء دکھائے گئے جن کی خلافت عین منہج نبوی کے مطابق ہوگی اور وہ آپ کے طریقے سے ذرہ برابر انحراف نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

1 [illegible] 48:9، 2 السلسلة الصحيحة: 3/233-236، صحيح الجامع الصغير للألباني: 1/428.
3 تحفة الأحوذي: 10/147.

''میں سویا ہوا تھا۔ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں اپنے حوض سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہا ہوں، اتنے میں ابوبکر آ گئے، انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تاکہ مجھے آرام و سکون کا موقع دیں۔ انھوں نے ڈول کھینچے لیکن ان کے ڈول نکالنے میں کمزوری تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر عمر آ گئے، انھوں نے ابوبکر سے ڈول لے کر خوب پانی نکالا۔ میں نے کبھی اس سے زیادہ قوت کے ساتھ ڈول کھینچتے کسی کو نہیں دیکھا۔ حتی کہ لوگ سیر ہو کر چلے گئے اور حوض ابھی بھرا ہوا تھا اور بڑے جوش کے ساتھ چھوٹ رہا تھا۔''[1]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیائے کرام کے خواب وحی ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد کہ ''ابوبکر کے ڈول نکالنے میں کچھ کمزوری تھی'' اس سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مختصر مدت خلافت، ان کی جلدی وفات اور مرتدین کے ساتھ جنگ میں مشغولیت مراد ہے جس کے باعث آپ کے عہد میں زیادہ فتوحات نہ ہو سکیں جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طویل دور خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود دور تک پھیلتی چلی گئیں۔[2]

امام بیٹھا ہو تو مقتدی کیا کریں؟

امام مالک، امام شافعی اور دیگر بہت سے اہل علم نے جن میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، نبی اکرم ﷺ کے بیٹھ کر نماز پڑھنے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی اقتدا کرنے اور لوگوں کے ابوبکر کی اقتدا کرنے سے استدلال کیا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں کیونکہ اس نماز میں آپ ﷺ بیٹھے تھے جبکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور دوسرے تمام لوگ بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا صحیح مسلم کی وہ روایت منسوخ ہے جس کے مطابق آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کا پورا پہلو زخمی ہو گیا۔ آپ نے صحابہ کو بیٹھے ہوئے نماز پڑھائی جبکہ وہ پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

[illegible]

''اس طرح تو تم اہل فارس اور رومیوں جیسا کام کر رہے تھے۔ وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں جبکہ بادشاہ بیٹھا ہوتا ہے، ایسا نہ کرو، اپنے ائمہ کی اقتدا کرو۔ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔''[3]

1 صحیح مسلم، 2392۔ 2 الاُم للشافعی، ص 171۔ 3 صحیح مسلم، 411-413۔

آپ ﷺ کے آخری عمل سے جس میں آپ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور مقتدی کھڑے تھے، یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم

اس استدلال کے مختلف لوگوں نے کئی طرح سے جواب دیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس واقعہ میں بھی صحابہ کرام ؓ آپ کے سابقہ فرمان کی بنا پر بیٹھے تھے، صرف ابوبکر کھڑے تھے تاکہ لوگوں تک آواز پہنچا سکیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ درحقیقت امام سیدنا ابوبکر تھے جیسا کہ بعض راویوں نے صراحت بھی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ادب واحترام کی وجہ سے سیدنا ابوبکر ؓ آپ سے آگے نہیں بڑھتے تھے بلکہ آپ کی اقتدا کرتے تھے گویا کہ رسول اللہ ﷺ امام کے امام بن گئے۔ لوگ اس لیے نہیں بیٹھے تھے کہ وہ دراصل سیدنا ابوبکر کے مقتدی تھے اور وہ کھڑے تھے۔ اور سیدنا ابوبکر ؓ اس لیے نہیں بیٹھے تھے کہ وہ امام تھے۔ نیز وہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی حرکات وسکنات اور انتقالات (رکوع وسجود وغیرہ) پہنچا رہے تھے۔ واللہ اعلم

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ابتدا اور انتہا میں فرق ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے پیچھے قیام کی حالت میں نماز شروع کرے، پھر امام کو کوئی عارضہ پیش آجائے اور اسے بیٹھنا پڑ جائے تو مقتدی کھڑا ہو کر ہی نماز مکمل کرے گا۔ یہاں یہی صورت حال تھی اور اگر شروع ہی سے بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا کرے تو اسے لازماً بیٹھ کر نماز پڑھنا ہوگی، جیسا کہ آپ کا حکم منقول ہے۔ امام احمد ؒ کی یہی رائے ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آپ ﷺ کا عمل ہے اور پہلی حدیث قولی ہے، لہذا دونوں جائز ہیں۔ جالس امام کے پیچھے بیٹھ کر پڑھ لے یا کھڑے ہو کر دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بیٹھنا قولی حدیث کی بنا پر اور کھڑے ہونا آپ کے بعد والے عمل کی بنا پر۔[1] واللہ اعلم

1 [illegible] 6/206-208

دنیا پر الوداعی نظر اور حیات مبارکہ کے آخری لمحات

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آخری دن

پہلے ذکر ہوا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ پیر کا دن تھا، لوگ نماز فجر کی صفیں بنائے ہوئے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ ہٹایا، آپ صحابہ کو دیکھنے لگے کہ وہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ میری امت نماز کی پابند ہے اور آپ ﷺ کی یہ مجلس موجود اور غیر موجودگی میں بھی بدستور نماز کا اہتمام کر رہی ہے۔ اس روح پرور منظر سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ آپ ﷺ مطمئن ہوگئے کہ اس امت کا دین سے تعلق مضبوط ہو چکا ہے۔[1]

صحابہ کرام کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کھڑے کھڑے ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور مصحف کا نورانی ورق معلوم ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ مسکرا دیے۔ ہم خوشی کے مارے اس قدر نہال ہوگئے کہ نماز ہی توڑنے والے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ﷺ نماز کے لیے آنے والے ہیں مگر آپ ﷺ نے اشارے سے فرما دیا کہ اپنی نماز مکمل کرو، پھر معاً پردہ گرا دیا اور حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر اس عالم رنگ و بو میں کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو نماز کی بار بار تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ نماز ادا کرتے رہنا اور اپنے زیر دست لوگوں سے حسن سلوک کرنا۔ آپ نے اس وصیت کو بار بار دہرایا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمومی وصیت یہ تھی: نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔ حتی کہ یہ الفاظ آپ کے سینہ مبارک میں اٹکنے لگے اور زبان سے بمشکل ادا ہوتے تھے۔[3]

اس کے بعد آپ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[4]

1 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ص 401 2 صحیح البخاری: 4448، 680 3 مسند احمد: 117/3، سنن ابن ماجہ: 2697 4 صحیح بخاری: 754

نبوت کے امور میں سے صرف نیک خواب باقی رہ گیا

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ نبوت ختم ہو گئی ہے، البتہ نبوت میں سے نیک خواب کے ذریعے سے خوشخبریاں باقی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، اس وقت لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے، آپ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"اے لوگو! اب نبوت کی خوشخبری دینے والے امور میں صرف نیک خواب ہی باقی رہ گیا ہے جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے بارے میں (کسی دوسرے کو) دکھایا جاتا ہے۔ آگاہ رہو مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب تم رکوع کرو تو اپنے رب کی خوب عظمت بیان کرو اور سجدے میں خوب دعا کرو، تمھاری دعائیں قبول ہوں گی۔"[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

[illegible]

"اے میرے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا ہے؟" تین بار یہ جملہ دہرایا۔[2]

چہرۂ انور پر زندگی سے رخصت ہونے کے آثار

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے مرض الوفات کے دوران آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے۔ لوگ پوچھنے لگے: ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے: الحمد للہ! ٹھیک ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! تو تین دن کے بعد ڈنڈے کا غلام ہوگا، یعنی کسی امیر کے ماتحت ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسی تکلیف میں فوت ہو جائیں گے۔ میں عبدالمطلب کے خاندان کی موت کے اوقات ان کے چہروں سے پہچانتا ہوں۔ آؤ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں اور یہ بات پوچھیں کہ خلافت کس کو ملے گی؟ اگر ہمیں ملنی ہے تو پتہ چل جائے گا اور اگر کسی اور

[1] صحیح مسلم: 479 [2] صحیح مسلم: 479، السنن الکبریٰ للنسائی 236/1

کو ملے گی تب بھی انھیں صورت حال معلوم ہو جائے گی۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ اسے ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر ہم نے آپ سے پوچھا اور آپ نے ہمیں خلافت نہ دی تو آپ کے بعد لوگ ہمیں کبھی خلافت نہیں دیں گے، اس لیے اللہ کی قسم! میں تو اس بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کبھی کچھ نہ پوچھوں گا۔[1]

خلیفہ کی نامزدگی نہیں بلکہ خواہش

رسول اللہ ﷺ نے خلافت کے لیے کسی شخص کو نامزد نہیں فرمایا۔ البتہ بعض اہل سنت کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کا امام بنانے کے لیے اصرار کرنا اور تمام صحابہ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھنا اور آپ ﷺ کا یہ فرمان [illegible] یعنی ''ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ بھی ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار فرمائے گا اور مومنین بھی ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو تسلیم نہیں کریں گے۔''[2] بجائے خود اس قدر روشن اشارہ ہے کہ اس سے ہر عقل مند شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمانا چاہتے تھے۔

روافض کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد حق خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تھا اور آپ ﷺ نے انھیں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت سے امور میں پوشیدہ علم، دین کی بنیادی چیزوں اور شریعت کے خزانوں کی وصیت فرمائی تھی اور آپ ﷺ نے ان تمام امور سے صرف اہل بیت کو مطلع فرمایا تھا۔ لیکن ان کی یہ باتیں حقائق سے خالی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی کر دیے گئے تو ان سے کہا گیا: امیر المومنین! آپ خلیفہ مقرر فرما دیں۔ وہ فرمانے لگے: اگر میں خلیفہ نامزد کر دوں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ مجھ سے بہتر شخصیت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اور اگر میں خلیفہ نامزد نہ کروں تو ایسا کرنا بھی صحیح ہے کیونکہ سب سے بہتر شخصیت رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر فرمایا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی کو خلیفہ نامزد نہ کریں گے۔[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کو وصیت فرمائی تھی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کب وصیت کی تھی؟ میں نے آپ کو اپنے سینے

1 صحیح بخاری: 4447۔ 2 مسند احمد: 322/4۔ 3 صحیح بخاری: 7218، صحیح مسلم: 1823۔

سے ٹیک لگا کر سہارا دے رکھا تھا۔ پھر آپ نے (پانی کا) طشت منگوایا کہ اتنے میں آپ کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور آپ ﷺ فوت ہو گئے۔ مجھے پتہ بھی نہ چل سکا کہ آپ ﷺ عالم بقا میں منتقل ہو گئے ہیں۔ لوگ کیسے کہتے ہیں کہ آپ نے علی کو وصیت فرمائی تھی؟[1]

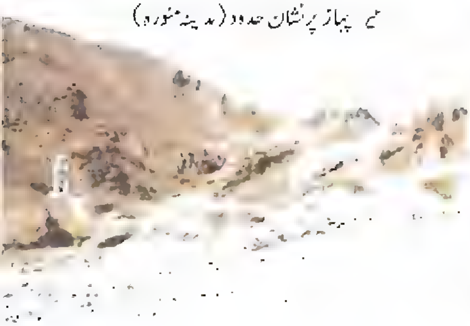
اسی طرح صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت سے بھی روافض کے موقف کی تردید ہوتی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت

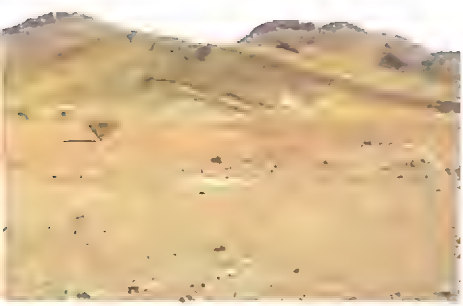
ابراہیم تیمی اپنے والد گرامی سے بیان کرتے ہیں: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب فرمایا اور کہا: جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب ہے جو ہم پڑھتے ہیں اور وہ اللہ کی کتاب میں نہیں، وہ جھوٹ بولتا ہے، البتہ ہمارے پاس یہ صحیفہ ضرور ہے...... جو انھوں نے اپنی تلوار میں رکھا ہوا تھا...... اس میں بھی اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور زخموں کی دیت کا ذکر ہے۔ اس صحیفے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں:

[illegible]

عیر پہاڑ پر نشان حدود (مدینہ منورہ)

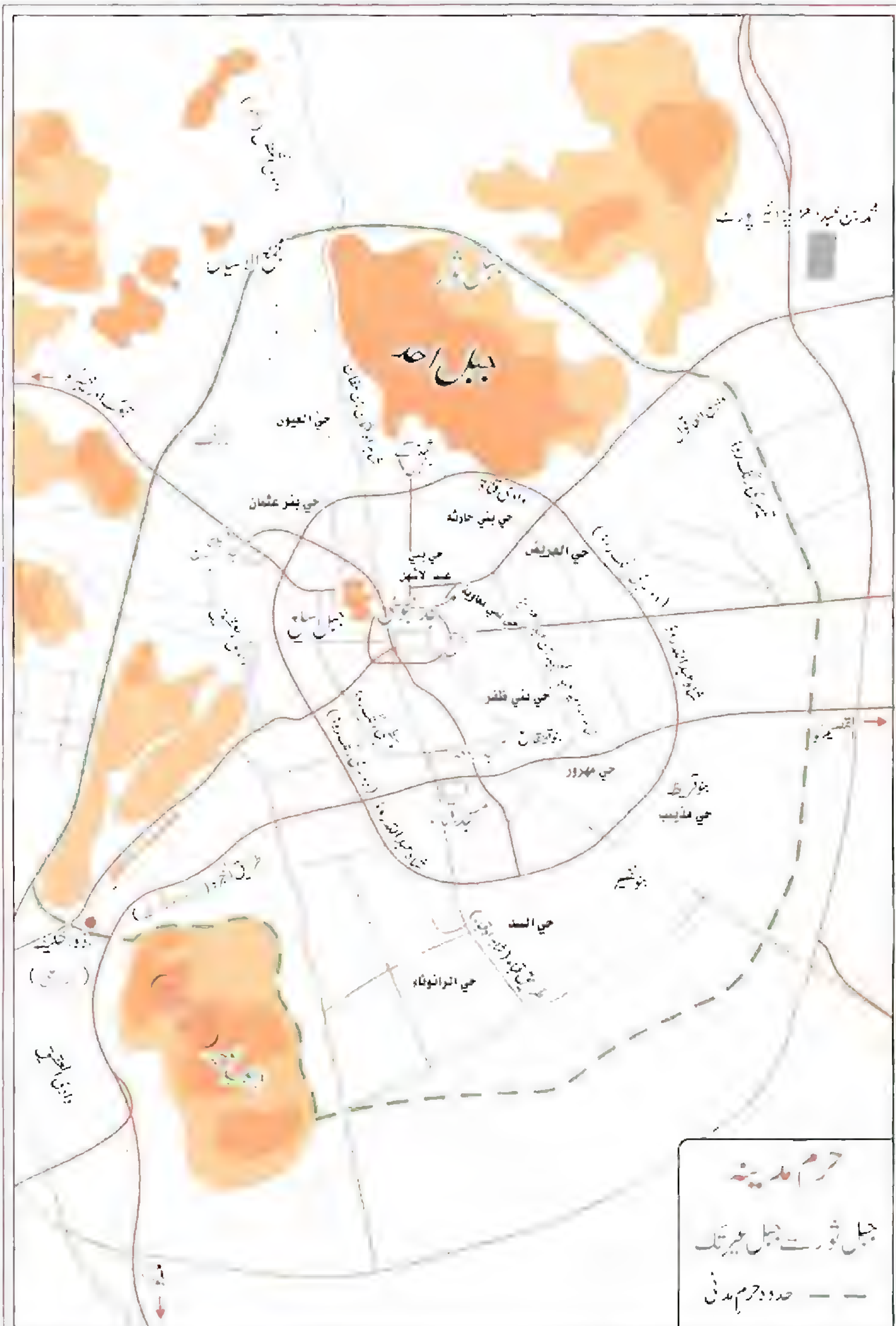


ثور پہاڑ پر نشان حدود (مدینہ منورہ)



"مدینہ عیر پہاڑ سے لے کر ثور پہاڑ تک شمالاً جنوباً حرم ہے۔ جو اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے گا یا کسی بدعتی کو ٹھکانا مہیا کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

1 صحیح البخاری: 2741، صحیح مسلم: 1636


جبل احد
حي العيون
حي بئر عثمان
حي بني حارثة
حي العريض
حي بني ظفر
حي مهزور
حي مذينيب
حي السد
حي الرانوناء
حرم مدینہ
جبل ثور سے جبل عیر تک
حدود حرم مدنی

مسلمانوں کی پناہ ایک ہے۔ ایک عام شخص بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی دی ہوئی پناہ توڑے گا، اس پر بھی اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول کرے گا، نہ نفل۔ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہو یا اپنے آزاد کرنے والے مالکوں کی بجائے کسی اور کو اپنا مالک کہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت برستی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض عمل قبول فرمائے گا، نہ نفل۔'' [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا علی ؓ سے منقول صحیفے کے بارے میں جو کچھ بھی تھا، وہ اس روایت میں مذکور ہے اور بعد ازاں سیدنا علی ؓ سے بہت سے راویوں نے بیان کیا۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث سیدنا علی ؓ کی طرف سے روافض کے دعووں کے بے بنیاد ہونے کی بڑی واضح تصریح ہے، جیسا کہ انھوں نے یہ بات گھڑ لی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو علم کے اسرار، دین کی بنیادی چیزوں اور شریعت کے خزانوں میں سے بہت سی چیزوں کی وصیت فرمائی ہے۔ اور آپ ﷺ نے اہل بیت کو ان امور میں خاص کیا ہے جنھیں ان کے سوا دوسروں پر ظاہر نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ فاسد اختراعات اور باطل دعوے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کے بودے پن کے ثبوت کے لیے سیدنا علی ؓ کی یہی حدیث کافی ہے۔ [2]

سیدنا علی ؓ نہایت ایماندار، عالم اور متقی صحابی تھے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحیحین کی یہ متفق علیہ حدیث جو خود سیدنا علی ؓ سے مروی ہے، رافضیوں کا رد کر رہی ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کے حق میں خلافت کی وصیت فرمائی۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو کوئی بھی صحابی اسے رد نہ کرتا کیونکہ وہ تو سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے تھے۔ نہ وہ کسی ایسے شخص کو مقدم کر سکتے تھے جسے آپ نے مقدم نہ کیا ہو اور نہ وہ ایسے شخص کو مؤخر کر سکتے تھے جسے آپ نے مقدم کیا ہو۔ بھلا وہ ایسا کیوں کرتے؟

جو شخص صحابہ کرام ؓ کے بارے میں ایسی بدگمانی رکھتا ہے، اس شخص نے تمام صحابہ کرام ؓ کو فجور و گناہ سے منسوب کیا ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ وہ سب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور حکم عدولی پر کمربستہ ہو گئے تھے اور انھوں نے آپ کا صریح حکم نظر انداز کر دیا تھا۔ جو شخص صحابہ کرام ؓ پر الزام تراشی میں اس حد تک پہنچ جائے، وہ

1 صحیح البخاری: 3179، صحیح مسلم: 1370۔ 2 شرح مسلم للنووی: 122/9

اسلام سے لاتعلق اور ائمہ کے اجماع کی روشنی میں کافر ہو جاتا ہے۔ اس کا خون بہانا، شراب پینے سے زیادہ حلال ہے۔ پھر اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی صریح نص ہوتی تو وہ اسے صحابہ کے سامنے پیش کرتے تاکہ ان کی امارت اور امامت ثابت ہو جاتی۔ آخر انھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

اگر وہ نص کے موجود ہونے کے باوجود اسے پیش نہیں کر سکے تو وہ عاجز ثابت ہوتے ہیں اور عاجز شخص تو امارت اور امامت کے قابل نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ قدرت رکھنے کے باوجود خاموش رہے تو یہ خیانت مخفی ہے۔ اور خائن شخص فاسق ہوتا ہے۔ ایسا شخص امیر بن بھی جائے تب بھی اسے معزول کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ نص ہونے کے باوجود نص سے ناواقف تھے تو وہ جاہل قرار پاتے ہیں، یہ عجیب معما اور لطیفہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اس وصیت سے بے خبر ہوں مگر بعد والے نہ صرف اس وصیت سے باخبر ہو گئے بلکہ اسے تسلیم بھی کرتے ہیں! درحقیقت یہ آخری درجے کی شرانگیزی، جہالت، گمراہی اور محال چیز ہے۔ اس قسم کی بات کسی جاہل، احمق اور دھوکہ کھانے والے شخص ہی کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہے جو شیطان اپنے لوگوں کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ نہ کوئی دلیل نہ کوئی ثبوت۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی گمراہی، تشکیک، حماقت اور کفر سے بچائے اور ہمیں قرآن و سنت کی پناہ میں محفوظ و مامون فرمائے۔ اسلام و ایمان پر موت عطا فرمائے اور یقین و ثبات پر قائم رکھے۔ نیز میزان کو نیکیوں سے بوجھل کرے، آگ سے نجات اور جنت میں داخلہ نصیب فرمائے۔ بلاشبہ وہ رحیم و کریم اور منان و رحمٰن ہے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان جاہل قصہ گو اور ملنگ قسم کے لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو بہت سی طویل وصیتیں کی ہیں کہ اے علی! ایسے کرنا، اس طرح نہ کرنا، جو شخص ایسا کرے گا تو ایسا ہوگا، ویسا ہوگا وغیرہ۔ اس طرح کے دعووں کے الفاظ بھی رکیک ہیں اور معانی بھی غیر معتبر ہیں۔

اگر شیعہ حضرات کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مفروضہ صحیح ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، جیسا کہ پیچھے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خلافت سے محروم کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ ہمیں کبھی خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

پھر اگر وصیت ہو سکتی تھی تو زندگی کے آخری لمحات میں ہو سکتی تھی۔ آخری وقت کی وصیت کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا ہے۔ اس کے باوجود اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کوئی وصیت کی ہوتی تو صحابہ میں سے کسی نے تو اسے سنا ہوتا اور بیان کیا ہوتا۔ لیکن کتب حدیث میں وصیت مزعومہ کے متعلق کوئی روایت یا حکایت

1 البداية والنهاية: 5/252.

منقول نہیں۔ ایسے حالات میں سیدنا علی ؓ "وصی رسول اللہ" کیسے ہو گئے؟ خود سیدنا علی ؓ نے تصریحات کی ہیں کہ وصیت کے بارے میں ہماری کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب ؓ نے زندگی بھر اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا، نہ کوئی اس کا معمولی سا اشارہ ہی کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے خلافت کی وصیت کی ہے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ والے دن انصار کے درمیان خلافت کے مسئلے پر آپس میں گفتگو ہوئی تو اس موقع پر کسی بھی صحابی نے سیدنا علی ؓ کے حوالے سے ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔ اگر آپ ﷺ نے اس قسم کی کوئی بات علی ؓ سے فرمائی ہوتی تو کم از کم اس کا تذکرہ تو ضرور ہوتا۔ بعد میں بھی کسی صحابی نے اپنی زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ خلافت کا حق چھینا گیا ہے۔ چنانچہ اس پر تمام صحابۂ کرام ؓ کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو خلافت کی ایسی کوئی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ ہی اس کا حق رکھتے تھے۔[1]

ابوبکر ؓ سنح تشریف لے گئے

صحابۂ کرام ؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز کے وقت دیکھا تو انھیں بڑا سکون نصیب ہوا۔ انھیں اطمینان ہوا کہ ان شاء اللہ اب آپ ﷺ جلد ہی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آج آپ ﷺ مبارک زندگی کا آخری روز ہے اور آپ ﷺ موت سے قبل کی بیماریوں سے شفایاب ہو چکے ہیں۔ سیدنا ابوبکر ؓ کو بھی یہی گمان ہوا کہ اب آپ ﷺ رو بصحت ہیں، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اپنے اہل و عیال جو مقام سنح (عوالی) میں رہائش پذیر تھے، سے ملنے کے لیے جانے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرا خیال ہے کہ اللہ نے آپ کو فضل اور احسان فرماتے ہوئے رو بصحت فرمایا ہے جیسا کہ ہماری تمنا ہے۔ آج بنت خارجہ کا دن ہے۔ کیا میں وہاں ہو آؤں؟ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی تو سیدنا ابوبکر ؓ مقام سنح پر اپنے دوسرے گھر روانہ ہو گئے۔[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کے پاس گئے اور کہا: میرا خیال ہے کہ اب رسول اللہ ﷺ کو افاقہ ہے اور آج بنت خارجہ (ابوبکر ؓ کی ایک بیوی) کا دن ہے۔ وہ علاقہ "سنح" میں رہتی تھی۔ یہ کہتے ہوئے سیدنا ابوبکر ؓ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے اہل خانہ کی طرف چلے گئے۔[3]

1 دیکھیے: صحیح البخاری: 5/444، 445. 2 السیرۃ لابن ہشام: 4/304. 3 تاریخ الاسلام: 14/472.

رفیق اعلیٰ کی طرف

رسول اللہ ﷺ شہادت سے سرفراز ہوئے

رسول اللہ ﷺ کو اس زہر کے اثرات نے شدید تکالیف میں مبتلا کر دیا جو آپ کو خیبر میں دیا گیا تھا۔ سیدہ ام مبشر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ ام مبشر رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کی بیماری کا کیا سبب ہے؟ میں تو آپ ﷺ کی بیماری کی وجہ صرف اس کھانے کو گردانتی ہوں جو آپ نے خیبر کے دن کھایا تھا۔ ام مبشر رضی اللہ عنہا کا بیٹا (بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ سے پہلے اسی زہر کی وجہ سے فوت ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی اس کے علاوہ کسی اور امر کو بیماری کا سبب نہیں سمجھتا۔'' ''اس (زہر) سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض الوفات میں فرماتے تھے: ''عائشہ! میں اس زہر آلود کھانے کی تکلیف مسلسل محسوس کرتا رہا، جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔''[2]

فتح خیبر کے وقت ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر رسول اللہ ﷺ کو بطور ہدیہ بھیجا۔ ابھی آپ ﷺ نے لقمہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ بذریعہ وحی آپ کو خبردار کر دیا گیا۔ اس حدیث میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ ابہری ایک رگ ہے جو پیٹھ سے ہو کر گزرتی ہے اور اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ وہ پھٹتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو وفات کے قریب اس کا علم ہوا۔ اس اعتبار سے آپ شہید ہی ہیں ہرچند آپ ﷺ بستر ہی پر فوت ہوئے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ وہ زہر اب تک دبا ہوا تھا، جب کمزوری چھا گئی اور قوتِ مدافعت نہ رہی تو طبیعت پر اس کا غلبہ ہو گیا اور اس کا درد محسوس ہونے لگا۔

1 مسند أحمد 18/6، 2 صحيح البخاري 4428

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اللہ کی ایک قسم کھا کر کہنے کے بجائے نو قسمیں کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت بھی عطا فرمائی۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس زہر کا اثر باقی تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کو فضیلت کے تمام مراتب سے سرفراز فرمانا چاہتا تھا، جب اللہ نے شہادت کے ذریعے آپ ﷺ کی عزت افزائی کا ارادہ کیا تو اس زہر کے اثر نے کام کرنا شروع کر دیا۔ یوں آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔[2]

مسواک کی آرزو

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ اس وقت خاموش تھے، کلام نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسامہ کو دیکھا تو اپنے مبارک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور پھر اسامہ پر رکھ دیے۔ وہ سمجھ گئے کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔[3] رسول اللہ ﷺ پر غشی طاری تھی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی کمر مبارک کو اپنے سینے سے سہارا دے رکھا تھا۔ اسی دوران عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''کیا میں آپ ﷺ کو مسواک پیش کروں؟'' آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا: ''ہاں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھائی سے مسواک لے لی، چبائی، نرم کی اور آپ ﷺ کو پیش کر دی۔ آپ نے اتنی خوبی سے مسواک کی کہ اس سے اچھی مسواک کرتے میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ مسواک سے فارغ ہوتے ہی کچھ دیر نہیں گزری کہ آپ نے اپنا ہاتھ یا انگلی اٹھائی، پھر تین بار فرمایا: [illegible] اس کے بعد آپ فوت ہو گئے۔[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کے دنیا کے آخری اور آخرت کے پہلے دن میرا اور رسول اللہ ﷺ کا لعاب دہن اکٹھا کر دیا۔[5] اس میں اشارہ تھا کہ صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ دنیا و آخرت میں ایک جگہ ہی رہیں گے۔ اس حدیث سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا لعاب دہن اور رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک، آپ کے منہ میں جمع ہو گیا کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسواک کرنا شروع کی تو اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو لعاب دہن مسواک سے لگا ہوا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک سے مل گیا۔ واللہ اعلم۔

1 مسند أحمد 381/1، المستدرك للحاكم 4400. 2 زاد المعاد 128/4. 3 جامع الترمذي 3817، مسند أحمد 201/5. 4 صحيح البخاري 4438. 5 صحيح البخاري 4451

نبی کو اختیار

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں باہم کہا کرتے تھے کہ نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتے جب تک انھیں دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار نہیں دے دیا جاتا۔ جب آپ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ کی آواز بیٹھ گئی۔ میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے:

مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا، (یعنی) انبیا، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ، اور یہ لوگ اچھے رفیق ہوں گے۔''

ہم سمجھ گئے کہ اب آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔[1]

فی الرفیق الاعلی، یہ وہ آخری جملہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بار بار دہرایا، اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ آسمان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جوہری کہتے ہیں: الرفیق الاعلی سے مراد جنت ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ رفیق یہاں پر اسم جنس ہے جو ایک اور ایک سے زیادہ کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یعنی رفیق سے مراد انبیاء بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ اوپر فرمان الٰہی ہے: وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا

اکثر شارحین کا رجحان اسی طرف ہے۔[2]

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے:

إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرَ

''کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھا کر اختیار نہیں دے دیا جاتا''

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ کچھ دیر کے لیے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر آپ ہوش میں آئے تو آپ نے اپنی نظر گھر کی چھت کی طرف جمائی اور فرمایا: اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى

''اے اللہ! اوپر والے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔'' میں سمجھ گئی کہ یہ دراصل اسی حدیث کا موقع ہے جو آپ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھا کر اختیار نہیں دے دیا جاتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اب اللہ کے رسول ہمیں ترجیح نہیں دیں گے۔ یہی آخری

[1] صحیح البخاری: 4435، مسند الطیالسی: 1456 [2] [illegible] ص 38

کلمہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اوپر والے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔''[1]

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: جب کبھی ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے چھوتے اور فرماتے:

''لوگوں کے رب! تکلیف دور کر دے اور شفا عطا فرما دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ رہنے دے۔''

پھر جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے اور بیماری بڑھ گئی تو میں نے آپ ﷺ کا دست مبارک تھام لیا تاکہ میں اسی طرح کروں جس طرح آپ کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس وقت آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کا ساتھی بنا۔'' پھر میں نے دیکھا تو آپ ﷺ فوت ہو چکے تھے۔[2]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنا مبارک ہاتھ پانی کی چھاگل میں ڈال کر تر کرتے تھے، پھر اسے چہرۂ مبارک پر پھیرتے اور فرماتے: ''لا الٰہ الا اللہ، موت کی بڑی سختیاں ہوتی ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھایا اور فرمایا: یہاں تک کہ آپ ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور ہاتھ ایک طرف جھک گیا۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اے میرے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔''[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ ؓ نے کان لگا کر نبی اکرم ﷺ کی بات سنی، آپ ﷺ نے اپنی کمر مبارک ان کی طرف کر کے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے بلند رفیقوں سے ملا دے۔''[5]

والد گرامی ﷺ کی تکلیف دیکھی نہ گئی

جب رسول اللہ ﷺ آخری وقت میں شدید تکلیف میں مبتلا تھے تو سیدہ فاطمہ ؓ کہنے لگیں: ہائے میرے ابا جان

1 صحیح البخاری: 4437، صحیح مسلم: 2444۔ 2 صحیح مسلم: 2191۔ 3 صحیح البخاری: 4449۔ 4 سنن ابن ماجہ: 1623، جامع الترمذی: 978۔ 5 صحیح البخاری: 4440، صحیح مسلم: 2444 (85)

کی تکلیف! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''آج کے بعد تمھارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، بلاشبہ تمھارے باپ کے پاس وہ حاضر ہو گیا ہے جس نے کبھی کسی کو نہیں چھوڑا۔ اب قیامت کو ملاقات ہوگی۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ ؓ نے کہا: ''ہائے میرے ابا جان کتنی تکلیف میں ہیں۔'' آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: [illegible] ''بس آج ہی کا دن ہے، اس کے بعد تمھارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو سیدہ فاطمہ ؓ نے کہا: ''اے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا منظور کر لیا، اے میرے ابا جان! آپ نے جنت الفردوس میں ٹھکانا بنا لیا، اے ابا جان! میں جبریل کو آپ کی موت کی خبر سناتی ہوں۔'' جب آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا تو فاطمہ ؓ انس ؓ سے فرمانے لگیں: ''تم نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کر لیا؟''[2]

وفات کے وقت خوشبو پھیل گئی

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کا سر میرے پھیپھڑے اور سینے سے لگا ہوا تھا۔ جب آپ کی روح پرواز کر گئی تو ایسی خوشبو پھیلی کہ ایسی مہک کبھی نہ سونگھی تھی۔[3]

سیدہ ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں: جس دن رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے، میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا، پھر عرصہ دراز گزر گیا، میں اس ہاتھ سے کھاتی بھی رہی، وضو بھی کرتی رہی مگر میرے ہاتھ سے کستوری جیسی خوشبو زائل نہیں ہوئی۔[4]

سیدنا ابوبکر ؓ نے بھی جب آپ کو وفات کے بعد بوسہ دیا تو کہا: [illegible]

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ زندگی میں بھی معطر تھے اور مرنے کے بعد بھی معطر ہیں۔''[5]

سیدنا علی ؓ جب آپ کو غسل دے رہے تھے، اس وقت انھوں نے بھی یہی الفاظ کہے: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ زندگی میں بھی معطر تھے اور مرنے کے بعد بھی معطر ہیں۔

1 سنن ابن ماجہ: 1629. 2 صحیح البخاری: 4462. 3 مسند احمد: 122،121/6. 4 دلائل النبوۃ للبیہقی: 219/7.
5 صحیح البخاری: 3667.

جسمِ اطہر ڈھانپ دیا گیا

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کو ایک یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو عبداللہ بن ابی بکر کے ایک یمنی حلے سے ڈھانپا گیا جو بعد میں آپ ﷺ کے بدنِ مبارک سے اتار دیا گیا۔[2]

سیدنا ابو بردہ ؓ فرماتے ہیں: میں سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے یمن کا تیار شدہ ایک موٹا سا ازار اور ملبدہ چادر نکال کر ہمیں دکھائی اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ ان دو کپڑوں میں فوت ہوئے تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے دنیا کیسے چھوڑی؟

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تکلیف جیسی تکلیف کسی کو ہوتے نہیں دیکھی۔[4]

دوسری روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے یہ الفاظ ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے سینے اور ٹھوڑی کے درمیان اللہ کو پیارے ہوئے، لہذا میں آپ ﷺ کی بیماری کی تکلیف دیکھنے کے بعد کسی کے لیے بھی موت کی شدت ناگوار نہیں سمجھتی۔[5]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا سرِ مبارک میرے دونوں (سینہ پر) شانوں کے درمیان تھا۔ جب آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس ایک طرف جھکا تو میں سمجھی کہ شاید آپ کو میرے سہارے کی ضرورت ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے دہنِ مبارک سے ٹھنڈا پانی بہہ رہا ہے۔ وہ پانی مجھ پر گرا تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ میں سمجھی کہ شاید آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی ہے۔[6]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر جو ان کے بعد نیک ہیں۔ آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔“[7]

وقتِ رخصت صدقہ

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں دریافت فرمایا

1 صحیح بخاری، 5367۔ 2 صحیح مسلم، 1564۔ 3 صحیح مسلم، 2080۔ 4 صحیح بخاری، 5646۔
5 صحیح بخاری، 4446۔ 6 مسند احمد، 219/6۔ 7 جامع الترمذی، 2398

کے ہاں کبھی گندم اور کھجوروں کا صاع بھی نہ ہوتا تھا۔" حالانکہ آپ کی نو بیویاں (بوقت وفات) تھیں۔ آپ نے مدینہ منورہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھ دی تھی کیونکہ آپ نے اس سے کچھ غلہ لیا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس اپنی وفات تک اتنی رقم بھی جمع نہ ہو سکی کہ اسے چھڑوا لیتے۔"[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احد پہاڑ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! میں نہیں چاہتا کہ احد پہاڑ آل محمد کے لیے سونا بن جائے۔ ایسی صورت میں، میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں گا اور وفات کے وقت میرے پاس اس میں سے دو دینار بھی باقی نہ ہوں گے الا یہ کہ انھیں ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑوں۔"

اس لیے رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تو آپ نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ غلام نہ لونڈی۔ صرف زرہ چھوڑی، وہ بھی ایک یہودی کے پاس تیس صاع (ڈیڑھ من) جو کے عوض گروی تھی۔[2]

مجھے اس دنیا سے کیا لینا؟

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کھجور کی ایک چٹائی پر آرام فرما تھے اور چٹائی کے نشانات آپ کے جسم اطہر پر نمایاں تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا اچھا ہو کہ آپ کوئی نرم بچھونا استعمال فرمائیں۔ فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"میرا دنیا سے کیا تعلق؟ دنیا میں میری مثال اس سوار مسافر جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں چلا، دن کی ایک گھڑی کے لیے ایک درخت تلے سایہ حاصل کرنے کے لیے رکا، پھر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔"[3]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن عالم انسانیت خصوصاً مسلمانوں کے لیے انتہائی دردناک، بے حد الم انگیز، بہت تاریک اور مشکل ترین دن تھا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

1 صحیح بخاری: 2069، 2508، دلائل النبوۃ للبیہقی 275/7 2 مسند احمد 301/1 3 مسند احمد 301/1

تشریف لائے تو ہر چیز چمک اٹھی مگر جس دن فوت ہوئے، یہاں کی ہر چیز تاریک ہو گئی۔[1] ام ایمن رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ کہنے لگیں: ''مجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے لیے جو اللہ کے پاس ہے، وہ بہت بہتر ہے مگر میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب وحی اترنے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔''[2]

وفات کی تاریخ

سیدنا ابن عباس اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ربیع الاول میں سوموار کے دن فوت ہوئے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ البتہ سیرت نگاروں کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ 11 ھ، ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے روز، یکم ربیع الاول سے 12 ربیع الاول کی کسی تاریخ کو فوت ہوئے۔ بیشتر سیرت نگار آپ ﷺ کی وفات یکم ربیع الاول یا دو ربیع الاول یا 12 ربیع الاول کو قرار دیتے ہیں۔

1 امام سہیلی کے موقف کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن یکم ربیع الاول بنتا ہے۔ اس سلسلے میں امام سہیلی رحمہ اللہ کے پیش نظر موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تاریخ وفات یکم ربیع الاول بیان کی ہے۔[4]

امام سہیلی کے پیش نظر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول بھی ہے جس میں انھوں نے کہا کہ آیت ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ کے نازل ہونے اور آپ کی وفات کے درمیان 81 ایام ہیں۔ یہ آیت 9 ذوالحجہ 10 ھ کو نازل ہوئی۔ اس سے اور ربیع الاول کے درمیان ایک مہینہ 30 دن کا اور 2 مہینے 29 دن کے شمار کیے جائیں تو پورے 81 ایام بنتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخ وفات یکم ربیع الاول ہے۔[5] ابونعیم نے بھی یکم ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

علم فلکیات کی رو سے قمری سال کی مدت 354.37 دن ہے۔ یوں قمری مہینہ 29.5 دن کا شمار ہوتا ہے۔ اس طرح قمری مہینے بدل بدل کر 29 اور 30 دن کے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع (10 ھ) کے موقع پر میدان عرفات میں حج کا خطبہ (9 ذوالحجہ) جمعہ کے دن ارشاد فرمایا تھا اور یہ بھی مسلّم ہے کہ نبی ﷺ نے ربیع الاول 11 ھ میں پیر کے دن انتقال فرمایا تو دنوں کی گنتی میں دو صورتیں سامنے آتی ہیں: 1 اگر ذوالحجہ 10 ھ اور صفر 11 ھ

1 جامع الترمذی: 3618، سنن ابن ماجہ: 1631۔ 2 صحیح مسلم: 2454، سنن ابن ماجہ: 1635۔ 3 صحیح البخاری: 1387، ومسند احمد: 1/277، والطبقات لابن سعد: 2/272، 273۔ 4 المغازی لموسی بن عقبہ، ص: 330۔ 5 الروض الأنف: 4/439، 440۔

کے مہینے 30 دن کے شمار کیے جائیں اور درمیانی محرم 29 دن کا لیا جائے تو یکم محرم 11ھ ہفتے کو، یکم صفر اتوار کو اور یکم ربیع الاول منگل کو آتی ہے۔ اس صورت میں ربیع الاول 11ھ کی 7 اور 14 تاریخوں کو پیر کا دن تھا۔ 2 اگر ذوالحجہ اور صفر 29 دن کے شمار کیے جائیں اور درمیانی محرم 30 دن کا لیا جائے تو یکم محرم 11ھ جمعے کو، یکم صفر اتوار کو، یکم ربیع الاول پیر کو پڑتی ہے اور پھر ربیع الاول کی 8 اور 15 تاریخیں پیر کو آتی ہیں۔ اس لحاظ سے 12 ربیع الاول کی تاریخ کسی صورت نبی ﷺ کا یوم وفات نہیں بنتی، چنانچہ بعض مؤرخین امام سہیلی رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق یکم ربیع الاول کو یوم وفات قرار دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

2 ایک قول کے مطابق آپ کی تاریخ وفات 2 ربیع الاول ہے۔ اور دو ربیع الاول کو تاریخ وفات بتانے والوں نے ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کی روایات کو سامنے رکھا ہے جسے یعقوبی نے بیان کیا ہے۔[1] واقدی سے بھی دو ربیع الاول کا قول منقول ہے جسے امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بات وہی ہے جو ابو مخنف کی ہے کہ آپ ﷺ 2 ربیع الاول کو فوت ہوئے۔ ان کی اصل عبارت یہ تھی: مات في ثاني شهر ربيع الأول، تو بعد میں وہ عبارت بدل کر في ثاني عشر بن گئی، یعنی شهر کے بجائے عشر کا لفظ آ گیا جس سے 12 ربیع الاول وفات کا دن بن گیا۔[3] واللہ اعلم۔ لیکن ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کہتے ہیں کہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ضعیف ہیں۔[4]

3 ابن اسحاق اور جمہور علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات 11ھ 12 ربیع الاول سوموار کے دن ہوئی۔[5] یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حافظ ابن کثیر، قاضی سلیمان منصور پوری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر مہدی رزق اللہ، ڈاکٹر علی محمد صلابی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

مکہ اور مدینہ کے مطلع کا اختلاف

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ 12 ربیع الاول کو ترجیح دیتے ہیں اور امام سہیلی کے موقف یکم ربیع الاول کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کا مطلع مختلف مانا جائے کیونکہ مکہ والوں نے ذوالحجہ کا چاند جمعرات کی رات (یعنی بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات) دیکھا اور مدینہ والوں نے جمعے کی رات (جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات)۔ اس کی تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے

1 تاریخ الیعقوبی: 77/2۔ 2 دلائل النبوة للبيهقي: 233/7۔ 3 فتح الباري: 8/162، 163۔ 4 السيرة النبوية لمهدي رزق الله، ص: 377۔ 5 فتح الباري: 162/8، دلائل النبوة للبيهقي: 7/234، 235، مروج الذهب: 303/2۔

حجۃ الوداع کے لیے نکلے تو ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے۔ ہماری بیان کردہ بات سے یہ تعین ہوا کہ آپ ﷺ ہفتے کے دن نکلے تھے۔ ابن حزم کی یہ بات ٹھیک نہیں کہ آپ جمعرات کے دن نکلے تھے کیونکہ پھر تو مہینے کے اختتام کے پانچ سے زائد دن بچتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں کہ جمعۃ المبارک کے دن نکلے کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ آپ ہفتے کے دن نکلے جب کہ مہینہ ختم ہونے میں پانچ دن باقی تھے۔ اس صورت میں مدینہ والوں نے لازما ذوالحجہ کا چاند جمعۃ المبارک کی رات (جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات) کو دیکھا اور جب ذوالحجہ کی پہلی تاریخ مدینہ والوں کے نزدیک جمعے کے دن ہوئی اور بعد والے تمام مہینے کامل (30 دن کے) سمجھے جائیں تو کیم ربیع الاول جمعرات کے دن تھی۔ اس حساب سے بارہ ربیع الاول کو سوموار بن جاتا ہے۔[1] واللہ اعلم

عمر مبارک

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نہ تو بہت لمبے تھے، نہ ٹھگنے، نہ بالکل سفید تھے اور نہ گندمی رنگ کے، نہ انتہائی گھنگریالے بالوں والے تھے، نہ بالکل سیدھے بالوں والے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ آپ مکہ میں دس سال ٹھہرے، پھر مدینہ میں دس سال۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ جبکہ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔[2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو وہ بھی تریسٹھ برس کے تھے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تریسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے، مکہ میں تیرہ سال ٹھہرے، آپ پر وحی آتی رہی۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو دس سال مہاجر رہے اور تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔[4]

وفات کا وقت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کے بارے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ پیر والے روز، دن کے آخری حصے میں فوت ہوئے۔[5]

ایک روایت میں ہے کہ آپ زوال کے بعد فوت ہوئے۔[6] ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے

1 البدایۃ والنہایۃ: 225/5۔ 2 صحیح البخاری: 3548، صحیح مسلم: 2347۔ 3 صحیح مسلم: 2348۔ 4 صحیح البخاری: 3902۔ 5 صحیح البخاری: 754۔ 6 البدایۃ والنہایۃ: 223/5

دن جب چاشت کا وقت ہوگیا اس وقت فوت ہوئے۔[1] حافظ ابن حجر کہتے ہیں: سیدنا انس اور ابن اسحاق کے اقوال ایک دوسرے سے معارض ہیں۔ ان دونوں میں جمع ممکن ہے کہ آخری حصے کا اطلاق دن کے نصف ثانی کی ابتدا میں داخل ہونے کے معنوں میں ہے۔ اور یہ زوال کے قریب کا وقت ہے۔ اسی طرح چاشت کے وقت میں شدت زوال سے پہلے ہوتی ہے اور یہ مسلسل جاری رہتی ہے حتی کہ زوال شمس شروع ہو جاتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ آپ اس وقت فوت ہوئے جب سورج زوال کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عروہ سے ابوالاسود نے نقل کیا ہے۔ اس سے اس جمع وتطبیق کی تائید ہوتی ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر قیامت صغریٰ کا منظر

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو صحابہ کرام پر غم کے بادل چھا گئے۔ وہ آپ کے غم میں بے حد مضطرب اور پریشان ہو گئے۔ کئی اصحاب تو صدمے کے مارے ہوش گنوا بیٹھے۔ کچھ ایسے بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے، اٹھنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ ان کی زبان گنگ ہو گئی، بول چال کی ہمت ہی نہیں رہی۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ انھوں نے سرے سے آپ ﷺ کی موت ہی کا انکار کر دیا۔[3]

امام قرطبی رحمہ اللہ اس مصیبت کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب سے بڑی مصیبت دین کے متعلق ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

"تم میں سے کسی کو کوئی مشکل لاحق ہو تو اسے چاہیے کہ مجھے لاحق ہونے والی مصیبت کو یاد کرے کیونکہ یہ تمام مصائب سے بڑی مصیبت ہے۔"[4]

ابو عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بجا فرمایا ہے کیونکہ آپ کے بعد قیامت تک مسلمان کو لاحق ہونے والی مصیبتوں میں سے سب سے بڑی مصیبت وہی ہے جو آپ کو پہنچی۔ وحی رک گئی، نبوت ختم ہو گئی اور شیطانی قوتوں نے اس طرح سر اٹھایا کہ عرب اور غیر عرب مرتد ہو گئے۔ یہ خیر کا ذخیرہ گھٹنے اور ختم ہونے کا پہلا موقع تھا۔[5]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی

رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات پر اہل مدینہ کو کتنی زبردست پریشانی لاحق ہوئی اس کا اندازہ اس امر

1 [illegible] 304/4 2 فتح الباری: 180/8 3 لطائف المعارف، ص 114 4 [illegible] 6718 [illegible] 9677 5 تفسیر القرطبی 156/2 [illegible]

سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب عزیمت و استقامت بھی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مسند احمد میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسد اطہر کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما آئے، دونوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اجازت دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا: ہائے! آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا: تم غلط کہتے ہو اور کسی فتنے کا شکار ہو چکے ہو۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت ہونے والے نہیں جب تک تمام منافقین کا خاتمہ نہ کر دیں۔[1]

وفات رسول نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش اڑا دیے، چنانچہ جو کہتا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، وہ اسے مار ڈالنے کی دھمکی دیتے، دراصل وہ فرماتے: ''آپ ﷺ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام چالیس دن غائب رہ کر اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے تھے، اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنے رب کی طرف گئے ہیں اور اللہ کی قسم! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی واپس آ جائیں گے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔''[2]

شدید آشوب اور آزمائش میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تاریخی کردار

سیدنا سالم بن عبید رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دینے کے لیے سنح پہنچے اور انھیں آپ ﷺ کی وفات سے باخبر کیا۔[3] سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد میں چلے گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جانے تک لوگوں سے کوئی بات نہ کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ (کے جسد اطہر) کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ یمنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، پھر جھک کر بوسہ دیا اور رو پڑے، کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اللہ کی قسم! آپ پر اللہ تعالیٰ دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا۔ جو موت مقرر تھی، وہ آ چکی ہے۔''[4]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو چھوا تو لوگوں نے عرض کی:

1 مسند احمد: 219/6. 2 سیرۃ ابن ہشام: 305/4. 3 سبل الہدیٰ والرشاد: 296/12، 239. 4 صحیح البخاری: 4452، 4453

اے اللہ کے رسول کے ساتھی! کیا رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جی ہاں، رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر! بیٹھ جائیے!'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ وہ فرطِ غم سے بڑے جوش میں تھے۔ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اس کے بعد فرمایا:

''تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

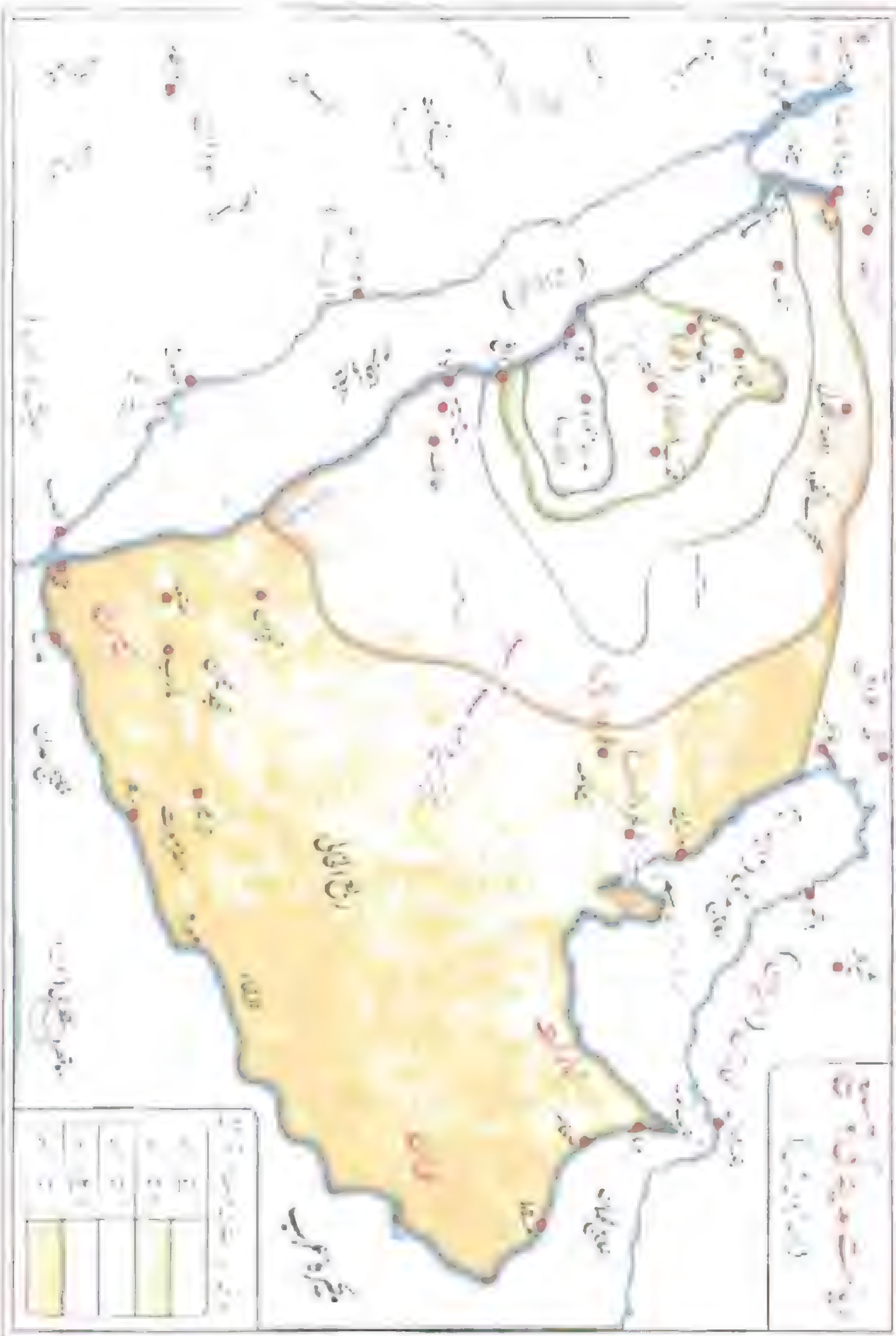
''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[2]

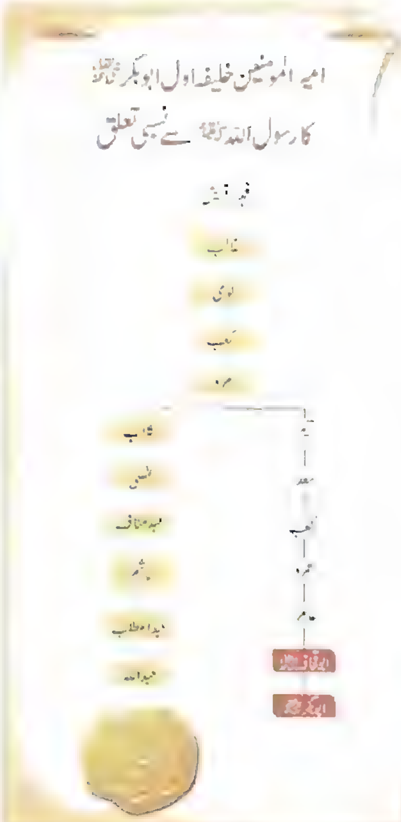
سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور آیت: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ کی تلاوت سننے کے بعد لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یوں معلوم ہوتا تھا گویا لوگوں کو اس آیت کا ادراک ہی نہ تھا یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی۔ اس موقع پر جس جس نے بھی یہ آیت سنی، وہ اس آیت کی تلاوت کرنے لگا۔[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی تو میں زمین پر گرنے لگا۔ میرے قدموں نے میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔''[4]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس آیت کی تلاوت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور شجاعت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بہادری یہی ہوتی ہے کہ مصائب کے موقع پر آدمی کا دل مضبوط رہے۔ بھلا آپ ﷺ کی وفات سے زیادہ مشکل گھڑی کون سی ہو سکتی تھی مگر اس موقع پر بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شجاعت، بصیرت اور علم کا ثبوت دیا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہی نہیں ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی انھی میں سے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ تو بالکل گم سم ہو گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر ہی نہیں نکلے۔ معاملہ بے حد پیچیدگی اختیار کر گیا تھا جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رہائش گاہ

1 تاریخ الطبری 184/8۔ 2 آل عمران 3:144۔ 3 صحیح البخاری: 1241، 1242، 3668، 4452-4454، ومسند احمد 25841۔ 4 صحیح البخاری: 4454۔





"سنخ" سے آکر سنبھالا اور اس آیت سے حقیقت واضح کی۔[1]

اے اللہ! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رحم فرما۔ انھوں نے امت کو کتنی زبردست مشکلات و مصائب کے طوفان میں محفوظ رکھا۔ بہت سی آزمائشیں ان کے ہاتھوں ختم ہوئیں۔ بہت سے کٹھن مسائل تھے جنھیں انھوں نے قرآن وسنت کے روشن دلائل کی مدد سے حل کر دیا جو عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب بصیرت لوگوں پر بھی پوشیدہ رہے۔ لوگو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حق اور مقام و مرتبہ پہچاننے کی کوشش کرو۔ رسول خدا کے محبوب سے محبت رکھو۔ ان سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے۔[2]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں کے اختلاف اور انتشار کو ختم کر کے انھیں سیدھی راہ پر ڈال کر اتفاق و اتحاد کی لڑی میں پرو دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حوالے سے سارے خدشات ختم ہوگئے۔ اور سب لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مسجد ہی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کر کے ان کی بیعت کر لی۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں مہاجرین کو قرآن مجید پڑھاتا تھا۔ انھی میں سے ایک عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ وہ منیٰ میں اپنے خیمے میں واپس آئے۔ میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آخری حج کی بات

1 تفسیر القرطبی، آل عمران 3:144. 2 عرفش المی ... الخلفاء ... ص 24.


منیٰ میں خیموں کی بہار

ہے۔ وہ آتے ہی کہنے لگے: آج عمر بن خطاب ؓ کے پاس ایک آدمی آیا، کہنے لگا: فلاں شخص کہتا ہے کہ اگر عمر فوت ہو گئے تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ سیدنا عمر ؓ کہنے لگے: ان شاء اللہ میں آج ہی ظہر کے وقت لوگوں سے خطاب کروں گا۔ میں نے کہا: امیر المومنین! ایسے نہ کیجیے کیونکہ موسم حج میں عوام الناس اور کم سمجھ لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور جب آپ خطاب فرمائیں گے تو یہی لوگ آپ کے قریب آ بیٹھیں گے۔ مجھے خطرہ ہے کہ آپ کوئی بات فرمائیں گے تو یہ لوگ سمجھ نہ پائیں گے اور اس کا صحیح مقصد و مفہوم متعین نہ کر سکیں گے اور افواہیں پھیلا دیں گے، اس لیے آپ مدینہ واپسی تک یہ پروگرام ملتوی کر دیں۔ مدینہ مسلمانوں کی ہجرت گاہ اور مرکز ہے۔ وہاں سمجھ دار لوگ اہل علم اور صاحب عز و شرف ہیں۔ وہاں آپ جو کچھ فرمائیں گے اطمینان سے فرمائیں گے۔ وہ آپ کی بات سمجھیں گے اور اس کے صحیح معنی اور مقام متعین کریں گے۔ سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ ان شاء اللہ اگر میں صحیح سالم مدینہ پہنچ گیا تو سب سے پہلی تقریر یہی کروں گا۔ ہم ذوالحجہ کے آخر میں مدینہ پہنچے۔ جمعۃ المبارک کا دن آ گیا تو میں (ابن عباس) اندھے آدمی کی طرح تپتی دوپہر کے وقت مسجد پہنچ گیا۔ (شاگرد نے حضرت امام مالک سے پوچھا: اندھے کی طرح کا کیا مطلب؟ انھوں نے فرمایا: اندھا شخص زمان و مکان کی پروا نہیں کرتا بلکہ جب چاہتا ہے چل پڑتا ہے خواہ سردی ہو یا گرمی) میں نے حضرت سعید بن زید کو منبر کے دائیں پائے کے پاس بیٹھے پایا۔ وہ مجھ سے بھی پہلے آ چکے تھے۔ میں ان کے برابر اس طرح بیٹھ گیا کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے ٹکرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سیدنا عمر ؓ بھی پہنچ گئے۔ میں نے انھیں دیکھا تو کہا: آج اس منبر پر سیدنا عمر ایسی تقریر کریں گے جو اس سے قبل کبھی نہیں کی۔ سعید بن زید کو میری بات کا یقین نہ آیا، کہنے لگے: ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے جو کبھی نہ کی ہو؟

سیدنا عمر ؓ کا خطاب

خیر سیدنا عمر ؓ منبر پر بیٹھ گئے۔ جب مؤذن اذان سے فارغ ہوا تو وہ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: اے لوگو! آج میں ایک ایسی بات کرنے لگا ہوں جو میرے نزدیک انتہائی ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے میری موت قریب ہی ہو۔ جو شخص میری بات کو سمجھ لے اور یاد رکھے، وہ اسے جہاں تک پہنچا سکتا ہے، پہنچا دے لیکن جس کی سمجھ میں میری بات نہ آئے، وہ میرے نام پر جھوٹ بولنے کا مجاز نہیں۔

رجم ایک شرعی حد

یقیناً اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب اتاری۔ کتاب میں رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی، اسے سمجھا اور یاد رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد



رجم کیا۔ مجھے خطرہ ہے کہ وقت زیادہ گزر گیا تو کوئی کہنے والا کہے گا: ہم اللہ کی کتاب میں رجم کا حکم نہیں پاتے۔ اس طرح لوگ قطعی حکم چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے۔ یاد رکھو! رجم اللہ کی کتاب میں حقیقتاً موجود ہے۔ جو شخص مرد یا عورت شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے، وہ رجم کیا جائے گا بشرطیکہ گواہ مل جائیں یا حمل ثابت ہو جائے۔ یا خود اعتراف جرم کر لے۔ خبردار! ہم قرآن میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے آباء سے اعراض نہ کرو کہ یہ بہت بڑی ناشکری ہے۔ خبردار! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے مجھے میری حد سے نہ بڑھا دینا، جیسے عیسیٰ ابن مریم کو ان کی حد سے بڑھا دیا گیا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کسی نے کہا ہے: اگر عمر فوت ہو گیا تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ یاد رکھو! کوئی شخص اس دھوکے میں نہ رہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی تو اسی طرح اچانک ہوئی تھی۔ پھر بعد میں سب نے بیعت کر لی۔ اب بھی اسی طرح ہو جائے گا۔ ہاں، واقعتاً سیدنا ابوبکر کی بیعت اسی طرح ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس چیز کے شر سے محفوظ رکھا۔ تم میں آج کون شخص سیدنا ابوبکر جیسا ہے جس کے لیے سب پہنچ کر گردنیں جھکا دیتے ہوں؟ یہ واقعہ بھی سن لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو سیدنا علی، زبیر اور ان کے ساتھی سیدہ فاطمہ بنت رسول ﷺ کے گھر جمع ہو گئے۔ انصار سب کے سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ مہاجرین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ میں نے ابوبکر سے کہا: جناب ابی بکر! آیئے انصار بھائیوں کے پاس چلیں۔ ہم ان کی طرف جا رہے تھے کہ ہمیں دو نیک انصاری ملے۔ انھوں نے ہمیں انصار کی کارگزاری سے مطلع

گیا اور کہنے لگے: مہاجر بھائیو! کدھر جا رہے ہو؟ میں نے کہا: انصار بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے: ان کے پاس جانے کا تمھیں کوئی فائدہ نہیں۔ تم جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ ہم ان کے پاس سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ وہ سب اکٹھے تھے۔ ان کے مابین ایک شخص چادر اوڑھے بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ وہ کہنے لگے: سعد بن عبادہ ہیں۔ میں نے دریافت کیا: انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا: یہ بیمار ہیں۔ جب ہم بیٹھ گئے تو ان کا خطیب کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اما بعد! ہم اللہ کے انصار ہیں، اسلام کا لشکر ہیں اور اے مہاجرین! تم ہمارے نبی کریم ﷺ کی ایک چھوٹی سی جماعت ہو۔ اب تم میں سے کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں جڑ سے کاٹ دیں اور ہمیں نظر انداز کر کے خود ہی حکومت سنبھال لیں۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے بات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کیونکہ میں نے اس وقت کے لحاظ سے ایک بہترین تقریر تیار کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ سیدنا ابوبکر کی تقریر سے پہلے وہ باتیں کر دوں تاکہ سیدنا ابوبکر کی کچھ تیزی ختم ہو جائے۔ ویسے وہ مجھ سے زیادہ دانا اور باوقار تھے۔ سیدنا ابوبکر کہنے لگے: ٹھہر جاؤ۔ میں نے انھیں ناراض کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ وہ مجھ سے بڑے نہایت پر وقار اور عالم تھے۔ اللہ کی قسم! وہی باتیں جو مجھے اپنی تقریر کے لیے بہت اچھی لگتی تھیں، وہ سب سیدنا ابوبکر نے اپنی فی البدیہہ تقریر میں مجھ سے کہیں بہتر کر ڈالیں۔ انھوں نے فرمایا: تم نے اپنی جو فضیلت بیان کی ہے حق یہ ہے کہ تم اس کے اہل ہو۔ لیکن عرب لوگ قریش کے علاوہ کسی کی حکومت تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ وہ اپنے نسب اور علاقائی لحاظ سے افضل ترین عرب ہیں۔ میں ان دونوں میں سے جسے تم چاہو خلیفہ تسلیم کرتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بس مجھے ان کی یہی بات بُری لگی۔ اس کے علاوہ ان کی ساری باتیں بہت اچھی تھیں۔ اللہ کی قسم! جس قوم میں ابوبکر ؓ جیسے جلیل القدر موجود ہوں اس قوم کا امیر بننا مجھ پر اس قدر گراں گزر رہا تھا کہ اس کے برعکس اگر میری گردن تن سے جدا کر دی جاتی تو وہ میرے لیے کہیں بہتر اور قابل ترجیح بات تھی۔ اب تک میں یہی سمجھتا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ موت کے وقت میرے اس خیال میں کوئی تبدیلی آ جائے۔ انصار میں سے ایک شخص کہنے لگا: میں انصار کا مضبوط ترین تنا ہوں جس سے اونٹ اپنا جسم کھجاتے ہیں۔ اے قریش کی جماعت! ایک امیر ہم میں سے، ایک امیر تم میں سے ہونا


سقیفہ بنی ساعدہ (مدینہ منورہ)

چاہیے۔ (راوی کہتا ہے: میں نے امام مالک سے پوچھا: ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ وہ فرمانے لگے: وہ دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں انصار کا سرکردہ شخص ہوں۔) اس بات پر شور وغل برپا ہو گیا اور طرح طرح کی آوازیں اونچی ہوتی چلی گئیں۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ اختلاف برپا ہو جائے گا، اس لیے میں نے فوراً کہا: جناب ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ان کی بیعت کر لی۔ پھر تمام مہاجرین نے ان کی بیعت کر لی اور پھر انصار نے بھی بیعت کر لی۔ ہم سعد بن عبادہ کی طرف لپکے۔ کسی کہنے والے نے کہا: تم نے تو سعد کو قتل ہی کر ڈالا۔ میں نے کہا: سعد کو اللہ نے قتل کیا۔ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں اس موقع پر سب سے اچھا اور مفید کام یہی ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی۔ ورنہ ہمیں خطرہ تھا کہ اگر ہم فیصلہ کیے بغیر یہاں سے اٹھ گئے تو وہ ہمارے بعد کسی کی بیعت کر لیں گے۔ پھر دو ہی صورتیں ہوں گی یا تو ہم اپنی مرضی کے خلاف ان کی بیعت کریں گے یا ان کی مخالفت کریں گے۔ اس طرح فساد برپا ہو جائے گا، لہٰذا اب جو شخص مسلمانوں کے باہمی مشورے کے بغیر کسی کی بیعت کرے گا، اس کی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہ اس شخص کا کوئی وقار یا اعتبار ہوگا جس کی بیعت کی گئی بلکہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے ابن شہاب زہری نے حضرت عروہ کے حوالے سے بیان فرمایا کہ جو دو آدمی انھیں ملے تھے، وہ عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی تھے۔ ابن شہاب فرماتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب نے بتایا کہ جس شخص نے یہ کہا تھا کہ میں انصار کا مضبوط ترین تنا ہوں جس سے اونٹ اپنا جسم کھجاتے ہیں، وہ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

حضرت رافع طائی جو غزوہ ذات السلاسل میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، فرماتے ہیں: میں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان باتوں کے بارے میں پوچھا جو ان کی بیعت کے سلسلہ میں پیش آئیں۔ انھوں نے مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا جو انصار نے اس موقع پر کہیں اور سیدنا ابوبکر اور عمر نے ان سے کہیں۔ اس موقع پر انصار کو یہ بھی یاد دلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے آخری دنوں میں ابوبکر کو امام بنایا تھا۔ اس پر انھوں نے میری بیعت کر لی اور میں نے بھی ان کی بیعت قبول کر لی کیونکہ مجھے خطرہ تھا مبادا ایسا فتنہ اٹھ کھڑا ہو جس کے بعد ارتداد پھیل جائے۔[2]

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امامت و خلافت اس خدشے کے پیش نظر قبول کی

1 [illegible] 55/[illegible] [illegible] 6830 2 [illegible] 8/1

تھی کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہت بڑا فتنہ پھوٹ پڑتا۔

بیعت عامہ منبر پر ہوئی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ سارے امور سوموار کے باقی ماندہ دن ہی میں انجام پاگئے۔ اگلے دن منگل کی صبح کو سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوگئے۔ اس موقع پر باقی ماندہ سب مہاجرین وانصار نے بھی بیعت کرلی۔ بیعت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کی تکفین وتجہیز عمل میں آئی۔

سیدنا انس ؓ سے منقول ہے کہ میں نے سیدنا عمر ؓ کا بعد والا خطبہ سنا جب وہ منبر رسول پر بیٹھے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے اگلے دن کی بات ہے۔ سیدنا ابوبکر ؓ بالکل خاموش بیٹھے تھے، کسی سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: مجھے امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ رہیں گے اور ہمارے کاموں کے لیے تدبیر اور انتظام فرماتے رہیں گے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ سب سے آخر میں فوت ہوں گے۔ سیدنا عمر نے مزید کہا: اگر سیدنا محمد ﷺ فوت ہوگئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان نور (قرآن) کو باقی رکھا ہے جس سے تم ہدایت حاصل کرتے رہو گے۔ اسی قرآن کے ذریعے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی فرمائی۔ اور سیدنا ابوبکر ؓ رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین ساتھی اور یار غار ہیں۔ وہ مسلمانوں کے معاملات کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔ کچھ لوگ اس سے قبل بنی ساعدہ ہی میں ان کی بیعت کر چکے تھے لیکن عام لوگوں نے منبر پر بیعت کی۔

سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر ؓ کو اس روز سنا، وہ سیدنا ابوبکر سے درخواست کرتے تھے: آپ منبر پر تشریف لائیں۔ وہ یہی اصرار کرتے رہے حتی کہ ابوبکر ؓ منبر پر جا بیٹھے اور عام لوگوں نے ان کی بیعت کی۔[1]

دریں اثنا سیدنا ابوبکر ؓ کا سیدنا عمر اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراح ؓ کا ہاتھ پکڑ کر انصار کو بیعت کی دعوت دینے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انھیں خلافت کی کوئی تمنا نہیں تھی بلکہ انھوں نے خلافت سے بے نیازی برتتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں خلافت کا کبھی متمنی تھا نہ مجھے اس سے کبھی کوئی رغبت رہی، نہ میں نے اس کا کبھی اللہ تعالیٰ سے ظاہراً یا باطناً سوال کیا۔ لیکن مجھے یہ خدشہ لاحق ہوگیا کہ اگر میں نے خلیفہ بننا قبول نہ کیا تو امت فتنے میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس امارت میں میرے لیے کوئی راحت وسکون نہیں بلکہ میں نے ایک بہت بڑی ذمہ داری

1 صحیح البخاری: 7219

اٹھائی ہے۔ اس کی مجھ میں طاقت و ہمت نہیں۔ اللہ ہی مجھے طاقت اور ہمت دینے والا ہے۔ میری تمنا ہے کاش! میری جگہ کوئی طاقتور شخص یہ ذمہ داری سنبھالتا۔[1]

خطیب انصار کی بے نفسی

سیدنا ابوسعید فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو لوگ سیدنا سعد بن عبادہ کے گھر جمع ہو گئے، ان میں سیدنا ابوبکر صدیق بھی تھے۔ انصار کا خطیب کھڑا ہوا اور کہنے لگا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے؟ اور آپ کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہوگا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے انصار مددگار تھے۔ اب ہم آپ کے خلیفہ کے مددگار ہوں گے۔ یہ سن کر سیدنا عمر بن خطاب کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: تمھارے خطیب نے سچ کہا ہے۔ اگر تم اس کے علاوہ کچھ کہتے بھی تو ہم تمھاری بیعت نہ کرتے۔ پھر انھوں نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ ہیں تمھارے امیر، لہٰذا ان کی بیعت کرو۔ یہ کہہ کر سیدنا عمر نے ان کی بیعت کی اور مہاجرین و انصار نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ وہ فرماتے ہیں: پھر سیدنا ابوبکر منبر پر چڑھے اور لوگوں کو غور سے دیکھا۔ انھیں سیدنا زبیر نظر نہ آئے۔ انھوں نے سیدنا زبیر کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو ابوبکر فرمانے لگے: میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا اور آپ کا حواری ہے۔ کیا تم مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہتے ہو؟ زبیر کہنے لگے: جناب خلیفہ رسول! مجھے ملامت نہ کیجیے۔ پھر اٹھے اور ان کی بیعت کر لی۔ پھر سیدنا ابوبکر نے لوگوں پر نظر دوڑائی تو انھیں سیدنا علی نظر نہ آئے۔ انھوں نے بلا بھیجا۔ وہ آئے تو ابوبکر فرمانے لگے: میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا چچا زاد اور داماد ہے، کیا تم مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہتے ہو؟ علی کہنے لگے: جناب خلیفہ رسول! ملامت نہ کیجیے! اور پھر ان کی بیعت کر لی۔[2]

سیدنا علی نے کب بیعت کی؟

اس روایت سے بڑی مفید بات معلوم ہوئی کہ سیدنا علی بن ابی طالب نے یا تو وفات والے دن ہی سیدنا ابوبکر کی بیعت کر لی تھی یا اس سے اگلے دن، اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ سیدنا علی بن ابی طالب کسی وقت بھی سیدنا ابوبکر صدیق سے جدا نہیں رہے۔ وہ انھی کے پیچھے باقاعدگی سے نماز ادا کرتے رہے۔ جب سیدنا ابوبکر نے مرتدین کے خلاف اعلان جنگ فرمایا تو سیدنا علی ان کے ساتھ ذوالقصہ بھی تشریف لے گئے۔[3]

1 تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: 91. 2 الاعتقاد للبیہقی، ص: 178، السنن الکبریٰ للبیہقی: 143/8، مستدرک الحاکم: 76/3. 3 البدایۃ والنہایۃ: 218/5، 219.

بیعت فسخ کریں گے نہ سبکدوشی پسند کریں گے

خلافت سنبھالنے کے چند دن بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، تم میں سے جو شخص میری بیعت کرنے پر نادم ہے وہ کھڑا ہو جائے۔'' یہ ارشاد سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ ان کے پاس تلوار تھی۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتنے قریب چلے گئے کہ انھوں نے اپنا ایک پاؤں منبر کے زینے پر اور دوسرا نیچے کنکریوں پر رکھا اور فرمایا:

واللّٰہ لا نقیلک ولا نستقیلک، قدمک رسول اللہ فمن ذا یؤخرک!

''اللہ کی قسم! ہم آپ کی بیعت فسخ کریں گے نہ آپ کی سبکدوشی گوارا کریں گے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے آگے کیا ہے، بھلا کون ہے جو آپ کو پیچھے کر سکے؟''[1]

رسول اللہ ﷺ کی پسند ہی ہماری پسند ہے

ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے تو ہم نے اپنے حالات کا جائزہ لیا۔ ہم نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپی تھی، چنانچہ ہم نے بھی اپنی دنیا کی امامت کے لیے انھی کو پسند کر لیا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کی امامت کے لیے چنا تھا۔''[2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تجزیہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یقیناً نبی کریم ﷺ نے اپنے متعدد اقوال و افعال کے ذریعے سے مسلمانوں کی رہنمائی کی تھی کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت کے بارے میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ آپ نے ان کے لیے وصیت نامہ تحریر کرنے کا عزم بھی کیا تھا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ مسلمان انھی پر اتفاق کر لیں گے، لہٰذا آپ نے اسی پر اکتفا کیا اور وصیت نامہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ اگر خلیفہ کا تعین مسلمانوں کے لیے مشتبہ معاملہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سلسلے میں دوٹوک اعلان ضرور فرماتے تاکہ کسی قسم کا عذر باقی نہ رہتا لیکن جب آپ نے متعدد وجوہ سے رہنمائی کر دی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمان بھی آپ کی مراد سمجھ گئے تو اصل مقصد حاصل ہو گیا، اس لیے آپ ﷺ نے وصیت نامہ تحریر نہیں فرمایا۔

1 سبل الہدیٰ والرشاد: 317/12۔ 2 الطبقات لابن سعد: 183/3۔

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی مجلس میں اپنے خطبے میں کہا تھا: ''ابوبکر کے سوا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جسے خلیفۂ وقت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ابوبکر کی خلافت برحق پر بہت سی نصوص موجود ہیں۔ ان کی خلافت کے ثبوت میں اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کی بہت سی صحیح نصوص وارد ہیں۔ مسلمانوں نے ان کی بیعت کی اور انھیں اپنا خلیفہ چنا۔ مسلمانوں کے اس چناؤ کی بنیاد یہ تھی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بھی ان کی بڑی فضیلت تھی۔ اس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قطعی دلائل اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔[1]

جسد اطہر کا غسل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سوموار کے باقی دن اور منگل کے دن کے کچھ حصے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں مشغول رہے۔ جب یہ مسئلہ قابل اطمینان طریقے سے مضبوط بنیادوں پر طے ہو گیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی تکفین وتجہیز میں مشغول ہو گئے۔ اگر کوئی اشکال پیدا ہوا تو اسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں حل کر لیا گیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو وہ پوچھنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ کے کپڑے اتار دیے جائیں جیسا کہ عام طور پر ہم میت کے کپڑے اتار دیتے ہیں۔ یا یہ کہ آپ ﷺ کو آپ کے لباس سمیت غسل دیا جائے؟ جب یہ اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ لگ گئی ہو۔ اس وقت ایک کونے سے نامعلوم آواز آئی۔ اللہ جانے وہ کون تھا جو کہہ رہا تھا: ''رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو۔'' چنانچہ آپ ﷺ کو قمیص سمیت ہی غسل دیا گیا۔ لوگ قمیص کے اوپر ہی پانی ڈالتے رہے اور بدن مبارک اس طرح ملتے رہے کہ قمیص بیچ میں حائل رہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اب جو بات میرے علم میں آئی، اگر وہ پہلے معلوم ہوتی تو آپ ﷺ کو ازواج رسول ہی غسل دیتیں۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تو اس وقت میں وہ چیز (نجاست) تلاش کرنے لگا جو میت سے جدائی کے وقت نکلتی ہے۔ مجھے کچھ نہ ملا۔ آپ ﷺ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ رہے۔[3]

1 [illegible] 548/2 ‏ 2 سنن ابی داود، 3141 ، سنن ابن ماجہ 1464
3 [illegible] 515/1

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب قبر تیار ہوگئی اور لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ آپ کو غسل دینے لگے۔ انھوں نے آپ کے اردگرد باریک یمنی چادروں کا ایک چوکور پردہ تیار کیا۔ پھر وہ خود پردے میں داخل ہوگئے اور سیدنا علی اور فضل کو بھی بلا لیا۔ جب وہ ان دونوں کو پانی پکڑانے کے لیے پانی کی طرف جاتے تو ابوسفیان بن حارث کو بھی بلا کر پردے میں داخل کر لیتے۔ بنو ہاشم کے دوسرے لوگ پردے کے باہر کھڑے تھے۔ جب انصار نے میرے والد محترم سے اپنی نمائندگی کا بہ اصرار مطالبہ کیا تو انھوں نے جید انصار کو بھی بلا لیا جن میں اوس بن خولی بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے کفن دفن کا فریضہ چار اشخاص نے انجام دیا: 1 سیدنا علی 2 سیدنا عباس 3 سیدنا قثم 4 سیدنا صالح جو نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کوئی اور شخص شامل نہ تھا۔ آپ کے لیے لحد بنائی گئی اور لحد کے دہانے پر کچی اینٹیں لگائی گئیں۔''[1]

کفن کے کپڑے

رسول اللہ ﷺ کو تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا (سحول یمن کا شہر ہے) ان میں نہ قمیص تھی، نہ پگڑی۔[2]

امام ترمذی کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کو ایک موٹے کپڑے سے ڈھانپا گیا، پھر اسے آپ ﷺ کے جسد اطہر سے اتار لیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قطن کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جس میں نہ عمامہ تھا، نہ قمیص۔ حلے سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید وہ آپ کے لیے کفن کے طور پر

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 7/243، 244

2 صحیح البخاری 1271



یمن کا قلعہ نما پہاڑی گاؤں ''تجرہ''

کردیا گیا ہے۔ لیکن حلے کو چھوڑ دیا گیا اور آپ کو یمن کے علاقے سحول سے منسوب کپڑے سے کفن دیا گیا۔ عبداللہ بن ابی بکر نے وہ حلہ لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے لیے اسے کفن بنائیں گے۔ پھر عبداللہ نے کہا: اگر اسے کفن بنانے پر اللہ راضی ہوتا تو آپ ﷺ کو اس میں کفن دیا جاتا۔ چنانچہ انھوں نے حلہ بیچ دیا اور اس کی قیمت صدقہ کردی۔[1] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس قمیص میں آپ ﷺ کو غسل دیا گیا، اسے اتار لیا گیا تھا۔ حلے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حلہ دو کپڑے یعنی: ایک ازار بند اور ایک اوپر والی چادر پر مشتمل ہوتا ہے۔

جنازہ

تمام مسلمانوں نے آپ ﷺ کا جنازہ پڑھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو اولاً حجرہ مبارک میں مردوں کو داخل ہونے کا موقع ملا۔ تمام مردوں نے اکیلے اکیلے جنازہ پڑھا۔ پھر عورتوں کو موقع دیا گیا۔ انھوں نے بھی جنازہ پڑھا۔ اسی طرح پھر بچوں کو اور ان کے بعد غلاموں کو موقع دیا گیا تو انھوں نے بھی اکیلے اکیلے جنازہ ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے جنازے کی کسی نے امامت نہیں کرائی۔[2]

امام ابن کثیر کہتے ہیں: یہ جنازہ بلا امامت ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے۔[3]

ابن سعد کے مطابق جنازے کی ادائیگی کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ صفوں میں کھڑے ہو کر یہ پڑھتے:

السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''اے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔''[4]

تدفین کے لیے جگہ کا فیصلہ

اس وقت مسلمان رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کو دفن کرنے کی جگہ کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے۔ بعض نے کہا: منبر کے پاس دفن کیا جائے۔ دیگر کہنے لگے: بقیع میں دفن کرنا چاہیے۔ کسی نے کہا: نماز پڑھنے کی جگہ تدفین مناسب ہے۔[5]

اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کو رسول اللہ ﷺ سے سنے ہوئے ایک فرمان کے حوالے سے ختم کردیا۔

1 صحیح مسلم: 1563۔ 2 دلائل النبوۃ للبیہقی: 7/250، سنن ابن ماجہ: 1628۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ 3 البدایۃ والنہایۃ: 5/282۔ 4 طبقات ابن سعد: 2/290۔ 5 ... 545، طبقات ابن سعد: 2/292، 293۔

سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے اور کفن دے دیا گیا تو لوگ مقام تدفین کے سلسلے میں اختلاف کرنے لگے، تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو ارشاد سنا تھا، وہ ارشاد ابھی بھولا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح اسی جگہ قبض فرماتا ہے جس جگہ وہ دفن ہونا پسند کرتے ہیں۔''

لہٰذا انھوں نے آپ ﷺ کو اسی بستر ہی کی جگہ دفن کر دیا۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: تواتر سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو سیدہ عائشہ کے حجرۂ مبارکہ میں دفن کیا گیا جو آپ ﷺ کی مسجد کے مشرق میں سیدہ عائشہ کے لیے مخصوص تھا۔ آپ ﷺ کو حجرے کے سامنے کے مغربی کونے میں دفن کیا گیا، بعدازاں اسی حجرے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دفن کیا گیا۔[2]

لحد یا شق

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو مدینہ میں ایک شخص لحد بناتا تھا اور ایک دوسرا شخص شق بناتا تھا۔ صحابہ نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ دونوں کو پیغام بھیج دیتے ہیں۔ جو دیر سے آئے گا، اسے چھوڑ دیں گے۔ دونوں کو پیغام بھیج دیا گیا تو لحد والا جلدی پہنچ گیا۔ لہٰذا انھوں نے نبی کریم ﷺ کے لیے لحد والی قبر بنائی۔[3]

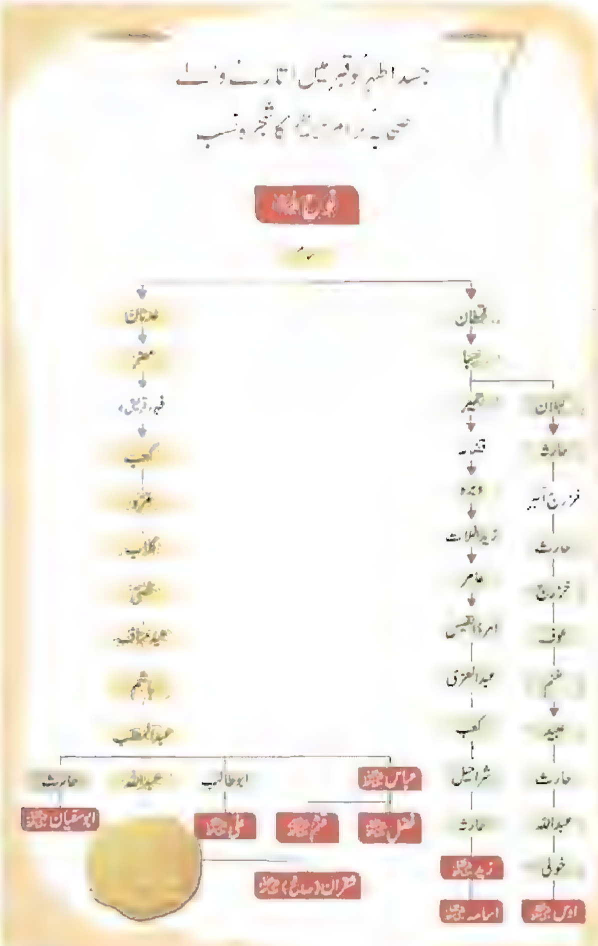
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک میں ایک سرخ چادر بچھائی گئی۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک لحد والی بنائی گئی۔ اگرچہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لحد اور شق دونوں جائز ہیں لیکن جب زمین سخت ہو اور مٹی بھر بھری اور ریتلی نہ ہو تو لحد افضل ہے۔ اگر زمین اس کے برعکس ہو تو شق افضل ہے۔[5]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لحد اور شق دونوں قسم کی قبروں پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عمل جاری تھا، لہٰذا دونوں ٹھیک ہیں لیکن لحد افضل ہے۔[6] کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر ﷺ کے لیے افضل چیز ہی پسند فرماتا ہے۔

1 جامع الترمذي: 1018. 2 البداية والنهاية: 238/5. 3 مسند أحمد: 139/3، سنن ابن ماجه: 1557. 4 صحيح مسلم: 967، مسند أحمد: 228/1، جامع الترمذي: 1048، سنن النسائي: 2011. 5 المجموع للنووي: 287/5. 6 أحكام الجنائز، ص: 133

بن اسحاق رحمہ اللہ کے بقول آپ ﷺ کو قبر مبارک میں اتارنے والوں میں سیدنا علی، فضل بن عباس اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران بھی شامل تھے۔[1]



امام نووی اور مقدسی نے ان حضرات کے ساتھ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے۔[2]

امام نووی کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ تھے۔[3] آپ ﷺ کو لحد میں اتارا گیا۔ اس پر کچی اینٹیں چن دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ 9 عدد اینٹیں چنی گئیں۔ پھر لوگوں نے مٹی ڈال دی۔[4]

تدفین کا وقت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے دن فوت ہوئے اور آپ ﷺ کی تدفین بدھ کی رات ہوئی۔[5]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمیں آپ ﷺ کے دفن ہونے کی اطلاع اس وقت ملی جب بدھ کی شام گہری ہو گئی تھی۔[6]

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جمہور سے یہی مروی ہے کہ آپ ﷺ بروز پیر فوت ہوئے اور بروز بدھ رات کے وقت آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔[7]

1 السيرة لابن هشام 314/4. 2 تهذيب الأسماء للنووي، ص: 23، مختصر السيرة للمقدسي، ص: 35. 3 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 173. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 252/7، تهذيب الأسماء للنووي، ص: 23. 5 مسند أحمد: 23646. 6 مسند أحمد: 23198. 7 البداية والنهاية: 237/5، صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 728

سب سے آخر میں نبی ﷺ سے جدا ہونے والے

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ فرماتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی تدفین کے موقع پر حاضر تھا۔ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا: آپ ﷺ کا جنازہ کیسے پڑھیں؟ انھوں نے کہا: گروہوں کی صورت میں اندر جاؤ۔ لہٰذا لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے تھے اور جنازہ پڑھنے کے بعد دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو لحد میں رکھا گیا تو سیدنا مغیرہ ؓ کہنے لگے: آپ کے پاؤں کی طرف تھوڑی سی جگہ رہ گئی ہے جو پوری نہیں کی گئی۔ حاضرین نے کہا: قبر میں داخل ہو کر اسے پوری کر دو۔ وہ قبر میں داخل ہوئے، پھر انھوں نے اپنے ہاتھ لحد میں داخل کر کے آپ کے قدم مبارک چھو لیے۔ بعدازاں کہنے لگے: مجھ پر مٹی گراؤ۔ لوگ مٹی ڈالنے لگے حتی کہ جب مٹی نصف پنڈلیوں تک پہنچ گئی تب وہ نکلے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''میں رسول اللہ ﷺ سے تم میں سے سب سے آخر میں جدا ہوا۔''[1]

قبر کی نوعیت

حضرت قاسم فرماتے ہیں: میں سیدہ عائشہ ؓ کے ہاں گیا اور عرض کیا: امی جان! مجھے رسول اللہ ﷺ اور شیخین ابوبکر و عمر ؓ کی قبریں دکھا دیجیے۔ انھوں نے دروازہ کھول کر مجھے تینوں قبریں دکھائیں۔ وہ بہت اونچی تھیں نہ بالکل پست۔ ان پر نشیبی میدان کی سرخ کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے نبی کریم ﷺ کی قبر تھی۔ ان سے پیچھے سیدنا ابوبکر ؓ اور اس سے پیچھے سیدنا عمر ؓ کی قبر تھی۔[2]

حضرت قاسم فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کی قبر مبارک سب سے آگے دیکھی۔ سیدنا ابوبکر ؓ کا سر حضور نبی کریم ﷺ کے کندھوں کے برابر تھا اور سیدنا عمر ؓ کا سر نبی کریم ﷺ کی مبارک ٹانگوں کے برابر تھا۔[3]

امام بیہقی فرماتے ہیں: ''یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی قبریں چوکور ہیں کیونکہ کنکریاں چوکور قبروں ہی پر ٹھہر سکتی ہیں۔''[4] لیکن ان کی یہ بات عجیب ہے کیونکہ اس روایت میں مکمل طور پر کنکریوں کا ذکر نہیں۔ بالفرض ایسا ہو بھی تب بھی کوہان جیسی قبر پر بھی کنکریاں مٹی وغیرہ کے ساتھ ڈالی جا سکتی ہیں۔

تبع تابعین میں سے سفیان تمار سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو زمین سے بلند دیکھا۔[5]

غنیم بن بسطام المدنی کہتے ہیں: میں نے عمر بن عبدالعزیز ؒ کے دور میں رسول اللہ ﷺ کی قبر دیکھی، وہ زمین سے چار انگل اونچی تھی۔ میں نے سیدنا ابوبکر ؓ کی قبر دیکھی تو وہ آپ کی قبر کے پیچھے تھی اور سیدنا عمر ؓ کی قبر

1 مسند احمد 5/81. 2 سنن أبي داود 3220. 3 المستدرك للحاكم 1/369، السنن الكبرى للبيهقي 4/3، دلائل النبوة للبيهقي 7/263. 4 دلائل النبوة للبيهقي 7/263. 5 صحيح البخاري 1390

سیدنا ابوبکر ؓ کی قبر سے نیچے تھی۔

جمہور علماء کا یہی موقف ہے کہ کوہان نما قبر بنانا ہی مستحب ہے اور ایسا کرنا برابر بنانے سے افضل ہے۔[1]

امام ابن قیم ؒ دونوں آراء کو جمع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ کی قبریں نہ تو اونچی تھیں، نہ بالکل زمین کے برابر۔ آپ ﷺ کی قبر بھی ایسی ہی تھی اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں بھی ایسی ہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پشت ماہی کی طرح ہے، وہاں سرخ کنکریاں بچھائی گئی ہیں قبر پر کوئی قبہ نہیں تھا، نہ اسے مٹی سے لیپ دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں بھی اسی طرح کی ہیں۔[2]

سیدنا عمر ؓ کا پاؤں مبارک

ہشام بن عروہ اپنے والد محترم سے بیان فرماتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے دور میں حجرہ کی شرقی دیوار گر گئی۔ کاریگر اس دیوار کو بنانے لگے تو ایک پاؤں نظر آنے لگا۔ لوگ گھبرا گئے۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ نبی کریم ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ کسی آدمی کو حقیقت کا علم نہ تھا۔ حتی کہ حضرت عروہ نے انھیں بتایا کہ اللہ کی قسم! یہ نبی کریم ﷺ کا قدم نہیں بلکہ یہ تو سیدنا عمر ؓ کا پاؤں ہے۔[3]

وفات نبوی کا دلوں پر اثر

نبی ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام ؓ کو بڑا زبردست صدمہ ہوا۔ سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کو دفن کر کے ابھی ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے بلکہ ابھی ہم تدفین ہی میں مصروف تھے کہ ہمیں دل بدلتے ہوئے محسوس ہوئے۔[4]

سیدنا ابی بن کعب ؓ کا تجزیہ

سیدنا ابی بن کعب ؓ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہم سب کے چہرے یکسو تھے۔ جونہی آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہوئے ہم ادھر ادھر دیکھنے لگے۔"[5]

سیدہ ام ایمن ؓ کے ارشادات

سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ سیدہ ام ایمن سے ملنے تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ

1 [illegible] ص 163 2 زاد المعاد: 524/1 3 صحیح بخاری: 1390 4 جامع ترمذی: 3618، [illegible]: 1631 5 [illegible]: 1632

ساتھ تھی۔ انھوں نے آپ کو کوئی مشروب پیش کیا۔ یا تو آپ روزے سے تھے یا پینا نہیں چاہتے تھے، اس لیے آپ نے مشروب واپس فرما دیا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو باتوں باتوں میں ہنسانے لگیں۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''آیئے! ام ایمن سے ملنے چلتے ہیں۔'' جب دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ انھوں نے ان سے پوچھا: ''محترمہ! آپ کیوں روتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرب رسول اللہ ﷺ کے لیے بہت بہتر ہے۔'' وہ کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! میں اس لیے نہیں روتی کہ مجھے اس بات کا یقین نہیں، میں تو اس لیے روتی ہوں کہ اب آسمان سے وحی اترنی بند ہوگئی۔'' انھوں نے کچھ ایسے انداز میں باتیں کیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی رو پڑے اور بہت روئے۔[1]

نبی ﷺ کی وفات... امت کے لیے رحمت کا پیش خیمہ

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

''جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت کے نبی کو امت سے پہلے ہی اس دنیا سے اُٹھا لیتا ہے اور اسے امت کے لیے پہلے جا کر انتظام کرنے والا اور گواہی دینے والا بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو انھیں ان کے نبی کی زندگی میں عذاب دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے جب کہ نبی ان کو تباہ ہوتے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ہلاک کر کے اپنے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی فرما دیتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے نبی کی تکذیب اور نافرمانی کی۔''[2]

جمعے کے دن کثرت درود کی تاکید

سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

1 صحیح مسلم: 2454,2453، دلائل النبوة للبیہقی: 266/7. 2 صحیح مسلم: 2288

''تمھارا افضل دن جمعہ ہے۔ اس میں آدم ؑ پیدا ہوئے، اسی دن فوت ہوئے۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن بیہوشی طاری ہوگی۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا؟ آپ تو خاک ہو چکے ہوں گے۔ فرمایا: [illegible] ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء ؑ کے جسم کھائے۔''[1]

وفاتِ نبوی کا غم تمام مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں کھلنے والی کھڑکی کھولی اور پردہ ہٹایا۔ لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان کی یہ بہترین حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کیونکہ آپ کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بعد بھی آپ کی امت میں یہ اچھی حالت باقی رکھے گا۔ پھر فرمایا: ''اے لوگو! تم میں سے جس مومن شخص کو بھی کوئی مصیبت پہنچے تو وہ میری وفات کی مصیبت کو یاد کر کے اپنی مصیبت میں صبر و تسلی حاصل کرے کیونکہ میری امت کے کسی شخص کو میری وفات جیسی کوئی اور مصیبت نہیں پہنچے گی۔''[2]

اللہ کی یاد دل کی تسکین و تسلی کا ذریعہ ہے

حضرت ابوحازم مدنی فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی تو مہاجرین گروہ در گروہ آپ کی نماز جنازہ پڑھنے لگے۔ وہ جنازہ پڑھ کر نکل جاتے۔ پھر انصار نے بھی اسی طرح کیا، پھر مدینہ کے دیگر افراد آئے۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں آئیں۔ ان کے آتے ہی رونے دھونے کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ عورتوں کا معمول ہے۔ اچانک انھوں نے گھر میں دھپ جیسی ایک آواز سنی۔ وہ گھبرا گئیں اور چپ ہو گئیں۔ آواز آرہی تھی: ''اللہ کو یاد کرنے سے ہر جانے والے پر تسلی حاصل کی جا سکتی ہے، ہر مصیبت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے اور ہر چلی جانے والی ہستی کا نائب اور خلیفہ مل سکتا ہے۔ اس شخص کی رہنمائی ہو سکتی ہے کہ ثواب مل جائے۔ اصل مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب حاصل نہ کر سکے۔''[3]

اہلِ کتاب نبی ﷺ کی وفات کا دن جانتے تھے

سیدنا جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں یمن میں تھا۔ میں وہاں کے دو آدمیوں ذوالکلاع اور ذوعمرو

1 سنن النسائی: 1357، سنن أبی داود: 1047. 2 سنن ابن ماجہ: 1599. 3 الطبقات لابن سعد: 289/2، یہ روایت ضعیف ہے۔

سے ملا۔ میں انھیں رسول اللہ ﷺ کی باتیں بتانے لگا۔ تو ذو عمرو کہنے لگا: ''اگر تمھاری باتیں سچی ہیں تو تمھارے نبی کی وفات کو تین دن گزر چکے ہیں۔'' پھر میں اور وہ دونوں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ ابھی ہم راستے ہی میں تھے کہ ہمیں مدینہ کی طرف سے ایک قافلہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہم نے ان سے حالات پوچھے تو وہ کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کا جانشین مقرر کیا گیا ہے۔ لوگ امن وسکون کے ساتھ ہیں۔'' وہ دونوں یمنی مجھ سے کہنے لگے: ''اپنے خلیفہ کو جا کر بتا دینا کہ ہم آئے تھے۔ امید ہے ہم ان شاء اللہ دوبارہ آئیں گے۔'' پھر وہ یمن واپس چلے گئے۔ میں مدینہ منورہ پہنچا تو میں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی باتیں بتائیں۔ وہ کہنے لگے: ''تم انھیں میرے پاس لے کر کیوں نہ آئے؟'' پھر اس کے بعد ایک دفعہ مجھے ذو عمرو نے کہا: ''جریر! تیرا مجھ پر احسان ہے۔ میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں کہ تم عرب لوگ جب تک ایک امیر کی وفات کے بعد (مشورے سے) نیا امیر مقرر کرتے رہو گے، خیریت وعافیت سے رہو گے اور جب امارت کے فیصلے تلواروں کے ساتھ ہونے لگیں گے تو ایسے لوگ سربراہ بنیں گے جو بادشاہوں کی طرح ناراض ہوں گے اور انھی کی طرح اپنی خوشی سے راضی ہوں گے۔''[1]

سیدنا کعب بن عدی کی ایک راہب سے ملاقات

سیدنا کعب بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں حیرہ کے وفد میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی۔ ہم مسلمان ہوگئے۔ پھر حیرہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مل گئی۔ میرے ساتھی شک میں پڑ گئے۔ کہنے لگے: ''اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو فوت نہ ہوتے۔'' میں نے کہا: پہلے انبیاء بھی تو فوت ہوتے رہے ہیں۔ میں اپنے اسلام پر قائم رہا۔ پھر میں مدینہ منورہ کے ارادے سے چلا۔ اور ایک راہب کے پاس سے گزرا۔ ہم اس کے مشورے کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں کرتے تھے۔ میں نے اس سے کہا: مجھے ایک معاملے کے بارے میں اضطراب ہے۔ مجھے حقیقت حال بتائیے۔ وہ کہنے لگا: ''میرے پاس کوئی نام لکھ لاؤ۔'' میں (کعب) لکھ کر لے گیا۔ اس نے ایک کتاب نکالی اور کہنے لگا: ''اس کتاب میں ڈال دو۔'' میں نے وہ نام اس کتاب میں ڈال دیا۔ اس نے اس کی تحقیق وتفتیش کی تو مجھے آپ کی وہی صورت نظر آئی جو میں نے دیکھی تھی اور آپ مجھے

حجرِ ثمود کے کھنڈر (عرق)



1 صحیح البخاري 4359

اپنی وفات کے وقت کی حالت میں نظر آئے۔ اس سے میری ایمانی بصیرت میں اضافہ ہو گیا۔ میں سیدنا ابوبکر ؓ کے پاس گیا اور ساری بات ان کے گوش گزار کی۔ میں ان کے پاس ٹھہرا۔ انھوں نے مجھے مقوقس کے پاس بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا، پھر واپس آ گیا۔ پھر مجھے سیدنا عمر بن خطاب ؓ نے بھی مقوقس کے پاس ایک خط دے کر بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا۔ اس وقت جنگ یرموک ہو رہی تھی لیکن مجھے اس جنگ کا کوئی علم نہ تھا۔ وہ کہنے لگا: ''کیا تجھے علم ہے کہ رومیوں نے عربوں کو خوب قتل کیا ہے اور انھیں شکست دے دی ہے؟'' میں نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ کہنے لگا: ''کیوں؟'' میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انھیں تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگا: ''واقعتاً تمھارے نبی کریم نے تمھیں سو فیصد سچ بتلایا ہے۔ اللہ کی قسم! رومی قوم عاد کی طرح قتل ہوئے۔'' پھر اس نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے ان کے نام بتائے تو اس نے سیدنا عمر اور ان تمام صحابہ کو تحفے بھیجے۔ ان میں سیدنا علی، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سیدنا عباس ؓ شامل تھے۔ میں جاہلیت کے دور میں سیدنا عمر ؓ کے ساتھ کپڑے کے کاروبار میں شریک تھا۔ اس لیے جب انھوں نے وظائف مقرر کیے تو اپنے خاندان بنو عدی بن کعب میں میرا نام شامل کر کے میرے لیے بھی وظیفہ مقرر کیا۔''[1]

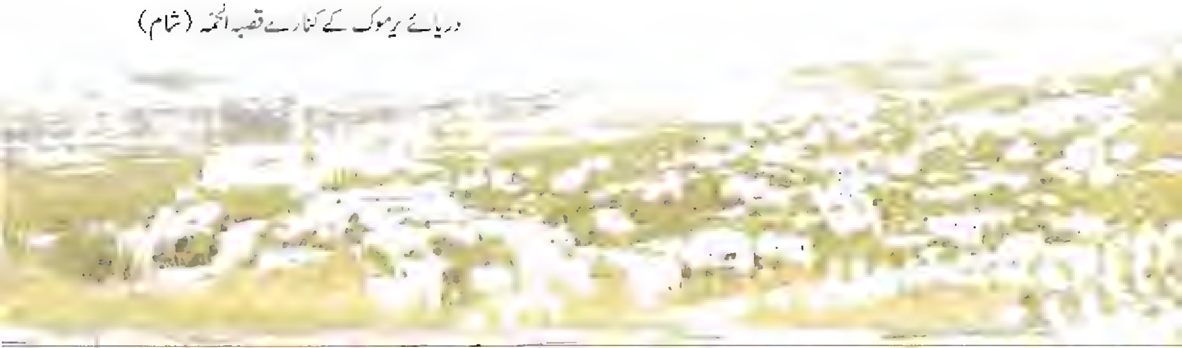
رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حزنیہ اشعار

جب دل پر چوٹ پڑتی ہے تو آہ نکلتی ہے۔ یہی آہ جب الفاظ کا پیرہن پہنتی ہے تو شعر بن جاتی ہے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر نہایت دردناک اشعار کہے۔ یہاں وہ اشعار اور ان کا مفہوم ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ ان الم انگیز اشعار میں صحابہ کرام کا رنج و قلق کس طرح سمٹ آیا ہے۔

سیدنا حسان بن ثابت ؓ نے زندگی بھر آپ ﷺ کی مدافعت کی۔ اسلام اور مسلمانوں کا ایسے اعلیٰ اور فصیح و بلیغ اشعار کے ذریعے سے دفاع کیا جنھوں نے عرب کو ہلا کر رکھ دیا اور ان پر گہرا اثر چھوڑا۔ یہ عظیم شاعر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے بے حد مغموم اور متاثر ہوئے۔ انھوں نے غم میں ڈوبے ہوئے رلا دینے والے اشعار

1 دلائل النبوۃ للبیہقی: 7/271، 272

دریائے یرموک کے کنارے قصبہ الحمہ (شام)



کے ذریعے اپنے رنج وقلق کا اظہار کیا۔ تاریخ نے ان کے جذبات ملال محفوظ کر لیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی یاد میں روتے ہوئے کہتے ہیں:

ما بال عینك لا تنام كأنما كحلت مآقیها بكحل الأرمد

''تیری آنکھ کو کیا ہو گیا؟ اسے نیند کیوں نہیں آ رہی؟ کیا اس کے کناروں میں آنسوؤں کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔''

جزعا على المهدي أصبح ثاويا یا خیر من وطئ الحصى لا تبعد

''اس ہادی و مہدی ﷺ پر آہ و بکا کرنے کی وجہ سے جو اپنے ٹھکانے پر جا پہنچا ہے۔ اے روئے زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر اور گرانمایہ ہستی! مجھ سے دور نہ جا۔''

والله ما حملت أنثى ولا وضعت مثل الرسول نبي الأمة الهادي

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول اور امت کے ہادی ﷺ جیسا سعید بچہ آج تک کسی ماں نے بطن میں رکھا نہ جنا۔''

ولا برى الله خلقا من بريته أوفى بذمة جار أو بميعاد

''اللہ تعالیٰ نے آج تک اپنی ساری مخلوق میں ایسا کوئی فرد بنایا ہی نہیں جو پاس پڑوس کی ذمہ داری نبھانے اور عہد پورا کرنے میں ان سے بڑھ کر ہو۔''

من الذي كان فينا يستضاء به مبارك الأمر ذا عدل وإرشاد

''اس بے مثل ہستی کے ذریعے روشنی حاصل کی جاتی تھی، اس کا ہر معاملہ بابرکت تھا، وہ رشد و ہدایت اور عدل و انصاف والا تھا۔''

يا أفضل الناس إني كنت في نهر أصبحت منه كمثل المفرد الصادي

''اے پورے عالم انسانیت سے بڑھ کر افضل ہستی! میں پہلے ایک دریا کی آغوش میں تھا۔ اب میں اس دریا سے اس طرح محروم ہو گیا ہوں کہ تن تنہا پیاسا بھٹکتا پھر رہا ہوں۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اشعار

لما رأيت نبينا متجدلا ضاقت علي بعرضهن الدور

1 السیرۃ لابن هشام: 4/329

''جب میں نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو لیٹا ہوا پایا تو میرا گھر اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گیا۔''

[illegible]

''میرا دل آپ کی وفات پر بے قرار ہو گیا۔ اب میری ہڈیاں تادم آخر ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہیں گی۔''

[illegible]

''اے بوڑھے! تجھ پر افسوس! تیرا دوست چلا گیا۔ اب تو جب تک زندہ رہے تیرے لیے صبر کرنا ہی آسان راستہ ہے۔''[1]

ابوسفیان بن حارث ﷜ کے اشعار

[illegible]

''جاگتے جاگتے رات گزر گئی لیکن میری رات کٹتی ہی نہیں تھی۔ مصیبت کے مارے کی رات لمبی ہی ہوتی ہے۔ اب رونا ہی میری زندگی ہے اور یہ گریہ مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے۔ جب یہ بتایا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ وفات پا گئے ہیں، اس رات ہماری مصیبت بڑھتی ہی چلی گئی۔''[2]

سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب ﷝ کے اشعار

[illegible]

''اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کا مرکز تھے، بھلائیاں کرنے والے تھے۔ سخت گیر نہیں تھے۔ رحیم و کریم رہنما تھے، معلم انسانیت تھے۔ جو بھی رونے والا ہو اسے آج خوب رونا چاہیے۔''[3]

[illegible] ہماری کوئی وراثت نہیں

سیدنا ابوہریرہ ﷜ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 [illegible]، ص: 366. 2 الاكتفاء للكلاعي 2/456. 3 تفسير القرطبي 4/219، 220.

''میرے وارث کوئی دینار یا درہم تقسیم نہیں کریں گے۔ اپنی عورتوں کے ضروری اخراجات اور عامل کی تنخواہ کے علاوہ میں جو کچھ بھی چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے ارادہ کیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی وراثت کے مطالبہ کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں۔ اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ تھا: ''ہماری وراثت نہیں چلتی۔ جو مال ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''[2]

خیبر کے نواح میں فدک کے کھنڈر



وراثت کا مطالبہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ لے کر گئے۔ وہ آپ کی فدک والی زمین اور خیبر میں آپ کے حصے کی زمین کا مطالبہ کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''ہماری وراثت نہیں چلتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ البتہ آل محمد ﷺ اس مال (بیت المال) سے کھا پی سکتے ہیں۔'' اللہ کی قسم! میں وہ کام نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے بلکہ میں وہی کچھ کروں گا۔

راوی کا کہنا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس بات پر ان سے ناراض ہوگئیں اور وفات تک ان سے کلام نہیں کیا۔[3]

امام شعبی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے ملنے آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا: فاطمہ! ابوبکر آئے ہیں اور اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدہ فرمانے لگیں: آپ پسند کرتے ہیں کہ میں انھیں اجازت دوں؟ وہ بولے: ہاں۔ سیدہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور سیدہ کی ناراضی دور کرنے اور انھیں منانے لگے۔ وہ بولے: اللہ کی قسم!

1 صحیح بخاری 2776، صحیح مسلم 1759. 2 صحیح البخاری 6730، صحیح مسلم 1758. 3 صحیح البخاری 6725، 6726، صحیح مسلم 1759

میں نے اللہ، اس کے رسول اور تم اہل بیت کی خوشنودی کی خاطر اپنا گھر بار، مال و دولت، اہل و عیال اور کنبہ قبیلہ سب کچھ قربان کر دیا۔ سیدنا ابوبکر ؓ کی کوشش بار آور ثابت ہوئی اور سیدہ فاطمہ ؓ ان سے راضی ہو گئیں۔[1]

سیدہ فاطمہ ؓ کی وفات اور بیعت علی ؓ

سیدہ عائشہ ؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ ''جب فاطمہ ؓ فوت ہو گئیں تو سیدنا علی ؓ نے انھیں رات ہی کو دفن کر دیا اور سیدنا ابوبکر ؓ کو اطلاع نہیں دی۔ خود ہی جنازہ پڑھا دیا۔ سیدہ فاطمہ ؓ کی زندگی میں لوگ سیدنا علی ؓ کی طرف توجہ رکھتے تھے لیکن جب وہ فوت ہو گئیں تو سیدنا علی ؓ نے لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے پائے، لہٰذا انھوں نے سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھ مصالحت اور ان کی بیعت کرنا چاہی۔ انھوں نے ابھی تک سیدنا ابوبکر ؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر ؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں لیکن آپ کے ساتھ کوئی اور نہ آئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ عمر نہ آئیں کیونکہ وہ ان کی سختی سے واقف تھے۔ سیدنا عمر ؓ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! آپ اکیلے ان کے پاس نہیں جائیں گے۔'' سیدنا ابوبکر ؓ فرمانے لگے: ''آخر وہ میرا کیا کریں گے؟ اللہ کی قسم! میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا۔'' چنانچہ ابوبکر ؓ چلے گئے۔ سیدنا علی ؓ نے اللہ کو گواہ بنا کر کہا: ہم آپ کی فضیلت اور اللہ کی عطا کردہ خوبیوں کے معترف ہیں اور ہم کسی بھی خیر پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، حسد نہیں کرتے لیکن آپ ؓ نے اپنے طور پر خود ہی خلافت کا معاملہ طے کر لیا (ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا) جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ سیدنا علی ؓ ایسی باتیں کرتے رہے حتی کہ سیدنا ابوبکر ؓ رونے لگے۔ انھوں نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ ﷺ کے اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی مجھے اپنی رشتہ داری سے کہیں زیادہ بڑھ کر عزیز ہے۔ باقی رہا یہ اختلاف جو اموال کے مسئلہ میں میرے اور تمھارے درمیان پھوٹ پڑا ہے تو یقین رکھو میں نے اس میں حق اور خیر سے کوتاہی نہیں کی۔ اور اس سلسلے میں کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔''

سیدنا علی ؓ کہنے لگے: ''بیعت کے لیے ظہر کا وقت مقرر کر لیا جائے۔'' سیدنا ابوبکر ؓ نے ظہر کی نماز پڑھی تو منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبہ پڑھا اور پھر سیدنا علی ؓ کے بیعت سے پیچھے رہنے کی وجہ بیان فرمائی اور انھیں معذور قرار دیا۔ پھر سیدنا علی ؓ نے استغفار اور شہادت کے بعد ابوبکر ؓ کا حق اور ان کی بزرگی بیان فرمائی، ان کی فضیلت اور امتیازات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ میرے اس طرز عمل کی وجہ ابوبکر سے کسی طرح کا حسد نہیں تھا اور نہ

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی 7/281، البدایۃ والنہایۃ: 5/252، 253.

ان کے اس فضل و کمال کا انکار مقصود تھا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عنایت فرمایا ہے۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر ؓ کے پاس گئے اور ان کی بیعت کر لی۔ مسلمان اس واقعہ پر بہت خوش ہوئے اور سیدنا علی ؓ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کے اس طرزِ عمل کی تحسین کی۔ جب سیدنا علی ؓ نے اس معاملے میں مناسب راستہ اختیار کر لیا تو مسلمان مزید محبت کرتے ہوئے آپ کے (اور) قریب ہو گئے۔''[1]

سیدنا علی ؓ نے سیدہ فاطمہ ؓ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر ؓ کی جو بیعت کی تھی تو یہ اس صلح کی تائید کے لیے تھی جو ان کے درمیان ہوئی اور یہ سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت کے علاوہ دوسری بیعت تھی جیسا کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔[2] سیدنا علی ؓ ان چھ مہینوں میں ابوبکر ؓ سے الگ نہیں رہے بلکہ وہ انھی کے پیچھے نماز پڑھتے اور انھی کی خدمت میں مشورے کے لیے جاتے تھے۔ وہ سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھ اس وقت ذوالقصہ تک بھی گئے جب ابوبکر ؓ تلوار لہراتے ہوئے مرتدین سے قتال کے لیے نکلے تھے۔

اس دوسری بیعت والی روایت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ سیدنا علی ؓ نے اس سے قبل بیعت نہیں کی تھی، حالانکہ یہ بات ٹھیک نہیں۔

جب ابوسعید ؓ کی پہلی بیعت والی روایت موجود ہے تو اصول کے مطابق اثبات نفی سے مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ دوسری بیعت دراصل پہلی بیعت ہی کی تائید کے لیے تھی اور اس صلح کی تاکید کے لیے جو ان کے درمیان ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

امام بیہقی ؒ کہتے ہیں کہ امام زہری کی یہ بات کہ علی ؓ فاطمہ ؓ کی وفات تک ابوبکر ؓ کی بیعت سے پیچھے رہے، یہ منقطع ہے اور ابوسعید ؓ کی حدیث جس میں علی ؓ کے سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد عمومی بیعت کے موقع پر بیعت کرنے کا ذکر ہے، وہ زیادہ صحیح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام زہری کی مراد یہ ہو کہ علی ؓ بیعت کے بعد پیچھے ہٹ گئے، پھر انھوں نے دوبارہ سے بیعت کی اور اپنے واجبات ادا کیے۔[3]

باقی رہی سیدہ فاطمہ ؓ کی ناراضی والی بات تو حافظ ابن کثیر ؒ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر یہ ناراضی اس لیے تھی کہ ابوبکر ؓ نے انھیں مطلوبہ وراثت نہیں دی تو یہ کوئی معقول وجہ نہیں کیونکہ سیدنا ابوبکر ؓ نے اس بات کا معقول عذر پیش کیا تھا جسے قبول کرنا واجب تھا کیونکہ وہ تو ان کے والدِ گرامی رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی تھا کہ ''ہماری وراثت نہیں چلتی۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' ظاہر ہے کہ سیدہ فاطمہ ؓ تو نبی کریم ﷺ

1 صحیح البخاري: 4240، 4241، وصحیح مسلم: 1759. 2 السنن الکبری للبیہقي: 143/8. 3 السنن الکبری للبیہقي: 300/6.

کے حکم کو تسلیم کرنے والی تھیں۔ ان پر وراثت کا مطالبہ کرنے سے پہلے یہ بات مخفی تھی اور ازواج مطہرات کو بھی اس حکم کا پہلے علم نہ تھا۔ جب سیدہ عائشہ ؓ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کا حکم بتایا تو انھوں نے فوراً تسلیم کر لیا۔

سیدہ فاطمہ ؓ کے بارے میں یہ گمان ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سیدنا ابوبکر ؓ کو ان کی بیان کردہ حدیث میں سچا نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ اس بدگمانی سے مبرا تھیں کیونکہ ابوبکر ؓ تو انتہائی بلند و بالا سچے اور کھرے انسان تھے۔ ان کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ اس حدیث کے بیان میں سیدنا عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عباس بن عبدالمطلب، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ اور سیدہ عائشہ ؓ جیسے اجل صحابہ بھی ان سے متفق تھے۔ بالفرض اگر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اس روایت میں منفرد بھی ہوتے تب بھی تمام اہل زمین کے لیے ان کی روایت کو تسلیم کرنا لازم آتا۔ اور اگر سیدہ کی ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے خاوند کے لیے اس زمین کی نگرانی کا مطالبہ کر رہی تھیں، ہر چند وہ تسلیم کرتی تھیں کہ یہ زمین وراثت نہیں صدقہ ہے تو پھر بھی ناراضی کا کوئی جواز نہیں کیونکہ سیدنا ابوبکر ؓ نے معقول عذر پیش کیا تھا کہ ''میں رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوں اور میں ضروری سمجھتا ہوں کہ وہی کام کروں جو رسول اللہ ﷺ کرتے رہے اور ان افراد کی سرپرستی کروں جن کی سرپرستی آپ فرماتے رہے۔''

بہرصورت اس ناراضی کی آڑ لے کر فرقہ رافضیہ نے صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اگر وہ فہم و فراست کا مظاہرہ کرتے تو سیدنا ابوبکر ؓ کی فضیلت کا اعتراف کرتے اور ان کا عذر قبول کرتے لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں اور گمراہی میں گھر چکے ہیں۔ یہ لوگ متشابہات سے استدلال کرتے ہیں اور محکم اور مسلّم باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ائمہ اسلام صحابہ و تابعین اور بعد میں آنے والے ہر دور کے معتبر علماء کے موقف کو رد کرتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اہل بیت سیدنا ابوبکر ؓ کے فیصلے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب فرماتے ہیں ''اگر میں ابوبکر ؓ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو انھوں نے فرمایا۔''[1]

ویسے بھی سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ بعد میں ابوبکر ؓ سے راضی ہو گئی تھیں اور ان کی ناراضی دور ہو گئی تھی جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا ہے۔

وراثت کے مسئلے میں روافض کا گمراہ کن موقف

حافظ ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں کہ روافض اس کے بارے میں جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں اور اپنی بے علمی کا ثبوت مہیا

1 [illegible] 5/243-253.

کرتے ہیں۔ غلط بات کو بطورِ حجت پیش کرتے ہیں جبکہ درحقیقت وہ خود صحیح بات سے ناواقف ہیں۔ بعض بدخواہ لوگوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت کو قرآن کے خلاف قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾

''سلیمان داود کے وارث بنے۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا بیان فرمائی ہے:

﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

''مجھے اپنی رحمت سے ایک بیٹا عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب! تو اسے خوش اطوار بنا۔''[2]

لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ پہلی آیت میں وراثت سے مراد بادشاہت و نبوت کی وراثت ہے۔ یعنی ہم نے داود علیہ السلام کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا منتظم و بادشاہ بنایا اور ان کے والد کی طرح ان کو معزز نبی بنایا۔ جس طرح ان کے والد محترم کے لیے نبوت اور بادشاہت دونوں اعزاز جمع کر دیے گئے تھے، اسی طرح انھیں بھی ان دونوں امتیازات کا مستحق گردانا گیا۔ اس سے مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ مفسرین کے مطابق سیدنا داود علیہ السلام کثیر اولاد رکھتے تھے۔ بعض نے ان کی اولاد کی تعداد ایک سو تک بتائی ہے۔ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو سیدنا سلیمان علیہ السلام اکیلے وارث کیوں بنتے؟ لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ یہاں نبوت اور بادشاہت کی وراثت مراد ہے، یہ آیت بھی انھی معنوں کی تائید کرتی ہے۔

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾

''سلیمان داود کے وارث بنے اور کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان سکھلا دی گئی ہے اور ہمیں ضرورت کی ہر چیز دے دی گئی۔''[3]

باقی رہی سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا تو یہ درست ہے کہ وہ انبیائے کرام کے گروہ کے ایک معزز رکن تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ مالی وراثت کے لیے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو خود بڑھئی کا کام کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔[4]

وہ اپنی خوراک سے زیادہ پونجی جمع ہی نہیں کرتے تھے۔ تو پھر کون سے مال کی وراثت کے لیے انھوں نے

[1] النمل 16:27 [2] مریم 19: 6،5 [3] النمل 16:27 [4] صحیح مسلم 2379

بیٹے کی دعا کی؟ دراصل انھوں نے نیک بیٹے کی دعا کی تھی جو نبوت اور سیاست بنی اسرائیل میں ان کا نائب بن سکے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے سورۂ مریم کا پہلا رکوع مکمل پڑھا جائے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت عام الفاظ میں بھی مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''نبی کی وراثت نہیں چلتی۔''[1]

ظاہر ہے اس کا اطلاق ہر نبی پر ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔''[2]

روافض کے استدلال کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء میں رسول اللہ ﷺ کو خصوصی احکام دیے گئے تھے۔ اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ باقی انبیاء کی وراثت تقسیم ہوئی ہے، تب بھی خلفائے اربعہ سمیت اتنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ روایت آئی ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی مخصوص خصوصیت بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

نیز اس حدیث پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے جیسا کہ خلفائے راشدین نے کیا ہے۔ اہل علم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ لہٰذا یہ آپ کی خصوصیت ہو یا نہ ہو، اس پر عمل ضروری ہے۔

کا مفہوم اور روافض کا خود ساختہ موقف

اس جملہ میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ خبر ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اپنا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا حکم بتلا رہے ہیں۔ اور ظاہر احتمال یہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ وصیت فرما رہے تھے کہ میری وراثت تقسیم نہ کی جائے، میں نے اپنا تمام متروکہ مال صدقہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں سارے مال کا صدقہ کرنے میں آپ ﷺ کی خصوصیت ماننی پڑے گی۔ جمہور نے پہلے معنی ہی کو ترجیح دی ہے اور وہی صحیح ہے۔

البتہ دوسرے احتمال کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے تقویت حاصل ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے وارث کوئی دینار یا درہم تقسیم نہیں کریں گے کیونکہ میں جو مال بھی ازواج مطہرات کے اخراجات اور کام کرنے والے کی اجرت سے زائد چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ سب صدقہ ہے۔''[3]

1 مسند احمد 10/1 2 صحیح بخاری 4036، صحیح مسلم 1759، مسند احمد 463/2 3 صحیح بخاری 2776، صحیح مسلم 1760

یہ الفاظ صحیحین میں آئے ہیں۔ ان الفاظ سے بعض ان شیعہ حضرات کی تحریف کی تردید ہوتی ہے جنھوں نے ... میں صدقۃ کا لفظ منصوب پڑھا ہے اور ما کو نافیہ بنایا ہے، پھر ترجمہ یہ کیا ہے: ''ہم نے کوئی صدقہ نہیں چھوڑا۔'' حالانکہ ایسی صورت میں اس ترجمے کا حدیث کے اولیں الفاظ ... یعنی ''ہماری وراثت نہیں چلتی'' سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ بعض شیعہ نے ما کو تو موصولہ ہی مانا ہے مگر صدقۃ کو منصوب پڑھا ہے اور حال بنایا ہے۔ اور معنی یہ کیا ہے: ''ہم جو مال بطور صدقہ چھوڑ جائیں، اس میں وراثت نہیں چلتی۔'' یہ معنی بھی غلط ہے کیونکہ صحیحین کی اس روایت میں صراحتاً ... کے الفاظ ہیں، یہ کسی صورت میں حال نہیں بن سکتے۔ وہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک معتزلی نے اہل سنت کے عالم کے سامنے آیۂ کریمہ: وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ''اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا۔'' کو لفظ اللہ کے نصب کے ساتھ (وَكَلَّمَ اللَّهَ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا) پڑھا، یعنی موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں۔ اہل سنت عالم فرمانے لگے: ظالم! تو اس آیت کا کیا کرے گا: وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ''اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت کے لیے آیا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا۔'' یعنی اس میں تو صراحتاً رب کریم فاعل ہے۔

غرض جو ترجمہ بھی اس حدیث کا کیا جائے بشرطیکہ الفاظ اس کا احتمال رکھتے ہوں، اس حدیث پر عمل واجب ہے۔ یہ حدیث آیت وراثت کی تخصیص کرتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یا آپ کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی اس آیت کے حکم سے خاص کرتی ہے۔[1]

لشکر اسامہ کی روانگی اور فتنۂ ارتداد کی سرکوبی

رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے فارغ ہوتے ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانگی کا حکم دے دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو روز قبل بروز ہفتہ مکمل ہوئی اور اس کا آغاز آپ ﷺ کی بیماری سے قبل ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے ماہ صفر کے اواخر میں جنگ کی تیاری کا حکم دیا، اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ''اپنے والد کی شہادت گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں نے تم کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا ہے۔''[2]

تیاری شروع ہونے کے دو دن بعد رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ کی بیماری بڑھ گئی، جس کی وجہ سے یہ لشکر

[1] البدایة والنهایة: 5/253، 254. [2] فتح الباري: 8/156.

روانہ نہ ہوسکا اور مقام جرف (جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر شام کی طرف واقع ہے) میں ٹھہرا رہا اور نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر سن کر واپس مدینہ چلا آیا۔[1] سانحۂ وفات کے بعد حالات میں تبدیلی آگئی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو اکثر عرب ارتداد کا شکار ہوگئے، نفاق اُمڈ آیا، مجھ پر ایسی مصیبت ٹوٹی کہ اگر پہاڑوں پر ٹوٹتی تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اور صحابہ کی یہ حالت ہوگئی جیسے بارش کی رات میں بھیگی ہوئی بکریاں درندوں کے نرغے میں ہوں۔[2]

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے ہی دن ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اب لشکر اسامہ کو اپنی مہم پر روانہ ہونا ہے، لہٰذا ہر وہ شخص جس کا نام لشکر اسامہ میں شامل ہے، وہ مدینہ چھوڑ کر مقام جرف کی لشکر گاہ میں پہنچ جائے۔[3]

لشکر اسامہ پر بحث و تکرار

بعض صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ اکثر مسلمان اور عرب آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ آپ مسلمانوں کی جماعت کو اپنے سے جدا کریں۔[4] اسامہ رضی اللہ عنہ نے جرف میں اپنی لشکر گاہ میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کے ساتھ مدینہ لوٹ آنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے بھیجا اور کہا: میرے ساتھ مسلم قائدین اور ان کی اکثریت موجود ہے اور مجھے خلیفۂ رسول، حرم رسول اور مسلمانوں کے سلسلے میں مشرکین سے خطرہ لاحق ہے۔[5] لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی اور لشکر اسامہ کو شام کی مہم پر روانہ کرنے کے سلسلے میں اپنے موقف پر مصر رہے۔ زمینی حقائق، احوال وظروف اور ممکنہ نتائج کے خدشے سے اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر قائدین جنگ، خلیفہ کی اپنی رائے پر

1 السيرة النبوية الصحيحة: 552/2؛ السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية، ص: 685. 2 البداية والنهاية: 309/6.
3 البداية والنهاية: 307/6. 4 البداية والنهاية: 308/6. 5 الكامل لابن الأثير: 226/2.

مقام جرف (مدینہ منورہ)





ضرور سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ طرح طرح سے یہ کوشش کرتے رہے کہ خلیفہ اپنی رائے سے دستبردار ہو کر ان کی رائے سے متفق ہو جائیں۔

خلیفہ رسول کی عدیم النظیر استقامت

جب لوگوں کے مطالبات بڑھ گئے تو خلیفہ اول نے اس موضوع پر بحث و گفتگو کے لیے مہاجرین و انصار کی عام مجلس بلائی۔ اس اجتماع میں مختلف پہلوؤں سے اس موضوع پر طویل گفتگو ہوئی۔ لشکر اسامہ کی روانگی کے سب سے بڑے مخالف عمر بن خطاب تھے کیونکہ وہ ایسی صورت میں خلیفہ، ازواج مطہرات، مدینہ اور اہل مدینہ کے لیے سخت خطرہ محسوس کر رہے تھے مبادا مشرکین اور مرتدین چڑھ دوڑیں اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیں۔ اور جب اکابرین صحابہ نے اس سلسلہ میں خلیفہ پر زور دیا اور ان عظیم خطرات کا خوف دلایا جو لشکر اسامہ کی روانگی سے پیدا ہو سکتے تھے تو آپ نے پورے وقار اور تحمل سے لوگوں کے مشورے سنے، سب کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا، ان سے وضاحت طلب کی۔[1] اور آخر میں مجلس برخاست کرنے کا حکم دے دیا۔[2] پھر مسجد میں دوسرا عام اجتماع منعقد کیا اور سب پر واضح کر دیا کہ وہ اس مہم کو ہرگز ملتوی نہیں کریں گے کیونکہ اس کا لائحہ عمل رسول اللہ ﷺ نے خود تیار کیا تھا۔ آپ نے انھیں خبردار کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق لشکر اسامہ لازما روانہ ہوگا، چاہے اس عمل کے نتیجے میں مرتدین مدینہ پر قابض ہو جائیں۔

آپ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے! اگر مجھے یہ یقین ہو کہ درندے مجھے نوچ کر کھائیں گے تب بھی میں لشکر اسامہ کو بھیج کر رہوں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ اگر بستی میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تب بھی میں لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔[3]

1 السيرة ... ص 83,82. 2 ... ص 257. 3 ... 45/4.

لشکرِ اسامہ کو اس کی مہم پر بھیجنے کے سلسلے میں ابوبکر ﷺ کا عزم بالکل صحیح تھا اگرچہ اکثر صحابۂ کرام ﷺ کی رائے کے خلاف تھا لیکن لشکرِ اسامہ کو بھیجنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود تھا۔ بعد کے حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ رائے عامہ کے مقابلے میں ابوبکر ﷺ ہی کی رائے صحیح تھی۔[1]

نبی ﷺ کے فیصلے تبدیل نہیں ہو سکتے

انصار کا مطالبہ تھا کہ اسامہ ﷺ سے زیادہ عمر والے شخص کو امیر الجیش بنایا جائے۔ انھوں نے عمر ﷺ کو اس سلسلے میں ابوبکر ﷺ سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عمر ﷺ نے آپ سے عرض کیا کہ انصار اسامہ سے زیادہ عمر والے شخص کو امیر الجیش مقرر کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ابوبکر ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر ﷺ کی بات سن کر وفعتاً اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر ﷺ کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا: خطاب کے بیٹے! اسامہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں۔[2]

عمر ﷺ سیدنا ابوبکر ﷺ کے ہاں سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے۔ لوگوں نے دریافت کیا: کیا فیصلہ ہوا؟ فرمایا: چلے جاؤ، تمھاری مائیں تمھیں گم پائیں! تمھارے لیے خلیفۂ رسول سے کچھ نہیں ملا۔[3]

خلیفۂ رسول نے لشکرِ اسامہ کو رخصت فرمایا

سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ لشکرِ اسامہ کے پاس تشریف لائے اور اسے خود روانہ کیا۔ سیدنا اسامہ ﷺ کو سوار کر کے روانہ کیا اور خود ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلے، جبکہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف ﷺ ان کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔ اس پر سیدنا اسامہ ﷺ نے عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسول! اللہ کی قسم! آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی اتر آؤں گا۔'' سیدنا ابوبکر ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ کی قسم! تم نیچے اترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔ مجھے اللہ کی راہ میں اپنے قدم غبار آلود کرنے دو، اس میں کوئی حرج نہیں۔''

پھر سیدنا ابوبکر ﷺ نے سیدنا اسامہ ﷺ سے یہ اجازت مانگی: ''اگر تم میری مدد کے لیے عمر ﷺ کو چھوڑنا پسند کرو تو انھیں چھوڑ جاؤ۔'' چنانچہ اسامہ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔[4]

1 [illegible]، ص: 83۔ 2 تاریخ الطبری: 4/46۔ 3 تاریخ الطبری: 4/46۔ 4 [illegible] 46/4 [illegible] 47-45/4

رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم میں کوئی کوتاہی گوارا نہیں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ کے فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! ٹھہرو میں تمھیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں، انھیں اچھی طرح یاد رکھو! نہ خیانت کرنا، نہ مال غنیمت چرانا، نہ بدعہدی کرنا، نہ لاشوں کی بے حرمتی کرنا، نہ پھل دار درخت کاٹنا، نہ بلا ضرورت بکری، گائے اور اونٹ ذبح کرنا۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو گرجا گھروں میں عبادت میں مصروف ہوں گے، ان سے تعرض نہ کرنا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو تمھارے لیے رنگ برنگے کھانے لائیں گے۔ تم ہر کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔ تمھارا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہوگا جنھوں نے اپنے سر درمیان سے مونڈ رکھے ہوں گے اور بقیہ بالوں کو پٹیوں کی مانند چھوڑ دیا ہوگا، ایسے لوگوں کو تہ تیغ کر دینا۔ اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔''

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِمْضِ لِمَا أَمَرَكَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ابْدَأْ بِبِلَادِ قُضَاعَةَ ثُمَّ ائْتِ آبِلَ، وَلَا تُقَصِّرَنَّ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَلَا تَعْجَلَنَّ لِمَا خُلِّفْتَ عَنْ عَهْدِهِ.

''رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا، جنگ کی ابتدا بلادِ قضاعہ سے کرنا، پھر آبل (موجودہ اردن کے جنوب میں واقع ایک شہر) پر حملہ آور ہونا لیکن رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم کی تعمیل میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کرنا اور آپ ﷺ کے عہد سے پیچھے مت ہٹنا۔''



مسجد اسامہ بن زید، ملائیشیا

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر چلا گیا۔ اہل لشکر رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق قضاعہ کے قبائل پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں آس کی فتح عطا فرمائی اور مال غنیمت سے بھی نوازا۔ فی الجملہ لشکر اسامہ بڑے وقار سے سرخرو ہو کر مدینہ واپس آیا۔

ان کا یہ پورا مشن چالیس روزہ تھا، یعنی روانگی، کارروائی اور واپسی یہ سارے مرحلے چالیس دنوں میں مکمل ہو گئے۔[1]

لشکر اسامہ کی شاندار فتح

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر کامیابی کے پرچم لہراتا ہوا، غنیمتیں سمیٹتا ہوا اور رومیوں کو ہیبت زدہ کرتا ہوا واپس آ گیا۔ لشکر اسامہ کی روانگی کا فیصلہ سیدنا ابوبکر صدیق کا نہایت دانشمندانہ قدم تھا۔ اس کے نتائج فوراً ظاہر ہوئے کہ رومی بادشاہ ہرقل کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر اور اس کے ملک پر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی یلغار کی اطلاع بیک وقت موصول ہوئیں۔ رومی تعجب سے کہنے لگے: ''مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ابھی ابھی ان کا نبی فوت ہوا ہے اور یہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔'' ادھر عرب قبائل کہنے لگے: ''اگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ ہوتی تو وہ اس لشکر کو (مدینہ منورہ سے دور) روانہ نہ کرتے۔'' چنانچہ وہ اپنے بہت سے منفی منصوبوں پر عمل درآمد سے باز آ گئے۔[2]

ہرقل مسلمانوں سے ڈر گیا

اس موقع پر رومی بادشاہ ہرقل نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جمع کر کے کہا: ''میں تمھیں اسی بات سے ڈراتا تھا مگر تم نے میری ایک نہ مانی۔ اب نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔ عرب ایک ماہ کا طویل سفر کر کے آتے ہیں، تم پر یلغار کرتے ہیں اور اپنا کوئی نقصان کیے بغیر، فتح مندانہ واپس چلے جاتے ہیں۔''

1 تاریخ الطبری 4/45-47، السیرة النبویة الصحیحة لأکرم ضیاء العمری 2/467-470، البدایة والنهایة: 6/309.
2 تاریخ الإسلام للذهبی 20/3


بصریٰ الشام کا رومی تھیٹر

ہرقل کے بھائی ینّاق نے کہا کہ تم سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایک خصوصی فوج بلقا بھیج دو، چنانچہ اس نے ایک کمانڈر کے ماتحت اپنی فوج سرحد پر بھیج دی جو ادھر ہی مقیم رہی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور بعد ازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی لشکر شام کی طرف پیش قدمی کرتے رہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی ابتدا ہی میں شام کے عرب قبائل اسلامی سلطنت کے دبدبے سے مرعوب ہوگئے، وہ مسلسل خوفزدہ رہنے لگے۔ جب سیدنا اسامہ کا لشکر کامیاب ہو کر مدینہ منورہ پہنچا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بزرگ مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گئے۔ اہل مدینہ نے انھیں نہایت مسرت کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سیدھے مسجد نبوی گئے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان پر شکرانے کے نفل ادا کیے۔

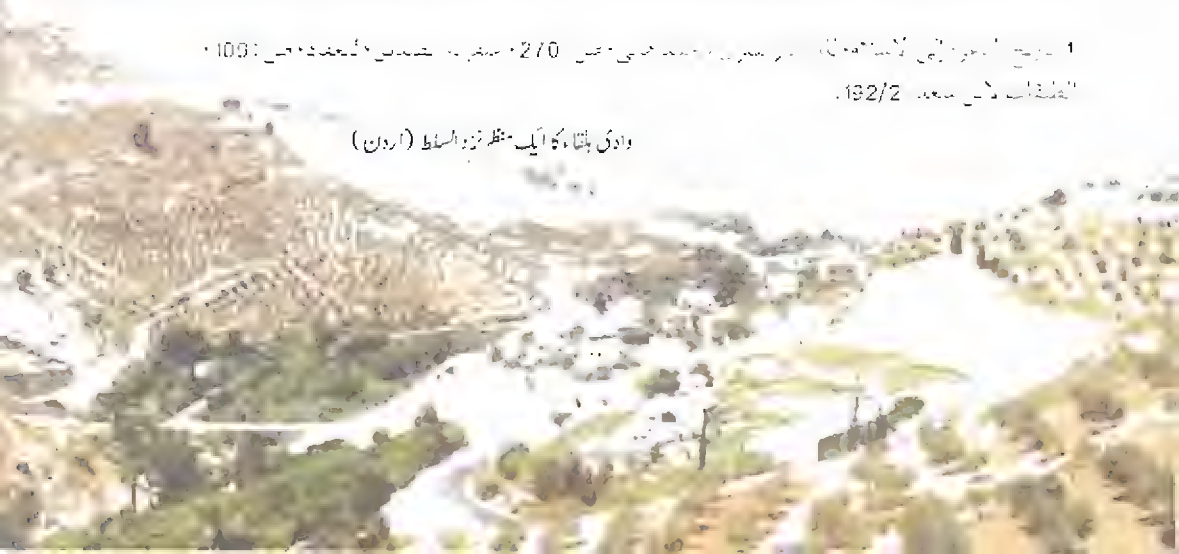
اس غزوے کا ان عربوں کی زندگی پر گہرا اثر پڑا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے پروگرام بنا رہے تھے۔ اسی طرح ان رومیوں کی زندگی پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے جو بلادِ عرب کی حدود تک پھیلے ہوئے تھے۔

اس لشکر نے اپنے جذبۂ ایمانی سے وہ کارنامہ کر دکھایا جو وہ اپنی قوت اور تعداد سے انجام نہیں دے سکا تھا۔ اس لشکر نے مرتدین کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ دشمنوں کے جمع ہوتے والے لشکروں کو منتشر کر دیا اور جو لوگ مسلمانوں پر یلغار کے منصوبے بنا رہے تھے، وہ صلح کے معاہدے کرتے نظر آئے۔ یوں تلواروں کے بے نیام ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کی ہیبت نے اپنا کام کر دکھایا۔[1]

ارتداد کی وبا

10ھ کے اواخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو لوگوں کے کانوں میں

1 [illegible] 270 [illegible] 109؛ [illegible] 192/2.



وادی بلقاء کا ایک منظر نزد السلط (اردن)

ارتداد کی آواز پہنچ گئی اور اس کی چنگاری راکھ کے نیچے بھڑکنے لگی۔ سانپ سوراخوں سے اپنے سر نکالنے لگے۔ جن کے دلوں میں مرض تھا، انھیں خروج کی جرأت ہونے لگی۔ چنانچہ اسود عنسی یمن میں، مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور طلیحہ اسدی اپنے علاقے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔[1] اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے، یا اپنے ارتداد کو ظاہر کیے۔ اور انھیں زبردست فوجی قوت حاصل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو خواب دکھایا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر مجھے بھلا دیا گیا اور میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے یہ بات ناگوار گزری، پھر پھونک ماری اور وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے کی۔ یمن والا (اسود عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔''[2]

مرتدین کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا موقف

جب ارتداد کی لہر اٹھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے ہدایت سے نوازا، پس کافی ہوگیا، اور عطا کیا پس بے نیاز کر دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب علم کی قدر و قیمت نہ تھی، اسلام اجنبی اور دھتکارا ہوا تھا، اس کی رسی کمزور پڑ گئی تھی، اس کا زمانہ بیت گیا تھا، اس کے ماننے والے اس سے بھٹک گئے تھے، اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے ناراض ہوا، انھوں نے اپنی کتاب میں تبدیلی کر ڈالی، اس میں دوسری چیزیں شامل کر دیں۔ اور عرب اپنے آپ کو اللہ رب العزت سے محفوظ سمجھتے رہے، نہ اس کی عبادت کرتے، نہ اس سے دعا کرتے تھے۔ تو اللہ نے ان کی معیشت تنگ کر دی۔ اللہ نے پتھریلی زمین پر رحمت کی گھٹائیں جمع کر دیں اور سایہ فگن کیا، محمد ﷺ کے ذریعے سے ان کو آخری امت قرار دیا اور ان کو امت وسط بنایا اور ان کے متبعین کے ذریعے سے ان کی مدد کی اور دوسروں پر ان کو فتح عطا کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اٹھا لیا تو شیطان نے پھر اپنا قبضہ جمایا اور ان کے ہاتھ تھام لیے اور ان میں سے ہلاک ہونے والے بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

[1] سیرت ابن ہشام: 65 [2] صحیح البخاری: 3621، صحیح مسلم: 2273، مسند احمد: 11407

زکاۃ نہ دینے والوں سے جہاد

بعض صحابہ نے جن میں سرفہرست سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ کو مشورہ دیا کہ مانعین زکاۃ کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں اور مال کے ذریعے سے ان کی تالیف قلب (دلجوئی) کریں تاکہ ایمان ان کے دلوں میں پیوست ہو جائے، پھر وہ زکاۃ ادا کریں گے۔ لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو مسترد کر دیا۔[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو عرب میں سے مرتد ہونے والے مرتد ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کس بنیاد پر قتال کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

[illegible]

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا، اس نے اپنے مال و جان کو محفوظ کر لیا مگر یہ کہ اسلام کا حق آ جائے، اور اس کا حساب اللہ کے حوالے ہے۔‘‘

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے مابین فرق کرے گا۔ زکاۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے وہ بکری کا بچہ بھی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو زکاۃ میں دیتے تھے، روک لیا تو میں ان سے قتال کروں گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ تو ایسی بات ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے، پھر میں نے پہچان لیا کہ یہی حق ہے۔[2]

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مرتدین سے قتال کرنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان پوری امت کے ایمان پر بھاری ہے۔[3]

اس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک اہم فقہی مسئلہ واضح فرمایا جو ان کے ذہن سے اوجھل تھا، وہ یہ کہ جس حدیث سے عمر رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا تھا، اس میں ایک جملہ ہے جو مانعین زکاۃ سے قتال کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، وہ یہ ہے:

[illegible]

1 البدایۃ والنہایۃ: 6/315. 2 صحیح البخاری، 1400، وصحیح مسلم، 20. 3 حروب الردۃ، محمد احمد باشمیل، ص 24.

"جب اس کلمہ کا اقرار کر لیں تو انھوں نے اپنا خون و مال محفوظ کر لیا، الا یہ کہ اس کلمے کا حق آ جائے۔"[1]

اور یقیناً مرتدین سے قتال کے سلسلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے الہامی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی موقف اختیار کرنا ہزیمت و ناکامی اور جاہلیت کی طرف لوٹنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتا۔ اگر اللہ کی مدد نہ ہوتی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ فیصلہ کن قرارداد نہ ہوتی تو تاریخ کا دھارا بدل جاتا، اس کی حرکت تبدیل ہو جاتی، گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی طرف لوٹنے لگتیں، جاہلیت لوٹ آتی اور زمین میں شر و فساد برپا ہو جاتا۔[2]

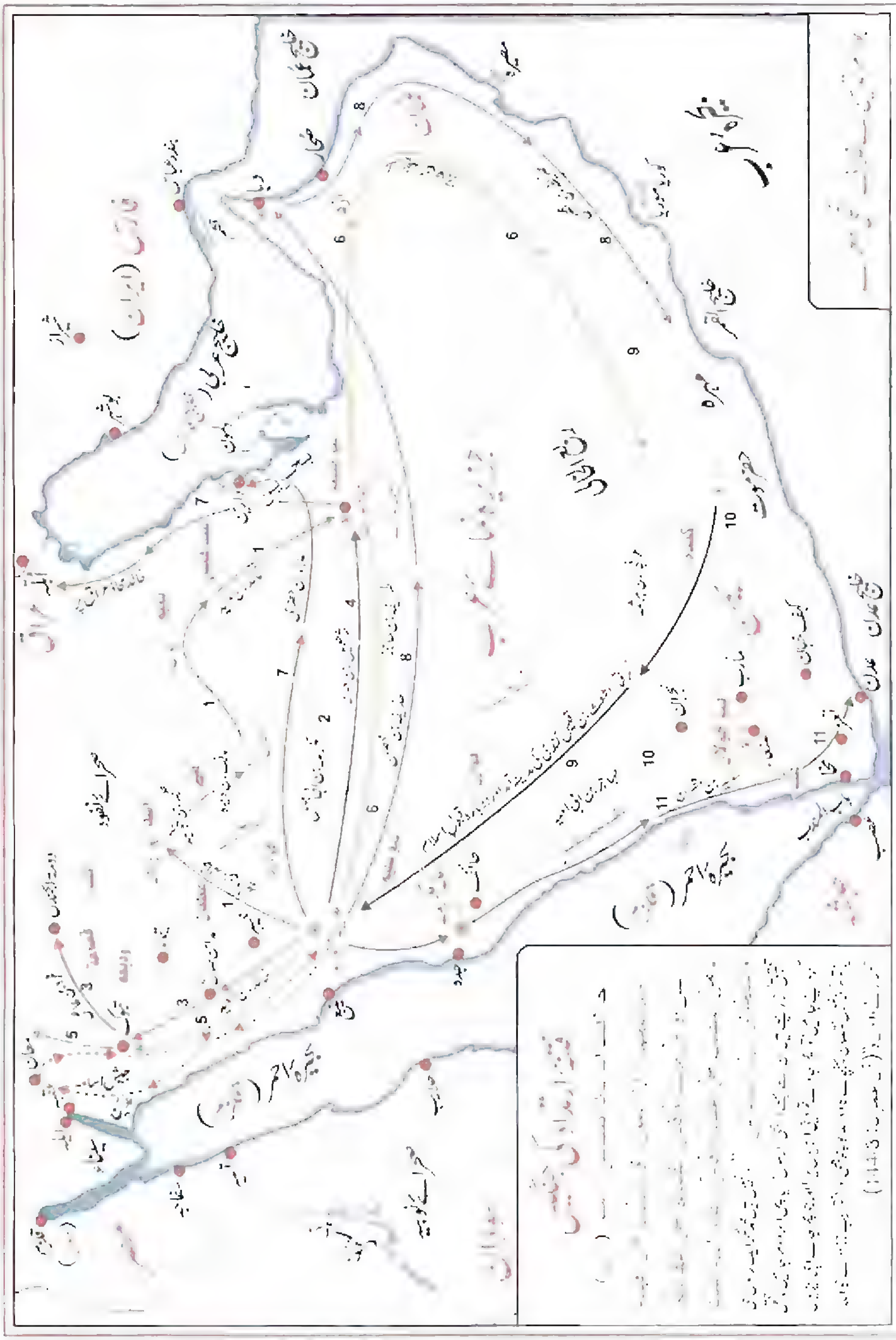
نازک صورت حال میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر اہل مدینہ کی رائے کو قابل قبول ٹھہرا کر مرتدین سے جنگ نہ کرتے تو فتنۂ ارتداد کبھی ختم نہ ہوتا بلکہ روز بروز وسعت اختیار کرتا جاتا اور اسلامی سلطنت کا قیام ناممکن ہو جاتا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ان جنگوں میں کسی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے لشکر کامیابی سے ہم کنار نہ ہوتے تب بھی صورت حال حد درجہ خطرناک ہو جاتی، اور یہ بات اسلام اور مسلمانوں کے لیے نتیجے کے اعتبار سے بے حد نقصان کا باعث ثابت ہوتی۔ حالات کی پوری تصویر سامنے رکھی جائے اور اس دور کے واقعات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بالکل صحیح تھا اور مرتدین اور مانعین زکاۃ کے ساتھ برسرپیکار ہونا نہایت ضروری تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے نے تاریخ کا رخ بدل دیا اور اسلام جس تہذیب و ثقافت کا داعی

1 صحیح مسلم: 21 2 [illegible] ص 86



شمالی شام کا تاریخی شہر حلب



کو درس دیتا ہے، وہ ہر اعتبار سے برقرار رہی اور پروان چڑھی۔ نئے تمدن نے کروٹ لی اور کرۂ ارض پر ایک نئی تہذیب وجود میں آئی۔

یہاں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مرتدین کے مقابلے میں اگر اسلامی افواج شکست سے دوچار ہو جاتیں تو مسلمان رومی اور ایرانی سلطنتوں سے نبرد آزما ہوسکتے تھے، نہ عراق اور شام کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت کرسکتے تھے، نہ قیصر وکسریٰ کی تہذیب ختم ہوسکتی تھی، نہ نئی اسلامی مدنیت ظہور میں آسکتی تھی۔

اگر مرتدین سے جنگ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہزیمت سے دوچار ہوجاتے تو شاید مدینے میں بھی اسلامی نظام حکومت قائم نہ ہوسکتا، نہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کی مضبوط بنیادوں پر خلافت اسلامیہ کی مستحکم عمارت استوار کر پاتے۔[1]

1 الصدیق أبوبکر، محمد حسین ہیکل، ص. 28، 29.

مسجد الشدائی اور محلہ القاہرہ (بغداد)



رسول اللہ ﷺ کا خاندان

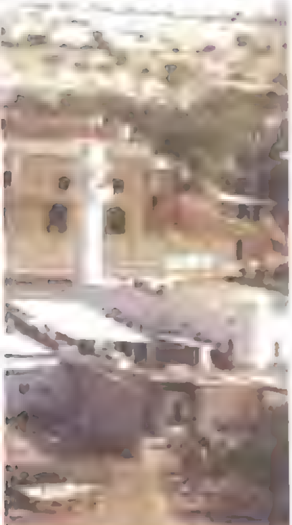


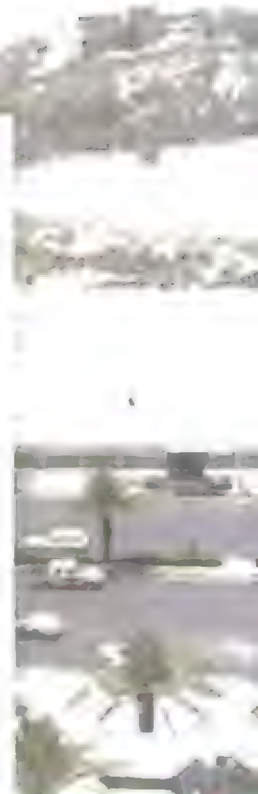
رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، اولاد، عم زاد بہن بھائیوں
اور صاحبزادوں کے بارے میں مفصل اور
مستند حالات و واقعات

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

"نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

اس باب میں





[illegible]



خاندانِ نبوی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو پوری دنیا کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی زندگی کو پوری نوعِ انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا۔ اسی بنا پر آپ ﷺ کی زندگی کے تمام گوشے ہر انسان کے لیے ہر شعبۂ زندگی میں مشعلِ راہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں شادیاں بھی کیں اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد جیسی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں اور آپ ﷺ بھی تمام ازواج مطہرات کی پوری طرح دلجوئی فرماتے تھے۔ روزانہ بعد نماز عصر سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور فرداً فرداً سب کے احوال سے آگہی حاصل کرتے تھے۔ آپ نے اپنی مقدس اولاد کی مثالی تعلیم و تربیت فرمائی اور اپنے عزیز و اقارب کے لیے صلہ رحمی کے تقاضے بتمام وکمال پورے فرمائے۔ فی الجملہ آپ اپنی سماجی اور نجی زندگی، دونوں دوائر میں اخلاقِ عالیہ کا بہترین نمونہ تھے۔

آپ ﷺ کے حسب نسب، ولادت، ختنہ اور عقیقے سے لے کر آپ ﷺ کے ذاتی اور صفاتی اسمائے گرامی، نیز رضاعت اور والدہ سے لاڈ پیار کے علاوہ آپ کے لڑکپن کے خوبصورت لمحات اور دلکش یادوں سے متعلق سیرت انسائیکلوپیڈیا کی دوسری جلد میں مفصل تذکرہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح آپ نے جب جوانی کی عمر میں قدم رکھا تو آپ کے چچا ابو طالب کا حسن تعامل اور حسن تعاون اور پھر آپ کی شادیوں کا تذکرہ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد کا ذکر جمیل بھی دوسری جلد کی زینت ہے جسے آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت کے ایام میں کوئی شادی نہیں کی۔ ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی ساری اولاد بھی سیدہ خدیجہ ہی کے بطن اطہر سے پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر آپ کے خاندان کا مفصل ذکر خیر اسی موقع پر ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے ترتیب وار جس جس خاتونِ محترم سے شادی کی، ان ایام کے ذکر جمیل میں ان شادیوں کا تذکرہ بھی گزر چکا ہے۔ یہاں امت کی رہنمائی کے لیے اجتماعی طور پر نبی اکرم ﷺ کی ازواج و اولاد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی تعداد

نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی تعداد سے متعلق اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ دمیاطی

کے حوالے سے لکھا ہے کہ جن عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ ہم بستر ہوئے یا جن سے صرف نکاح کیا یا انھیں ہم بستری سے پہلے ہی طلاق دے دی یا جن کو صرف پیغام بھیجا اور نکاح نہیں ہوا، ان سب کی تعداد تیس ہے۔ علامہ ابوالفتح یعمری اور علامہ مغلطائی نے ان کے نام ذکر کیے ہیں اور ان کی تعداد علامہ دمیاطی کی بیان کی ہوئی تعداد سے بھی زیادہ ہے مگر حافظ ابن قیم نے اس تعداد کا انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حوالے سے مزید لکھا ہے کہ ''درحقیقت زیادہ تعداد محض اس لیے بیان کی گئی ہے کہ بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ناموں کے بارے میں اختلاف ہے۔''

نیز انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے حساب سے ازواج مطہرات کی تعداد پندرہ بیان کی ہے جن میں سے گیارہ باقاعدہ آپ ﷺ کے گھر میں بسیں، البتہ وفات تک نو بیویاں موجود تھیں۔[1]

ابن ہشام بھی رقم طراز ہیں کہ نو بیویاں آپ ﷺ کی وفات کے وقت زندہ تھیں۔ دو بیویوں کا انتقال آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا جبکہ آپ نے اسماء بنت نعمان کندیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ سے صحبت نہیں کی تھی۔[2]

پھلبہری کی وجہ سے طلاق دے دی

نبی اکرم ﷺ نے اسماء بنت نعمان سے شادی کی تھی مگر پھلبہری کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا۔ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے بنو غفار کی ایک خاتون سے نکاح کیا۔ جب وہ خلوت میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اپنا لباس اتارا تو آپ نے اس کے پہلو میں پھلبہری کے نشانات دیکھے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: [illegible] ''اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے خاندان والوں کے پاس چلی جاؤ۔'' اور آپ ﷺ نے اسے مہر دینے کا حکم دیا۔''[3]

عمرہ بنت یزید کو طلاق

عمرہ بنت یزید نئی نئی مسلمان ہوئی تھی۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آداب سے ناواقفیت کی بنا پر آپ کے سامنے آتے ہی اس نے آپ سے پناہ طلب کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کی پناہ چاہے، وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔'' لہٰذا آپ نے اُسے واپس بھیج دیا۔

بعض کا کہنا ہے کہ پناہ طلب کرنے والی عورت اسماء بنت نعمان کے چچا کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا کہ جب

1 فتح الباري 490/1. 2 السيرة لابن هشام 297/4. 3 المستدرك للحاكم 34/4، السيرة لابن هشام 297/4.



رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا تو اس نے کہا: آپ کو ہمارے پاس آنا ہوگا، ہم کسی کے پاس نہیں جاتیں۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے اسے اس کے گھر واپس بھیج دیا۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمرہ بنت جون نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت اللہ کی پناہ طلب کی جب وہ شادی کے بعد آپ ﷺ کی خلوت گاہ میں بھیجی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تم نے اس کی پناہ طلب کی ہے جو پناہ دے دیتا ہے۔'' یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی اور اسامہ یا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''اسے بطور متاع تین کپڑے دے دو۔''[2]

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی کل تعداد گیارہ تھی جو آپ کے گھر میں آباد ہوئیں۔ گیارہ بیویوں میں سے دو، سیدہ خدیجہ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی تھیں۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے بقول سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں صرف دو یا تین ماہ رہیں۔[3]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

[illegible]

''نبی اکرم ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔''[4]

یعنی وہ بیویاں جو آپ کی رحلت کے وقت آپ کے پاس موجود تھیں۔ ان نو بیویوں کے علاوہ آپ کے پاس یہ دو باندیاں بھی تھیں: 1 سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو آپ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ تھیں۔ 2 سیدہ ریحانہ بنت شمعون قرظیہ رضی اللہ عنہا۔

ان دو باندیوں سمیت آپ ﷺ کے حرم میں خواتین کی تعداد گیارہ تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے جسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

[illegible]

''نبی ﷺ دن یا رات کی ایک ہی گھڑی میں اپنی تمام بیگمات کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔''[5]

[1] مسند أحمد: 297/4. [2] سنن ابن ماجه: 2037. [3] فتح الباري: 490/1. [4] صحيح البخاري: 284، صحيح مسلم: 1462. [5] صحيح البخاري: 268

مذکورہ باندیوں کے علاوہ جو بیویاں آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے حرم میں تھیں، ان کے اسمائے گرامی یہ تھے:

1 سیدہ عائشہ 2 سیدہ حفصہ 3 سیدہ سودہ 4 سیدہ زینب بنت جحش 5 سیدہ ام سلمہ 6 سیدہ ام حبیبہ (رملہ بنت ابی سفیان) 7 سیدہ میمونہ 8 سیدہ جویریہ 9 سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہن۔

ایک شاعر نے آپ ﷺ کی بیویوں کی تعداد ان اشعار میں بیان کی ہے:

توفي رسول الله عن تسع نسوة ... إليهن تعزى المكرمات وتنسب

فعائشة ميمونة وصفية ... وجويرية مع سودة ثم زينب

كذا رملة مع هند أيضا وحفصة ... ثلاث وست نظمهن مهذب

”رسول اللہ ﷺ نے نو معزز و مکرم بیویوں کو چھوڑ کر وفات پائی۔ عائشہ، میمونہ، صفیہ، جویریہ اور ان کے ساتھ سودہ اور زینب۔ رملہ، ہند اور ان کے ساتھ حفصہ تھیں۔ یہ تین اور چھ (جو کل نو ہوئیں) آپس میں بڑے سلیقے اور حسن تہذیب کے ساتھ رہتی تھیں۔“ [1]

نبی ﷺ اور کثرت ازدواج

رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل حکمت اور اعلیٰ مقاصد کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی شادیاں بھی حکمت اور مقاصد جلیلہ کی عکاس تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جتنی بھی شادیاں کیں، ان میں سے ہر ایک کی ایک خاص وجہ اور مصلحت تھی۔ عرب میں نکاح کی کوئی تعداد بھی متعین نہ تھی۔ بنی اسرائیل میں بھی ایسا ہی تھا، کوئی تحدید نہ تھی۔ تورات میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کا ذکر ملتا ہے جن کی متعدد بیویاں تھیں، مثلاً: داود علیہ السلام کی نو بیویوں اور دس باندیوں کا ذکر بائبل میں موجود ہے۔ جبکہ سلیمان علیہ السلام کے متعلق سلاطین میں ہے کہ آپ کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔ اس طرح اللہ کے نیک بندوں اور انبیاء کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیویاں موجود ہوتی تھیں۔

اللہ کے حبیب محمد ﷺ کی مبارک زندگی میں جن مومنات کو آپ کے حرم میں داخلے کی سعادت نصیب ہوئی، ان کی تعداد نو ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”رحمۃ للعالمین“ میں آپ ﷺ کی کثرت ازواج کے بارے میں لکھا ہے:

1 السيرة الحلبية: 3/418، [illegible] الأسماع (مقريزي): [illegible]

نبی ﷺ کی مبارک زندگی پر نظر ڈالو کہ 63 سال میں سے ابتدائی 25 سال حضور نے کمال تجرد سے گزرتے ہیں۔ جس بزرگ نے 25 سال تک عنفوان شباب اور جوش جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسن مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزومند کردیا ہو، پھر بھی ربع صدی تک اس کے تجرد و تفرد پر کوئی شے غالب نہ آئی ہو، کیا ایسے شخص کی نسبت اعلیٰ رائے قائم نہیں ہوتی؟

جس مقدس ہستی نے 25 سے 50 سال تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں ان سے 15 سال بڑی اور ان سے پیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہوچکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضور ﷺ کی دل بستگی محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو بلکہ اس کے فوت ہوجانے کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یاد کو تازہ رکھا ہو، کیا ان کی نسبت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تزویج کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستاران حسن کی شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے؟

نبی ﷺ کی زندگی (55 سے لے کر 59 سال تک کی درمیانی مدت) کا پنجسالہ زمانہ ایسا ہے جب ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے۔ اس لیے ہر ایک شخص کو غور کرنا چاہیے کہ زندگی مبارک کے 55 سالہ رویہ سے بڑھ کر جو عمل ہوا، اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے؟ خصوصاً جب نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی موجود ہے:

"ما لي في النساء من حاجة"

"مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔"[1]

غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا کہ نبی ﷺ نے جس قدر نکاح کیے، ان کی بنیاد فوائد کثیرہ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنہ قوم پر قائم تھی اور ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس قدیم ترین زمانے اور عرب جیسے جمود پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔[2]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے قبائل

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں، ان میں سے کوئی بھی زوجہ محترمہ ہاشمی نہ تھی۔ چھ قریشی تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

1 سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا 2 سیدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا 3 سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا

4 سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا 5 سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا 6 سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔

1 صحیح بخاری: 5029 2 رحمۃ للعالمین: 2/129، 130.

نبی اکرم ﷺ کی یہ پانچ بیویاں غیر قریشی تھیں:

1 سیدہ زینب بنت جحش ؓ 2 سیدہ میمونہ بنت حارث ؓ 3 سیدہ زینب بنت خزیمہ ؓ 4 سیدہ جویریہ بنت حارث ؓ 5 سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب ؓ۔ ان کا تعلق یہودی قبیلہ بنو نضیر سے تھا۔[1]

ازواج مطہرات ؓ سے نکاحوں کی ترتیب

نبی کریم ﷺ سے ازواج مطہرات ؓ کے نکاح کی ترتیب کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

امام ابن اسحاق کی ترتیب اس طرح ہے:

سیدہ خدیجہ، سیدہ سودہ، سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ جویریہ، سیدہ صفیہ، سیدہ میمونہ بنت حارث ؓ۔

حافظ ابن کثیر ؒ نے اس ترتیب کو عمدہ ترین قرار دیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے یہ ترتیب ایک اور انداز سے بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کے گھر میں سیدہ سودہ ؓ موجود تھیں، پھر مدینہ منورہ میں سیدہ عائشہ ؓ آپ ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں، پھر تین اور چار ہجری میں سیدہ ام سلمہ، سیدہ حفصہ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ ؓ سے نکاح فرمایا۔ پانچویں ہجری میں آپ ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش ؓ سے نکاح کیا۔ چھ ہجری میں سیدہ جویریہ ؓ سے اور سات ہجری میں سیدہ صفیہ، سیدہ ام حبیبہ اور سیدہ میمونہ ؓ سے نکاح فرمایا۔[3]

1 السیرۃ الحلبیۃ 298/4، دلائل النبوۃ للبیہقی 289/7، 2 البدایۃ والنہایۃ 261/5 3 فتح الباری 490/1

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی شادی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے 26 عام الفیل ماہ صفر میں ہوئی۔ آپ ﷺ کی اس شادی کی مکمل تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا کی دوسری جلد کے ساتویں باب ''رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی'' میں گزر چکی ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی انتہائی باوقار اور مالدار خاتون تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب چوتھی پشت (قصی) پر جا کر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ اس شادی کے فیوض و برکات میں سب سے عظیم الشان بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ساری اولاد، سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے، سیدہ خدیجہ سے ہوئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وہ عظیم المرتبت زوجہ ہیں جنھوں نے ابتدائے دعوت اسلام میں زبردست مشکلات اور مصائب میں یہاں تک کہ شعب میں محصور ہونے تک آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنا سارا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امت محمدیہ میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیعت کرنے اور مسلمان ہونے والی خاتون سیدہ خدیجہ ہی ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں چوبیس سال بسر کیے اور اپنی عمر کے چونسٹھ سال اور چھ ماہ گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعثت کے دسویں سال، 11 رمضان المبارک کو فوت ہوئیں اور انھیں مکہ کے قبرستان المعلیٰ میں دفن کیا گیا۔[1]

1 الطبقات لابن سعد، 8/217؛ الاستیعاب، ص: 874-878؛ انساب الاشراف، 1/273؛ 2/35؛ الاصابۃ، 8/103.

قبرستان المعلیٰ (مکہ مکرمہ)



سیدہ خدیجہ ؓ سے نبی ﷺ کی بے مثال وفا و محبت

سیدہ خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی طبیعت بجھی بجھی رہنے لگی۔ سیدہ خولہ بنت حکیم ؓ ایک دن تعزیت کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں، سیدہ خدیجہ ؓ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے آپ بڑے غمگین دکھائی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! وہ میرے بچوں کی شفیق ماں تھیں، میری غمگسار اور راز داں تھیں، انھوں نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا۔ میری رفاقت میں آ کر دنیا کی ہر چیز بھول گئیں۔ انھوں نے محبت، وفاداری اور سلیقہ شعاری کا حق ادا کر دیا۔ بھلا وہ کیوں نہ یاد آئیں، میں مرحومہ کو کس طرح بھول سکتا ہوں؟''[1]

سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب بھی کوئی چیز پیش کی جاتی تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے: ''یہ چیز فلاں خاتون کے گھر پہنچا دو کیونکہ وہ خدیجہ ؓ کی سہیلی تھیں۔''[2]

سیدہ خدیجہ ؓ پر سیدہ عائشہ ؓ کا رشک

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں: مجھے نبی اکرم ﷺ کی دیگر بیویوں پر کبھی اس قدر رشک نہیں آیا جتنا رشک خدیجہ ؓ پر آتا تھا، حالانکہ میں نے انھیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ انھیں اکثر و بیشتر یاد کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ ﷺ بکری ذبح کرتے، اس کے بڑے بڑے عضو کاٹ کر علیحدہ کرتے اور سیدہ خدیجہ ؓ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے۔ (آخر ایک دن مجھ سے رہا نہ گیا) میں نے کہہ ہی دیا: ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں صرف ایک خدیجہ ؓ ہی تھیں! آپ ﷺ فرمانے لگے: ''ان کے کیا کہنے! وہ تو ایسی تھیں، ایسی تھیں (پھر ان کی خوبیاں بیان فرمانے لگے، بعد ازاں فرمایا:) اور ان سے میری اولاد بھی ہوئی۔''[3]

سیدہ خدیجہ ؓ کی یاد رہ رہ کر تڑپاتی تھی

ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ ؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ''ہالہ'' رسول اللہ ﷺ سے ملنے آئیں۔ انھوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ ان کا لب و لہجہ سیدہ خدیجہ ؓ سے ملتا جلتا تھا۔ جونہی آپ ﷺ نے سیدہ ہالہ کی آواز سنی، آپ ﷺ خوشی سے نہال ہو گئے اور فرمایا: ''اے میرے اللہ! ہالہ آئی

[1] الطبقات لابن سعد 57/8 [2] المستدرک للحاکم 175/4، سبل الهدى والرشاد 158/11 [3] صحيح البخاري 3818

ہیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ انھیں بڑا رشک آیا۔ فورا بولیں: آپ ایک بوڑھی سرخ مسوڑوں والی عورت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے اچھی بیویاں نہیں دے دیں؟[1]

دیگر روایات میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صدق دل سے اقرار کیا۔ جب سب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اس نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین و مددگار نہ تھا، اس وقت خدیجہ نے میری مدد کی اور میری اولاد بھی انھی سے ہوئی۔''[2]

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی امتیازی خصوصیت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون ہیں جنھوں نے نبوت اور دعوت اسلام سے پہلے ہی بت پرستی ترک کر دی تھی۔ مسند احمد میں روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

لا اعبد اللات ابدا، والله لا اعبد العزى ابدا، قال: فتقول خديجة: خل العزى

''اللہ کی قسم! میں کبھی لات کی پرستش نہ کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں کبھی عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔'' راوی حدیث کہتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''عزیٰ کا تو تذکرہ ہی نہ کیجیے۔''[3]

1 صحیح البخاري، 3821. 2 مسند احمد، 117/6، سبل الهدى والرشاد: 158/11. 3 مسند احمد: 222/4.

جامع مسجد خدیجہ رضی اللہ عنہا، برلن (جرمنی)



رسول اللہ ﷺ کو سیدہ خدیجہ ؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ سیدنا علی ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''(اپنے زمانے کی) عورتوں میں مریم ؑ بہترین تھیں اور (اپنے زمانے کی) خواتین میں خدیجہ بہترین ہیں۔'' [1]

سیدہ خدیجہ ؓ کی نمایاں خصوصیتیں

ام المومنین سیدہ خدیجہ ؓ کی چند امتیازی خصوصیات ایسی ہیں جن میں کوئی دوسری زوجہ مطہرہ شریک نہیں۔ ذیل میں ان کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

1 انھوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔
2 سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے انھی سے شادی کی۔
3 وہ رسول اللہ ﷺ کی واحد زوجہ مطہرہ ہیں جن کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔
4 حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے انھوں نے نماز پڑھی۔
5 سوائے سیدنا ابراہیم ؓ کے آپ ﷺ کی ساری اولاد انھی سے ہوئی۔
6 ازواج مطہرات ؓ میں سب سے پہلے جنت کی بشارت انھی کو ملی۔
7 ازواج مطہرات ؓ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں کو جبریل امین ؑ کے ذریعے سے سلام بھیجا۔
8 رسول اللہ ﷺ کی امت میں آپ ؓ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو صدیقہ ہونے کے شرف سے مشرف ہوئیں۔
9 امہات المومنین ؓ میں سے سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ محترمہ بھی آپ ؓ ہی ہیں۔
10 آپ ؓ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جن کی قبر میں رسول اللہ ﷺ خود اترے۔

1 صحیح البخاری: 3815

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ

آپ ؓ کا اسم گرامی عائشہ، لقب صدیقہ، خطاب حمیراء اور کنیت ام عبداللہ تھی۔ آپ ؓ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار برس بعد ماہ شوال بمطابق جولائی 614ء میں پیدا ہوئیں۔

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جب سے میں اپنے والدین کو پہچاننے لگی، اسی وقت سے میں نے انھیں مسلمان ہی پایا۔[1]

ام المومنین سیدہ خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نکاح سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی لخت جگر سیدہ عائشہ ؓ سے ہوا۔ سیدہ عائشہ ؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت مرہ بن کعب پر جا کر نبی ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ نکاح کے موقع پر سیدہ عائشہ ؓ کی عمر ایک روایت کے مطابق 6 سال اور ایک روایت کے مطابق 7 سال تھی۔[2]

یہ نکاح بعثت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہوا۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینے میں سیدہ عائشہ ؓ کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت سیدہ کی عمر 9 سال تھی۔[3]

نبی ﷺ نے سیدہ عائشہ ؓ کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ سیدہ عائشہ ؓ سے آپ ﷺ سب سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔ سیدہ عائشہ انتہائی ذہین و فطین خاتون تھیں۔ امت محمدیہ کو علم دین کے بہت بڑے ذخیرے سے سیدہ عائشہ ؓ ہی نے روشناس کرایا۔ خواتین کے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین سیدہ عائشہ ؓ ہی کے ذریعے امت کو ملے۔ یوں دین کی تبلیغ اور اشاعت میں سیدہ عائشہ ؓ کا کردار تمام امہات المومنین سے کہیں زیادہ ہے۔

سیدہ عائشہ ؓ سے آپ ﷺ کے نکاح کا ذکر سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/450-452 اور شادی کی تفصیلات کے

1 صحیح البخاری: 3905. 2 مسند احمد: 6/210، 21؛ صحیح مسلم: 1422. 3 صحیح مسلم: 1423، الطبقات لابن سعد: 8/58.

لیے 206/5 دیکھیے۔ نیز سیدہ عائشہ ؓ کی پاکدامنی پر قرآن کے نزول اور پورے واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 7/201-245.

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی گھریلو زندگی

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کی گھریلو زندگی اتنی خوشگوار تھی کہ ان کے شوہر نامدار ہر اعتبار سے ان کے لیے آئیڈیل بن گئے حتی کہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہوئے بھی ان کی زندگی انتہائی پر لطف تھی۔ صدیقہ کائنات جس گھر میں بیاہی آئی تھیں، وہ کوئی عالی شان محل نہ تھا بلکہ بنو نجار کے محلے میں مسجد نبوی سے متصل چند چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے گئے تھے، انھی میں سے ایک حجرہ سیدہ عائشہ ؓ کا مسکن تھا۔ یہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا۔ حجرے کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی بنی ہوئی تھی۔ بارش کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ چھت کی بلندی بس اتنی تھی کہ کوئی کھڑا ہو کر ہاتھ اونچا کرتا تو چھت سے جا لگتا تھا۔ دروازے پر صرف ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ بھی بند نہ ہوا۔ پردے کے لیے ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا۔ حجرے سے متصل ایک کچا بالا خانہ تھا جس میں آپ ﷺ خلوت گزیں ہوتے۔ اسی میں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات ؓ سے ایلاء (عارضی قطع تعلقی) کر کے ایک مہینہ بسر فرمایا تھا۔ اس گھر میں ایک چٹائی، ایک بستر، ایک چھال بھرا تکیہ، کھجور رکھنے کے لیے دو مٹکے، پانی کے لیے ایک مشکیزہ اور پانی پینے کا ایک پیالہ رکھا تھا۔ یہ گھر روحانی دولت سے تو بہت مالا مال تھا لیکن دنیوی مال و متاع سے اکثر خالی رہتا تھا۔

سید المرسلین محمد ﷺ کے گھر کے انتظامات سیدنا بلال ؓ کے سپرد تھے۔ وہی کھجور اور تھوڑے سے غلے کی شکل میں تمام حجروں میں سال بھر کا راشن تقسیم کرتے۔ بسا اوقات گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے قرضہ بھی لینا پڑتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سانحۂ ارتحال تک پورا عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ تمام صوبوں میں مرکزی بیت المال کے لیے وافر مقدار میں نقدی اور غلہ جمع ہونے لگا تھا، لیکن جس دن آپ ﷺ نے وفات پائی، اس دن بھی سیدہ عائشہ ؓ کے گھر میں نان و نفقے کا کوئی سامان مہیا نہ تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ نے بے حد تمول اور فراوانی آ جانے کے باوجود اسی سادہ طرز زندگی کو عمر بھر اختیار کیے رکھا۔ ان کے نزدیک اس سادہ و پاکیزہ اسلوب زندگی سے بہتر طریق زندگی اور کوئی نہ تھا۔

سیدہ عائشہ ؓ کی فضیلت

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ گھوڑے کی گردن پر

ہاتھ رکھے ایک شخص سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: آج آپ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''وہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور تمھیں سلام کہتے تھے۔''

میں نے بھی فوراً کہا: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔[1]

دوسری روایت میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے عائش! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں، آپ کو سلام کہتے ہیں۔''

میں نے عرض کیا: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اے اللہ کے رسول! یقیناً آپ انھیں دیکھ سکتے ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھ پاتے۔[2]

اسی طرح سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''مردوں میں سے بہت کامل لوگ گزرے ہیں لیکن عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل خاتون نہیں گزری۔ اور عائشہ کو باقی عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو باقی تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''[3]

دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام ریشم کے غلاف میں میری تصویر رکھ کر لائے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

[illegible]

''یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔''[4]

[1] مسند احمد: 74/6۔ [2] صحیح بخاری: 3768۔ [3] صحیح البخاری: 3769۔ [4] جامع الترمذی: 3880۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا۔ میں نے عرض کیا: حضور! آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرما رہے ہیں، میرے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہو؟''

میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کی ذات اقدس سے دل و جان سے راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: ''تم دنیا و آخرت میں میری بیوی ہو۔''[1]

وفات النبی ﷺ کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے لیل و نہار

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کی خلافت کا دور تقریباً دو سال پر محیط ہے۔ 13ھ میں ان کا انتقال ہوا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سایۂ پدری سے بھی محروم ہو گئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حجرۂ عائشہ میں جوارِ رسول ﷺ میں دفن ہوئے۔

عہد فاروقی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے گہری محبت کی مناسبت سے ان کا بہت خیال رکھا۔ سیدہ خود فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر فرمایا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔[2]

عراق کی فتوحات میں موتیوں سے لبریز ایک ڈبہ ملا۔ مال غنیمت میں وہ بھی بارگاہ خلافت میں پہنچا۔ یہ گرانقدر موتی سب کے حصے میں نہیں آ سکتے تھے، اس لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ موتی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج دوں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑھ کر محبوب تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی اور موتیوں کا ڈبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نذر کر دیا گیا۔[3]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ وہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیے جائیں۔ انھوں نے

1 [illegible] 10/4، 2 [illegible] 8/4، 3 [illegible] 8/4

اپنی وفات سے پہلے اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ ؓ کو بھیجا اور فرمایا: سیدہ عائشہ ؓا کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور پوچھنا کہ کیا آپ اجازت دیں گی کہ عمر ؓ اپنے دونوں رفیقوں کے پہلو میں دفن ہوں۔

سیدہ نے جواب دیا: ہرچند وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی، تاہم میں سیدنا عمر ؓ کے لیے ایثار کرتی ہوں۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق ؓ کو بھی شہادت کے بعد حجرۂ عائشہ ؓا میں دفن کیا گیا۔[1]

عہدِ عثمانی

اس کے بعد سیدنا عثمان ؓ خلیفہ بنے۔ انھوں نے 12 سال تک نظمِ خلافت چلایا۔ سیدنا عثمان ؓ کی شہادت کے وقت سیدہ عائشہ ؓا مکہ میں مقیم تھیں۔ جب سیدنا عثمان ؓ شہید کر دیے گئے تو سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر ؓ مدینہ سے مکہ پہنچے اور سیدہ عائشہ ؓا کو تمام واقعات سے آگاہ فرمایا۔ اس المناک شہادت کے بعد لوگ دور و نزدیک سے ان کی خدمت میں آنے لگے اور ان سے خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان ؓ کے خونِ ناحق کے قصاص اور اصلاحِ احوال کی گزارش کرنے لگے۔ ام المومنین ؓا حالات کو بغور دیکھ رہی تھیں، اس لیے انھوں نے اصلاح بین المسلمین کا بیڑا اٹھایا۔ یہ حج کا موسم تھا۔ حرمین شریفین ہی کے چھ ہزار افراد نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور عرب کے نامور رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے۔ عبداللہ بن عامر نے اعلان کیا کہ جو شخص شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری نہ ہو تو اسے میں سواری مہیا کروں گا۔ سیدہ عائشہ ؓا کی رائے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کی تھی لیکن باہمی مشاورت سے بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی۔ 36ھ میں سیدہ عائشہ ؓا مکہ سے روانہ ہوئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان زار و قطار روئے۔ اسی کی وجہ سے اس دن کا نام ہی ”یومِ نحیب“ ”گریہ و زاری والا دن“ پڑ گیا۔[2]

بصرہ میں سیدنا علی ؓ کے ساتھیوں سے جنگ پیش آئی جو جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہوئی۔ جمل اونٹ کو کہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ ؓا ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ یہ اونٹ اس معرکے میں بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس لیے یہ جنگ بھی اسی نسبت سے مشہور ہوئی۔ یہ جنگ محض اتفاقی تھی۔ سیدہ عائشہ ؓا کو اس کا ہمیشہ بڑا ملال رہا۔

اس جنگ سے رخصت ہوتے وقت انھوں نے لوگوں سے فرمایا:

میرے بچو! ہم ایک دوسرے پر ناراض ہوتے ہیں، کچھ دھیما کرنے کے لیے، کچھ اضافہ کرنے کے لیے، اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ میرے اور سیدنا علی ؓ کے درمیان بہت معمولی سا

[1] صحیح البخاری: 3700۔ [2] تاریخ الطبری: 478/3۔

اختلاف تھا، جیسے ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سانحہ جمل کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں سے ہیں۔[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب یہ آیت پڑھتی تھیں: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ "اور (نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔"[2] تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ انتہائی سکون سے امت کی دینی تعلیم و تربیت، اصلاح اور فلاح میں گزارا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات (باہمی اختلافات) سے مکمل کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ ان کا دامن شفقت سب کے لیے وسیع تھا۔ وہ سب کی اچھی باتوں اور فضیلتوں کی تعریف فرماتی تھیں۔

سانحۂ ارتحال

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے 17 رمضان 58ھ کو نماز وتر کے بعد 66 سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے عیسوی تاریخ اس طرح بیان کی ہے: "سیدہ نے 13 جون 678ء کو نماز وتر کے بعد رات کے وقت وفات پائی۔"[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وصیت تھی کہ نماز جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے، اس لیے رات کے وقت ہی نماز جنازہ ادا کی گئی۔[5] اس وقت مدینہ کے گورنر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق انھیں رات کے وقت ہی بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔[6] دفن کرتے وقت قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، بھتیجوں اور

[1] تاریخ الطبری 3/547. [2] الأحزاب 33:33. [3] الطبقات لابن سعد 8/81. [4] سیرت عائشہ، ص: 169. [5] الطبقات لابن سعد 8/80. [6] المستدرك للحاكم 6/4.

قبرستان البقیع (مدینہ منورہ)



بھانجوں نے قبر میں اتارا۔[1]

اولاد

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا۔ اسی کے نام پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ رکھی گئی لیکن یہ قطعی غلط ہے۔ ان کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر تھی۔ یہ کنیت رسول اللہ ﷺ نے خود تجویز فرمائی تھی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعزازات و امتیازات

ام المومنین عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما نے حفاظت قرآن، نشر احادیث اور تعلیم نساء کے بارے میں فوق العادت کام کیے اور پھر صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافتوں کو زیادہ بابرکت اور زیادہ پُر منفعت بنانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا اور یہ ایسے فوائد ہیں جن کے لیے نبی ﷺ کی عمدہ تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بعض ایسی خصوصیات اور امتیازات حاصل تھے جن سے دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن محروم تھیں۔ کبھی کبھار وہ ان اعزازات کو تحدیث نعمت کے طور پر بیان بھی فرماتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے ازواج النبی ﷺ پر دس معاملات میں فضیلت حاصل ہے:

1 رسول اللہ ﷺ نے میرے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں فرمایا۔

2 میرے علاوہ کسی زوجہ مطہرہ کے ماں باپ دونوں مہاجر نہ تھے۔

3 اللہ تعالیٰ نے خود میری براءت نازل فرمائی۔

4 جبرائیل علیہ السلام ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کا حکم ہے کہ ان سے نکاح کیجیے۔

5 میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک برتن سے پانی لے کر غسل کیا۔ یہ فضیلت بھی کسی دوسری بیوی کو حاصل نہ تھی۔[3]

6 میں سامنے لیٹی ہوتی تھی، آپ ﷺ نماز پڑھ لیتے تھے۔ ایسا کسی اور زوجہ محترمہ کے ساتھ نہیں ہوا۔

7 تنہا مجھ ہی پر اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا کرم تھا کہ جب آپ میرے لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپ ﷺ پر وحی نازل

1 الطبقات لابن سعد 8/77، اسد الغابة 5/344. 2 سنن أبي داود: 4970، المعجم الكبير للطبراني 16/323، 324، الطبقات لابن سعد 8/66. 3 بعض دیگر ازواج مطہرات بھی اس فضیلت میں ان کے ساتھ شامل رہی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث: 253، 322)

ہو جاتی۔ دوسری ازواج میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی۔

8 رحلت کے وقت نبی اکرم ﷺ کا سر مبارک میرے سینے سے لگا ہوا تھا۔

9 آپ کے رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کا دن میری ہی باری والا دن تھا۔

10 آپ میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔[1]

موسیٰ بن محمد بن عبداللہ اندلسی نے ان خصائص کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے:

[illegible]

”مجھے محمد ﷺ کی (دیگر) بیویوں پر چند اعلیٰ صفات میں خصوصیت عطا کی گئی ہے جن کے بہت سے (پوشیدہ) معانی ہیں۔“

[illegible]

”میں باقی سب خواتین سے ان کے باعث تمام فضائل میں سبقت لے گئی۔ یہی سبقت میری سبقت ہے اور میری فوقیت ہی اصل فوقیت ہے۔“

[illegible]

”میرے شوہر گرامی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا (یعنی باکرہ رہی)۔ اللہ تعالیٰ نے میری ان سے شادی کرائی اور یوں رسول اللہ ﷺ جیسی نادر ہستی کو مجھے بطور تحفہ مرحمت فرمایا۔“

[illegible]

”جبرئیل امین آپ ﷺ کی خدمت میں میری تصویر لائے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو پسند فرمالیا۔“

[illegible]

”اور میں احمد کریم ﷺ کے خلوت وجلوت کے ساتھی اور محبوب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں۔“[2]

اے اللہ عزوجل! ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ہمیشہ رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔ آمین

1 المصنف لابن أبي شيبة 7/528، طبقات لابن سعد 8/63 2 العصيدة المعسلة ... لموسى بن محمد الأندلسي

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد بعثت کے دسویں سال ہی رسول اللہ ﷺ کی ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی۔

نام و نسب

آپ رضی اللہ عنہا کا نام سودہ اور کنیت ام الاسود تھی۔ آپ قریش کے ذیلی قبیلے عامر بن لوئی سے تعلق رکھتی تھیں۔

والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

سیدہ سودہ کی والدہ کا نام "شموس" تھا جو مدینہ منورہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

شموس بنت قیس بن عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔[1]

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی والدہ جناب عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کی بھتیجی تھیں۔ گویا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ننھیال وہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/453، 455 میں گزر چکی ہے۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا زہد و تقویٰ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاخِهَا مِنْ سَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ مِنِ امْرَأَةٍ فِيهَا حِدَّةٌ

"میں نے سودہ بنت زمعہ سے بڑھ کر ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جس کے بارے میں مجھے یہ پسند ہو کہ میں اس کے قالب میں ہوں، ہاں! اتنی بات ضرور تھی کہ ان کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔"[2]

1 طبقات ابن سعد 52/8 2 صحیح مسلم 1463

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كانت ذات عبادة وورع وزهادة.

”وہ (سودہ رضی اللہ عنہا) زہد و تقویٰ والی عبادت گزار خاتون تھیں۔“[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر ہی میں بیٹھنا۔ قرآن مجید میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہی حکم دیا گیا ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ ”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔“[2]

اس بات پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس قدر سختی سے عمل کیا کہ (نفلی) حج کرنے بھی نہیں جاتی تھیں۔ پوچھنے پر فرمایا کرتی تھیں: ”میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں، اب میں اپنے گھر ہی میں بیٹھوں گی جس طرح مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔“[3]

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی کیا۔ وہ مستقل مدینہ ہی میں رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد ان دونوں امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے سفر کرنا ترک کر دیا تھا۔[4]

یہ پورے عزم صادق سے اللہ کے حکم پر عمل کرنے کا ایک مظاہرہ تھا۔ باقی سب امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی اس حکم پر عمل پیرا رہیں۔ وہ صرف حج و عمرے کا سفر کرتی تھیں۔

خوش طبعی

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نہایت باوقار اور انتہائی خوش مزاج خاتون تھیں۔ ان کی طبیعت میں خوش طبعی کا پہلو غالب تھا۔ کوئی نہ کوئی اچھی سی بات کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں، اے اللہ کے رسول! میں نے گزشتہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔ آپ نے مجھے اتنا لمبا رکوع کرایا کہ میں نے اس خوف کے مارے اپنی ناک پکڑ لی مبادا نکسیر پھوٹ پڑے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ ہنس پڑے۔[5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک روز میں، سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ میں نے کھانے کے لیے حریرہ تیار کر رکھا تھا۔ میں نے سودہ سے کہا: تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے ازراہ مذاق کہا: کھاؤ گی یا تمھارے منہ پر مل دوں؟ وہ خاموش بیٹھی رہیں۔ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔ میں نے پیالے سے تھوڑا سا حریرہ لیا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر

[1] البداية والنهاية: 73/8. [2] الأحزاب 33:33. [3] الطبقات لابن سعد: 55/8. [4] مسند أحمد: 324/6. [5] الإصابة: 197,196/8

مل دی۔ رسول اللہ ﷺ دیکھ کر مسکرائے اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''تم بھی ان کے چہرے پر حریرہ مل کر بدلہ لے لو۔'' انھوں نے آپ ﷺ کا حکم مانا اور میرے چہرے پر حریرہ مل دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''یہ ہوا نا بدلہ۔''[1]

یہ ایک لطیف مزاح ہے جو سیدہ عائشہ کا سیدہ سودہ سے محبت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس طرح کا ہلکا پھلکا مذاق آپ کے گھرانے میں ہوتا رہتا تھا جو کہ ایک خوشگوار گھریلو ماحول کی علامت ہے۔

اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کر دیا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو خطرہ محسوس ہوا مبادا نبی کریم ﷺ مجھے طلاق دے کر فارغ کر دیں۔ انھوں نے ایک دن عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے طلاق نہ دیجیے۔ اپنی ہی خدمت میں رہنے دیجیے۔ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے روز مجھے ازواج مطہرات کے زمرے میں اٹھایا جائے۔ میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کرتی ہوں۔ اس موقع پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے: نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے مابین قرعہ اندازی فرماتے۔ جس کے نام کا قرعہ نکل آتا، اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ہر بیوی کے لیے ایک دن اور ایک باری مقرر کر رکھی تھی، البتہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔[3]

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا انتہائی کریم الطبع اور نہایت سخی خاتون تھیں۔ درہم و دینار ان کے پاس ٹھہرتے ہی نہ تھے۔ جیسے ہی درہم و دینار انھیں ملتے، فوراً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

1 السنن الكبرى للنسائي 8/162، حديث 8868 2 الإصابة 8/196، جامع الترمذي: 3040. 3 صحيح البخاري 2593

نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں درہموں کی ایک تھیلی بھیجی تو انھوں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ یہ درہم ہیں۔ انھوں نے کہا: دیکھنے میں یوں لگتا ہے کہ تھیلی میں کوئی کھجوروں جیسی چیز ہے۔ پھر انھوں نے وہ سب درہم اسی وقت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیے۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا طائف سے آئی ہوئی کھالیں خود ٹھیک کرتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اسے نہایت فراخ دلی سے بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دیتی تھیں۔[2]

سانحۂ ارتحال

ایک مرتبہ سبھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں۔ انھوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آخرت میں ہم میں سے سب سے پہلے کون سی زوجہ آپ سے ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہو۔'' انھوں نے اس ارشاد گرامی سے یہ سمجھا کہ ہاتھ کی ظاہری لمبائی مراد ہے، چنانچہ ازواج مطہرات نے اپنے اپنے ہاتھ ناپے تو سب سے زیادہ دراز ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکلا۔[3]

جب ازواج مطہرات میں سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت امہات المومنین کو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد ان کی سخاوت اور فیاضی تھی۔

واقدی رحمہ اللہ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا سال وفات 54 ھ بتایا ہے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں شوال 54 ھ میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئیں۔[4]

لیکن صحیح روایت کے مطابق ٹھیک بات یہ ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے آخر میں فوت ہوئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت 23 ھ میں ہوئی تھی۔[5]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''تاریخ'' میں صحیح سند سے روایت کی ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ہوئی۔[6] امام ذہبی، ابن سید الناس، جزری اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ نے بھی اس روایت کو راجح قرار دیا ہے۔[7]

1 الطبقات لابن سعد 56/8۔ 2 الإصابة 107/8۔ 3 الطبقات لابن سعد 54/8، 55، وصحيح البخاري: 1420، وصحيح مسلم: 2452۔ 4 الطبقات لابن سعد 55/8۔ 5 سبل الهدى والرشاد 205/11۔ 6 التاريخ الصغير للبخاري 74/1۔ 7 الاستيعاب، ص: 897، وأسد الغابة 309/5، وتاريخ الإسلام للذهبي 289/3، وفتح الباري 362/3۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

آپ کا نام حفصہ اور والد کا نام عمر بن خطاب تھا۔ والد محترم کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی بن فہر بن مالک۔ اسی طرح والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: حفصہ بنت زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنو عدی کے پاس سفارت کا منصب تھا۔ قریش کو کسی قبیلے سے کوئی سیاسی معاملہ کرنا ہوتا تو بنو عدی کے لوگ ہی سفیر بن کر اس قبیلے کے پاس جاتے تھے۔ مناظروں اور مباحثوں کا فیصلہ کرنا بھی اسی قبیلے کے سپرد تھا۔

ولادت باسعادت

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔[1] اس حساب سے آپ رضی اللہ عنہا عمر میں رسول اللہ ﷺ سے پینتیس سال چھوٹی تھیں۔

گہوارۂ علم میں پرورش

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی نشوونما علم و معرفت کی محبت پر ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا ادب کے چشموں سے بھی خوب سیراب ہوئیں حتی کہ قریشی خواتین میں فصیح اللسان شمار ہونے لگیں۔ لکھنے پڑھنے کی تربیت شفاء بنت عبداللہ عدویہ سے حاصل کی۔[2]

قبول اسلام

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عہد نبوت کے ابتدائی حصے میں اپنے والد گرامی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول

1 الطبقات لابن سعد: 81/8 2 الطبقات لابن سعد: 84/8

گیا۔ اس وقت ان کی عمر دس برس تھی۔ [1]

پہلا نکاح

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا خنیس بن حذافہ بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ سابقون اولون میں سے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے دارارقم منتقل ہونے سے پہلے ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہو چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں: سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ کی شادی ہجرت حبشہ سے پہلے ہوئی تھی لیکن اکثر مورخین کے نزدیک ان کی شادی ہجرت حبشہ سے واپسی پر نبوت کے ساتویں یا آٹھویں سال ہوئی۔ اس وقت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر بارہ یا تیرہ سال تھی۔

ہجرت

قریش مکہ کو جب بنو سہم کے اس جواں سال خنیس رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو بڑے سیخ پا ہوئے۔ ان پر بڑا ظلم و ستم ڈھایا گیا۔ وہ شدید مصائب و مشکلات سے دوچار ہوئے۔ دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں شریک تھے جنہے رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ حبشہ میں ان کا دل نہ لگا۔ ہر وقت بیت اللہ کی زیارت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں طوفان برپا رکھتی، مکے کی گلیاں یاد آتیں۔ آخر کار حبشہ کو خیر باد کہہ کر مکہ واپس آ گئے اور سارے ظلم و ستم خندہ پیشانی سے برداشت کیے۔ کچھ عرصے کے بعد دربار رسالت سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم مل گیا۔ اس وقت ان کی ہمدرد اور غمگسار بیوی سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔

دونوں میاں بیوی نے مل کر اللہ کی راہ میں ہجرت کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں رفاعہ بن عبدالمنذر نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے اپنے گھر ٹھہرایا۔ مدینہ پہنچ کر جب رسول اقدس ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں باہمی بھائی چارے کا نظام قائم فرمایا تو سیدنا خنیس بن حذافہ اور ابوعبس بن جبر انصاری کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم ہوا۔ [2] اس طرح سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ کو دو ہجرتوں کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف۔ [3]

سیدہ حفصہ اور سیدنا خنیس رضی اللہ عنہما دونوں میاں بیوی راضی خوشی مدینہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں جبرائیل علیہ السلام جو قرآنی آیات لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا انہیں زبانی یاد کر لیتی

1 الطبقات لابن سعد: 81/8. 2 الطبقات لابن سعد: 392/3، 393. 3 اسد الغابہ 150/2

تھیں۔ وہ ان آیات کے معانی و مقاصد پر خوب غور و فکر کرتیں جبکہ سیدنا خنیس ؓ کا شوق میدانِ جہاد میں باطل کے خلاف برسرِ پیکار رہنا تھا۔ وہ مشرکین کی حرکات پر کڑی نگاہ رکھتے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

غزوۂ بدر اور سیدنا خنیس ؓ کی شہادت

17 رمضان المبارک 2 ھ میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان غزوۂ بدر کا معرکہ ہوا۔ اس میں سیدہ حفصہ ؓ کے خاوند سیدنا خنیس بن حذافہ سہمی ؓ بھی شریک تھے۔ مبارزت کے بعد جب میدان کارزار گرم ہوا تو سیدنا خنیس ؓ دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ لڑائی میں ان کے جسم پر بڑے گہرے زخم آئے۔ لڑائی ختم ہوئی۔ لشکرِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے سردارانِ قریش واصلِ جہنم ہوئے اور ان کے لاشے قلیبِ بدر میں پھینک دیے گئے۔

رسولِ اکرم ﷺ اپنے جاں نثار صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ تین دن تک میدانِ بدر میں قیام فرما رہے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ سیدنا خنیس ؓ کو گہرے زخم لگے تھے۔ تین دن کے بعد مجاہدین کا قافلہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں فتح و نصرت کا جھنڈا لہراتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ زخمی بھی ساتھ تھے۔ سیدہ حفصہ ؓ نے اپنے خاوند کو زخمی حالت میں دیکھا تو ان کی بہادری اور جوانمردی کی دل کھول کر تعریف کی اور نہایت توجہ سے ان کے زخموں کا علاج کرنے میں مصروف ہو گئیں لیکن زخم مندمل نہ ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ انھیں شہادت کا رتبہ حاصل ہو۔ وہ مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سیدہ حفصہ ؓ کے ماموں سیدنا عثمان بن مظعون ؓ کے پہلو میں بقیع الغرقد میں دفن کرایا۔[1]

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 393/3 ; 217/8.

مقامِ بدر جہاں کنواں (قلیب) تھا



ابن حجر اور ابن الاثیر رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ ان کی شہادت غزوۂ احد میں لگنے والے زخموں سے ہوئی تھی۔[1]
سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بڑا صدمہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور ہمہ تن اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئیں۔ قرآن کریم کی تلاوت اور کثرت صیام کو اپنا معمول بنا لیا۔

کاشانۂ نبوت میں آمد



عدت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی۔ اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر چکی تھیں، اس لیے وہ سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے نکاح کے بارے میں گفتگو کی مگر وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے شدید صدمے سے دو چار تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حبالۂ عقد میں لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ بالکل خاموش رہے، ہاں یا نہ، کوئی جواب ہی نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے توجہی پر شدید کوفت ہوئی۔ انھیں ہرگز توقع نہ تھی کہ ان کی اس پیشکش کو یوں سرد مہری سے نظر انداز کر دیا جائے گا، اس لیے یہ شکایت لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ساری صورت حال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری داستان سننے کے بعد مسکراتے ہوئے فرمایا: ''عمر! گھبراؤ نہیں، غم نہ کرو۔ حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ شادی کرے گا جو ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی اس سے ہو گی جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے جذبات کے زیر اثر وہ سوچنے لگے کہ یہ کیسے ہو گا؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے

1 الإصابة 291/2، أسد الغابة 188/7

شعبان 3 ھ میں خود شادی کر لی اور عثمان ؓ سے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم ؓ کا نکاح کر دیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیدہ حفصہ بنت عمر ؓ سے شادی کا مکمل واقعہ سیرت انسائیکلوپیڈیا: 123,122/6 پر ملاحظہ کریں۔

ازواج مطہرات ؓ کی باہمی رقابت

کبھی کبھی سیدہ عائشہ ؓ اور سیدہ حفصہ ؓ کے مابین رقابت بھی ابھر آتی تھی۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ اور حفصہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ رات کو رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ ؓ کے اونٹ کے ساتھ چلتے اور ان سے محو گفتگو رہتے۔ ایک مرتبہ سیدہ حفصہ ؓ نے سیدہ عائشہ ؓ سے کہا: آیئے! آج ہم اپنی سواریاں بدل لیں۔ آپ میرے اونٹ پر اور میں آپ کے اونٹ پر سوار ہو جاؤں۔ سیدہ عائشہ ؓ نے یہ بات بخوشی قبول کر لی۔ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ کے اونٹ کے پاس آئے اور سلام کہا۔ معلوم ہوا کہ اس پر سیدہ حفصہ ؓ سوار ہیں تو آپ نے انھیں سلام کہا اور ان کے ساتھ ہی چل پڑے۔ جب منزل پر پہنچے تو سیدہ عائشہ ؓ نے اپنے مقدس محبوب ﷺ کی جدائی کے صدمے کی وجہ سے اپنا پاؤں گھاس میں رکھ دیا اور کہا: اے اللہ! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر دے جو مجھے ڈس لے۔ میرے گرامی محبوب تشریف فرما ہیں لیکن میں ان سے باتیں نہیں کر سکتی۔[1]

سیدہ حفصہ ؓ پیکر شرم و حیا تھیں



مسجد سیدہ حفصہ ؓ، اجدابیا (لیبیا)

سیدہ حفصہ ؓ بہت حیا دار اور شرمیلی خاتون تھیں۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر ؓ نے ان سے کہا کہ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے میں بڑا پریشان ہوں، آپ مجھے اس پریشانی سے نجات دلا دیجیے۔ اس کے بعد سیدنا عمر ؓ نے پوچھا کہ عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے؟ سیدہ حفصہ ؓ نے سر جھکا لیا اور شرما گئیں۔ سیدنا عمر ؓ نے فرمایا:

1 صحیح البخاری، حدیث: 5211

بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔[1]

بعض اہل سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کے کتابت شدہ تمام اجزاء جمع کر کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیے تھے۔ یہ اجزاء زندگی بھر ان کے پاس رہے۔

سانحۂ ارتحال

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان المعظم 45ھ میں 60 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت مدینہ کا گورنر مروان تھا۔ اس نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ فاصلے تک جنازے کو کندھا دیا۔ اس کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بقیع الغرقد تک لے گئے۔ ان کے علاوہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی کندھا دیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کے دونوں بھائی سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے جسد مبارک کو لحد میں اتارا۔ اس موقع پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم، عبداللہ اور حمزہ بھی موجود تھے۔[2]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے جمادی الاولیٰ 41ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 27ھ میں وفات پائی لیکن یہ غلط ہے۔ اس روایت کا دارومدار ابن وہب کی اس روایت پر ہے جو انھوں نے مالک سے روایت کی ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فتح افریقہ والے سال وفات پائی، حالانکہ اس سے مراد دوسری مرتبہ کی فتح ہے جو معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت 45ھ میں ہوئی جبکہ پہلی مرتبہ افریقہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت 27ھ میں فتح ہوا تھا۔[3]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ "غابہ" والی جائیداد جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے، اسے صدقہ کر کے وقف کر دیا جائے۔[4]

1 [illegible] 250/5. 2 الطبقات لابن سعد 86/8. 3 الإصابة 87/8. 4 الإصابة 86/8، الاستیعاب 270/5.

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ ؓ

نام ونسب

آپ کا نام زینب اور کنیت ام المساکین تھی۔ والد کا نام خزیمہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ الہلالیہ۔

سیدہ زینب فقراء و مساکین کو کھانا کھلایا کرتی تھیں اور کثرت سے صدقہ کیا کرتی تھیں، اس لیے "ام المساکین" کی کنیت سے مشہور ہوگئیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں بھی اسی لقب سے مشہور تھیں۔

سیدہ زینب ام المومنین سیدہ میمونہ ؓ کی اخیافی بہن تھیں جو 7ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

پیدائش

سیدہ زینب ؓ بعثت نبوی سے تیرہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا اور اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن جحش ؓ سے نکاح ہوا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کی شادی سیدنا عبیدہ ؓ سے بھی ہوئی تھی اور سیدہ زینب ؓ نے ان کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے۔

حریم نبوی میں آمد

جب سیدہ زینب بنت خزیمہ ؓ کی عدت گزر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں شادی کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے اپنے معاملے کا اختیار رسول اللہ ﷺ ہی کو دے دیا، چنانچہ اسی سال 3ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے بارہ اوقیہ مہر کے عوض شادی کر لی جو پانچ سو درہم کے برابر تھا۔ بعض نے حق مہر چار سو درہم بھی بتایا ہے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے اکتیس ماہ بعد غزوۂ احد سے ایک مہینہ پہلے 3ھ میں ان سے نکاح فرمایا تھا۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن جحش ؓ کی شہادت کے بعد آپ ﷺ نے ان سے



ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی کنیت ہی سے معروف ہیں۔ ان کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ''رملہ'' تھا۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کا نام ''ہند'' اور کنیت ام سلمہ تھی۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ ام سلمہ کی والدہ ماجدہ کا نام عاتکہ تھا اور وہ قبیلہ بنو فراس سے تھیں۔[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ہوا۔

ہجرت حبشہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آغاز نبوت ہی میں مسلمان ہو گئیں۔ قبول اسلام کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خاندان ان سے شدید ناراض ہوا۔ ولید بن مغیرہ اور دیگر دشمنان اسلام نے ان پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ ہجرت کرنے والے پہلے سولہ افراد میں یہ میاں بیوی بھی شامل ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مکہ واپس آئے تو ابوطالب نے جو سیدنا ابوسلمہ کے ماموں تھے، انھیں پناہ دی۔ اس کے بعد میاں بیوی نے دوبارہ حبشہ ہجرت کی۔

ہجرت مدینہ

حبشہ کی جانب دو دفعہ ہجرت کرنے کے بعد اس گھرانے نے مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ اہل سیر کہتے ہیں

1 الطبقات لابن سعد 86/8، الإصابة 404/8، الاستيعاب، ص: 931.

کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق سیدنا عامر بن ربیعہ کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ اپنے خاوند کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔[1]

اسی طرح ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوسلمہ مدینہ ہجرت کرنے والے پہلے مہاجر تھے جبکہ دوسری روایت کے مطابق سیدنا مصعب بن عمیر مدینہ میں سب سے پہلے داخل ہوئے۔ اس کی تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا: 232/4 میں گزر چکی ہے۔

ازواج النبی ﷺ کا باہمی رشک

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ازواج النبی ﷺ میں باہمی مفاہمت اور مزاج کی ہم آہنگی کی مناسبت سے دو گروپ نظر آتے تھے۔ ایک گروپ میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں اور دوسرے میں سیدہ ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے، اس لیے لوگ ان کی باری کے موقع پر ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ والی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہا: اے ام سلمہ! آپ نبی اکرم ﷺ سے کہیں کہ آپ جس اہلیہ کے ہاں تشریف فرما ہوں، لوگوں کو وہیں ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ یہ شکایت پیش کی۔ آپ نے دونوں مرتبہ سکوت فرمایا اور تیسری مرتبہ فرمایا:

[illegible]

"اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ ان کے سوا تم میں سے کوئی بیوی ایسی نہیں جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آتی ہو۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔[2]

نبی اکرم ﷺ کی خدمت کا جذبہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے آرام و راحت کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے مشہور غلام تھے، وہ دراصل سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کے غلام تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب انھیں آزاد کرنے کا ارادہ

1 شرح الزرقاني على المواهب: 396/4 2 صحيح البخاري: 2581 و 3775

فرمایا تو یہ شرط عائد کی کہ جب تک تو زندہ ہے، تجھے نبی پاک ﷺ کی خدمت کرنی ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ شرط نہ بھی لگاتیں تب بھی میں زندگی بھر آپ ﷺ کی خدمت کرنا اپنے لیے سب سے بڑا شرف سمجھتا۔[1]

آیت تطہیر کا مقام نزول

سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر آیت تطہیر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نازل ہوئی۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾



''اے (پیغمبر کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کردے اور تمھیں بالکل پاک صاف کردے۔''[2]

اس کے بعد آپ ﷺ نے فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی چادر کے سائے میں بٹھایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ ان پر بھی چادر ڈال دی اور دعا فرمائی:

«اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا»

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کردے اور انھیں خوب پاک کردے۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْتِ عَلٰى مَكَانِكِ وَأَنْتِ عَلٰى خَيْرٍ» ''تم اپنے مقام پر رہو، تم خیر پر ہو۔''[3]

یاد رہے! اصل میں درج بالا آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور انھیں تطہیر کی خوشخبری دی گئی ہے۔[4]

کچھ لوگوں نے اس آیت سے عمداً یہ غلط فہمی پھیلائی کہ بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں ہیں، حالانکہ یہ آیت مبارکہ نازل ہی بیویوں کے بارے میں ہوئی ہے۔ یہ بات اس آیت کے سیاق و سباق سے صاف واضح ہو رہی ہے، چنانچہ مفسر قرآن مولانا عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: قرآن مجید میں اہل بیت کا لفظ صرف بیوی ہی کے لیے استعمال

[1] سنن أبي داود: 3932. [2] الأحزاب 33:33. [3] جامع الترمذي: 3205. [4] تفسير القرطبي، الأحزاب 33:33.

ہوا ہے۔[1]

امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

’’تو اور تیری بیٹی اہل بیت میں سے ہے۔‘‘[2]

مثالی عادات واخلاق

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہر مہینے تین روزے رکھنے کا حکم دیا تھا، یعنی سوموار، جمعرات اور جمعہ کے دن۔[3]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ ثواب کی متلاشی رہتی تھیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسلمہ سے میرے جو بچے ہیں، میں ان پر خرچ کرتی ہوں، ان کی اچھے طریقے سے پرورش کرتی ہوں، میں انھیں چھوڑ بھی نہیں سکتی، آخر وہ میرے بچے ہیں۔ کیا ان کی پرورش پر مجھے اجر ملے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’ہاں! جو کچھ تم ان پر خرچ کرو گی، تمھیں اس کا اجر ملے گا۔‘‘[4]

ایک مرتبہ چند فقرا، جن میں کچھ عورتیں بھی تھیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور نہایت عاجزی سے سوال کیا۔ اس موقع پر ایک خاتون ام حسین بھی وہاں موجود تھیں، انھوں نے فقرا کو ڈانٹ دیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے ان سے روگردانی کا حکم نہیں ہے، پھر خادمہ سے فرمایا: انھیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ اگر اور کچھ نہیں ہے تو ایک ایک چھوارا ہی دے دو۔[5]

غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر، سمجھدار اور صاحب بصیرت خاتون تھیں۔ چند ایک غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئیں۔ ان میں غزوۂ مریسیع، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، طائف اور حنین وغیرہ شامل ہیں۔

ہرچند غزوۂ خندق میں خود شریک نہ تھیں تاہم رسول اللہ ﷺ سے اس قدر قریب تھیں کہ آپ ﷺ کی ساری

1 اشرف الحواشی، ہود 73:11. 2 المعجم الکبیر للطبرانی 282/24، حدیث 713. 3 مسند احمد 289/6، یہ روایت ضعیف ہے۔ 4 صحیح البخاری 5369. 5 الاستیعاب، ص 931.

گفتگو اچھی طرح سن لیتی تھیں۔ فرماتی ہیں: مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ! إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةْ   فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

''اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما۔''[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانشمندی

6 ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک سفر تھیں۔ جب صلح طے پائی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جو جانور اپنے ساتھ لائے ہو، انھیں یہیں ذبح کر دو اور سر منڈا کر احرام کھول دو۔ بیشتر صحابہ صلح میں مضمر فتح کے اشاروں سے بے خبری کی بنا پر سب دل برداشتہ تھے، اس لیے حکم کی تعمیل کے لیے فوری طور پر کوئی نہ اٹھا۔ آپ ﷺ یہ صورت حال دیکھ کر پریشانی کی حالت میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے اس معاملے میں مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے عرض کیا: آپ کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ باہر تشریف لے جائیں، خود جانور ذبح کریں اور سر منڈا لیں، پھر دیکھیں اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ قربانی کا جانور ذبح کیا اور حجامت بنوائی۔ یہ دیکھ کر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جلدی جلدی قربانیاں کرنے اور اپنے سر منڈانے لگے۔[2]

7 ھ میں مرحب کے دانتوں پر تلوار پڑی تو انھوں نے تلوار کی ضرب سے پیدا ہونے والی کرکراہٹ کی آواز سنی تھی۔[3]

[1] مسند أحمد 289/6. [2] صحیح البخاري: 2732,2731. [3] الاستیعاب، ص 931

حدیبیہ کا جدید منظر



سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت حیادار اور غیور خاتون تھیں۔ جب 9 ھ میں واقعۂ ایلاء پیش آیا تو اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی اور اس کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھی گئے اور ان سے گفتگو کی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! دَخَلْتَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَبْتَغِيَ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ

''عمر! عجیب بات ہے، تم ہر معاملے میں دخل دینے لگے ہو یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔''[1]

10 ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب فجر کی نماز کی اقامت ہو جائے تو تم اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کر لینا۔'' چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔[2] یوں آپ رضی اللہ عنہا کے ذریعے سے امت کے بیمار اور کمزور افراد کو یہ سہولت تا قیامت نصیب ہوئی۔

نبہان ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان سے مروی ہے کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خچر لے کر چل رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: نبہان! تیری کتنی مکاتبت باقی ہے؟ میں نے کہا: 1000 درہم۔ انھوں نے کہا: کیا تمھارے پاس اس قدر مال ہے جسے تم ادا کر سکو؟ میں نے کہا: ہاں! انھوں نے کہا: اسے میرے فلاں فلاں بھائی یا فلاں فلاں بھتیجے کو دے دو، پھر انھوں نے مجھ سے پردہ کر لیا اور کہا: نبہان! تم پر سلامتی ہو۔ یہ آخری لمحہ ہے جس میں تم نے مجھے دیکھا۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی ایک کا غلام مکاتب ہو جائے اور اس کے پاس اس قدر مال ہو جسے وہ ادا کر سکتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس سے پردہ کرے۔''[3]

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں سن وفات 58 ھ بیان کیا ہے۔[4] ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان کا انتقال 61 ھ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچنے کے بعد ہوا۔ ابو نعیم کہتے ہیں: 62 ھ میں انتقال ہوا۔[5]

1 صحيح البخاري: 4913. 2 صحيح البخاري: 1626 و 1633. 3 مسند الحميدي: 307. 4 شرح الزرقاني على المواهب: 402/4. 5 الإصابة: 407/8

مولانا اسحاق بھٹی ؒ لکھتے ہیں صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ 63ھ میں حرہ کا واقعہ پیش آیا۔ اسی سال سیدہ ام سلمہ ؓ نے 84 سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ ؓ نے لمبی عمر پائی اور ازواج مطہرات ؓ میں سے سب سے آخر میں وفات پائی۔ جب انھوں نے وفات پائی اس وقت یزید بن معاویہ کا دور حکومت تھا۔[2]

اس زمانے میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینے کا گورنر تھا اور روایت یہ تھی کہ اس زمانے میں گورنر ہی جنازہ پڑھایا کرتا تھا لیکن سیدہ ام سلمہ ؓ نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابو ہریرہ ؓ پڑھائیں۔ ولید نے بھی اس وصیت کا احترام کیا۔ وہ سیدہ ام سلمہ ؓ کی وفات کی اطلاع سنتے ہی خود جنگل کی طرف چلا گیا اور نماز جنازہ کے لیے سیدنا ابو ہریرہ ؓ کو بھیج دیا۔[3]

مرویات کی تعداد

امہات المومنین ؓ میں سیدہ عائشہ ؓ کے بعد سیدہ ام سلمہ ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان سے کثیر روایات مروی ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین نے انھیں کثرت سے روایت بیان کرنے والے صحابہ ؓ کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔[4]

آپ ؓ کو احادیث رسول ﷺ سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ زبان مبارک سے الفاظ نکلے تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے کھڑے پورا خطبہ سنا۔[5] ام المومنین سیدہ ام سلمہ ؓ مجتہد تھیں۔ علامہ ابن قیم ؒ نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔[6]

1 اسلام کی بیٹیاں، ص: 38۔ 2 الاصابہ [illegible]۔ 3 الطبقات لابن سعد 8/96، سیر صحابیات، ص: 39، اسلام کی بیٹیاں، ص: 59۔ 4 الطبقات لابن سعد 2/375۔ 5 صحیح مسلم 2295۔ 6 اعلام الموقعین 1/13۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

خاندانی وجاہت، شرافت اور نجابت سے آراستہ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

نام و نسب

آپ کا نام زینب اور کنیت ام الحکم تھی۔ سیدہ زینب کے والد ماجد کا نام جحش تھا۔ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ان کا تعلق تھا۔ والد کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

ان کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو سردار عبدالمطلب جد رسول ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔ اس رشتے کی وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد تھیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملنے کے فوراً بعد جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سیدہ زینب کے بھائی سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے اسلام لاتے ہی ان کا خاندان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ یوں سیدہ زینب قدیم الاسلام تھیں۔ کفار مکہ کی سختیوں کی وجہ سے نبی ﷺ نے اسی خاندان کو پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یوں بنو جحش کا پورا عالی شان گھرانہ مہاجر بن گیا۔ ام المومنین زینب بنت جحش، عائشہ صدیقہ اور حفصہ رضی اللہ عنہن کے نکاح خالص اسلامی اغراض اور مصالح دینی پر مبنی تھے۔ زینب بنت جحش کے نکاح نے تبنیت (متبنیٰ بنانے) کے بت کو توڑا اور تثلیث کے درخت کو کھوکھلا کر دیا اور یہ اتنی بڑی اصلاح ہے کہ شریعت و اہل کتاب کی درستی اس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

عرب معاشرے میں آزاد کردہ غلام کو کم تر سمجھا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کو آزاد کیا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تو ان کا پیغام نکاح سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 101/8.

اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس نکاح سے رسول اللہ ﷺ کی امت کی اصلاح منظور تھی تا کہ صدیوں سے ذات پات اور طبقاتی امتیازات کی زنجیروں میں جکڑے انسانوں کو اسلامی مساوات میں ڈھالا جائے اور تقویٰ کے سوا کوئی اور معیار باقی نہ رہے۔ یوں غلام کو آزادی کے بعد اسلام نے برابر حقوق دیے ہیں۔ یہ صرف اس وقت ہی ممکن تھا جب رسول اللہ ﷺ اس طبقاتی اونچ نیچ کو از خود ختم کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ گئیں لیکن ان کی ازدواجی زندگی پرسکون نہ گزری۔ آئے دن ان کے حالات تلخ سے تلخ تر ہوتے گئے۔ اور پھر اس کا انجام دونوں کی جدائی پر منتج ہوا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب کو طلاق دے دی۔

ایک جاہلانہ رسم کا خاتمہ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ انھیں زید بن محمد کے نام سے ہی پکارا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی والدین کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں، اور جس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کر لیں (تو وہ گناہ ہے)، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ عرب میں رواج تھا کہ لے پالک بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ منہ بولے باپ کا نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس رسم کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو مطلع فرما دیا کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ اس رسم بد کو آپ ﷺ کے قول اور فعل کے ذریعے سے توڑنا چاہتا تھا لیکن جاہلوں اور منافقین کے پروپیگنڈے کی وجہ سے آپ ﷺ یہ بات ظاہر نہ کرتے تھے۔

1 الأحزاب 5:33.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾

''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔''[1]

عرش بریں پر نکاح

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''تم زینب کے پاس جاؤ اور انھیں کہو کہ اللہ کے رسول (ﷺ) آپ کو یاد کر رہے ہیں۔''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے۔ اس وقت سیدہ زینب گندھے ہوئے آٹے میں خمیر ڈال رہی تھیں۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ میں نے نظر تک نہیں ڈالی کیونکہ یہ بات مجھے بہت بڑی محسوس ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ انھیں اللہ کے رسول ﷺ نے یاد فرمایا تھا۔ میں پیٹھ پھیر کر چل دیا اور چلتے چلتے کہا: زینب! تمھیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ وہ بولیں: مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتّٰى أُوَامِرَ رَبِّي ''جب تک میں اپنے رب سے استخارہ نہ کرلوں، اس وقت تک کچھ نہیں کروں گی۔''

پھر وہ جائے نماز پر کھڑی ہوگئیں۔ اس وقت جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: ﴿فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا﴾ ''جب زید نے اس سے اپنی غرض پوری کرلی (طلاق دے دی) تو ہم نے اسے آپ سے بیاہ دیا۔''[2]

چونکہ معاشرے کی طرف سے شدید خدشات اور آپ ﷺ کے دیگر تحفظات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکاح خود کر دیا تھا، اس لیے فوری طور پر اللہ کے حکم پر عمل کرنا ضروری تھا۔ بھلا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر فرمانبردار کون ہوسکتا ہے؟ اس لیے اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے آپ ﷺ فوری طور پر زینب رضی اللہ عنہا کی طرف روانہ ہوئے اور اجازت لیے بغیر ان کے پاس تشریف لے گئے۔[3]

یوں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین بن گئیں۔ اس شادی کی پوری تفصیلات سیرت انسائیکلو پیڈیا: 7/109-136 میں ملاحظہ کریں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

[1] الأحزاب 33:37. [2] الأحزاب 33:37. [3] صحیح مسلم: 1428.

[illegible]

[illegible]

[illegible]

''میں نے کبھی کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو دین میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہو، ان کی نسبت اللہ کا تقویٰ زیادہ رکھتی ہو، زیادہ راست گفتار ہو، ان سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والی ہو، زیادہ فیاض اور مخیر ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی غرض سے محنت کر کے کمانے کے لیے خود کو ان سے زیادہ مشقت میں ڈالتی ہو اور اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب چاہتی ہو۔ بس ان کے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔''[1]

عبادت و ریاضت

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مہاجرین میں مال تقسیم فرما رہے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی بات کی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سخت لہجے میں ٹوک دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عمر! انھیں رہنے دو۔ یہ بڑی اواہ ہیں۔'' ایک شخص نے عرض کیا: اواہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اواہ کا مطلب ہے: اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والی اور نرم دل۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ ''بے شک ابراہیم بڑے نرم دل، نہایت بردبار تھے۔''[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے ایک طرف چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ اکثر اوقات عبادت ہی میں مصروف رہتیں۔ گاہے بگاہے رسول اکرم ﷺ بھی اس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ایک معمول یہ تھا کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے استخارہ ضرور کرتی تھیں۔[3]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فیاضی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت فراخ دل اور فیاض طبع تھیں۔ اپنے ہاتھوں سے محنت کرتیں اور اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیتیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1 صحیح مسلم، 2442. 2 التوبۃ 9:114، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم 6/3224، حدیث 7424، مسند احمد [illegible] 2/64,65. 3 صحیح مسلم 1428

[illegible]

"تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حالانکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتی تھیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔"[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سرور دو عالم ﷺ کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنا ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس (عورت) کا ہاتھ لمبا ہے۔[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کھالیں رنگتی تھیں۔ اس کی جو اجرت ملتی تھی، وہ رقم صدقہ کر دیتی تھیں۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: وہ دستکاری کے ذریعے سے جو کچھ کماتی تھیں، وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتی تھیں۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد فرمایا:

[illegible]

"سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو وہ تعریف کے لائق اور عبادت گزار تھیں۔ وہ یتیموں اور بیواؤں کے لیے جائے پناہ تھیں۔"[4]

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سالانہ خرچ بھیجا۔ انھوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ یہ رقم میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دو۔ برزہ رضی اللہ عنہا نے (حکم کی تعمیل کی اور) کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انھوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ پڑا ہے، وہ تمھارا ہے۔ تو باقی پچاسی درہم نکلے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو مزید ایک ہزار درہم بھیج دیے۔ انھوں نے وہ بھی تقسیم کرا دیے۔ اور تقسیم کرنے کے بعد دعا فرمائی:

[illegible]

"اے اللہ! اس سال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔"

[1] صحیح البخاری، 1420، صحیح مسلم، 2452 واللفظ لہ۔ [2] صحیح البخاری، 1420۔ [3] الاصابۃ 154/8
[4] الاصابۃ، 155/8، طبقات ابن سعد 110/8

چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔[1]

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ زینب ؓ کا انتقال 20ھ بمطابق 641ء میں 53 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس وقت سیدنا عمر ؓ خلیفۂ وقت تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ ؓ پہلی زوجہ محترمہ تھیں جن کا انتقال ہوا۔[2]

جب انھوں نے موت کے آثار دیکھے تو لواحقین سے کہا: میرا آخری وقت آ چکا ہے، میں نے اپنا کفن خود تیار کر رکھا ہے۔ اگر سیدنا عمر ؓ میرے لیے کفن بھیجیں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو صدقہ کر دینا۔ ان کی یہ وصیت پوری کر دی گئی۔[3]

سیدنا عمر ؓ نے ان کی نماز جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ پڑھائی۔[4] اس دن بہت شدید گرمی تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی، وہاں سیدنا عمر ؓ نے خیمہ لگوا دیا تھا تا کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع الغرقد میں قبر پر لگایا گیا۔

نماز جنازہ کے بعد ازواج مطہرات ؓ سے دریافت کیا گیا کہ قبر میں کون داخل ہوگا؟ انھوں نے کہا: وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسامہ بن زید، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اور ان کے بھانجے محمد بن طلحہ بن عبیداللہ ؓ نے انھیں قبر میں اتارا۔

سیدہ زینب ؓ نے اپنے پیچھے کوئی درہم یا دینار نہیں چھوڑا۔ صرف ایک مکان تھا جسے وارثوں نے پچاس ہزار درہم میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس نے یہ مکان گرا کر بغرضِ توسیع مسجد نبوی کے صحن میں شامل کر دیا۔[5]

مرویات کی تعداد

سیدہ زینب بنت جحش ؓ سے گیارہ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے دو بخاری و مسلم میں ہیں۔[6] اکابر صحابۂ کرام ؓ نے آپ ؓ سے روایت کی ہے۔

1 الاصابۃ: 155/8، الطبقات لابن سعد: 109,109/8. 2 الطبقات لابن سعد: 110/8-115. 3 الطبقات لابن سعد: 109/8، الاصابۃ: 155/8. 4 الطبقات لابن سعد: 112/8، مسند البزار: 360/1، حدیث: 241. 5 الطبقات لابن سعد: 111/8-114. 6 سیر اعلام النبلاء: 218/2

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ''برہ'' تھا۔ والد کا نام حارث تھا۔ سیدہ جویریہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: برہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔ آپ کے والد حارث اپنے قبیلے بنو مصطلق کے سردار تھے۔[1]

برہ سے جویریہ

نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام تبدیل فرما کر ''جویریہ'' رکھ دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ نامناسب نام تبدیل کر کے صحیح نام تجویز فرما دیتے اور ساتھ ہی ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہذا اچھے نام رکھو۔[3]

برہ کا مطلب نیکی ہے۔ اس نام میں خود پسندی کا عنصر موجود ہے۔ مزید برآں نام بتاتے ہوئے اپنے منہ آپ میاں مٹھو، یعنی اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے، مثلاً کسی عورت سے پوچھا جائے کہ تمھارا نام کیا ہے؟ اور وہ کہے: ''برہ'' (نیکی) تو ظاہر ہے اس طرح اپنی تعریف لازم آتی ہے۔

اسی طرح کسی سے دریافت کیا جائے کہ تو کس کو چھوڑ کر آ رہا ہے؟ وہ کہے: برہ، یعنی نیکی کو پیچھے چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ اسی طرح کوئی سوال کرے: کیا یہاں برہ ہے؟ اگر وہ وہاں موجود نہ ہو تو جواب دیا جائے گا، یہاں برہ نہیں ہے، یعنی کوئی نیکی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ نام رکھنا ٹھیک نہیں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ان کے خاندان کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔[4] اس شادی کی تفصیل اور بعد کے حالات و واقعات، پھر نبی کریم ﷺ سے ان کی شادی کی تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا: 7/246-254

1 الطبقات لابن سعد: 8/116-119 2 مسند أحمد: 1/326، صحیح مسلم: 2140 3 سنن أبي داود: 4948، مسند أحمد: 5/194. 4 الطبقات لابن سعد: 8/116، الإصابة: 8/73.

میں مل گئی۔

ہو خزاعہ سے ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے تعلق کا شجرہ نسب سیرت انسائیکلو پیڈیا: 438/6 پر ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا انتہائی عبادت گزار تھیں۔ زیادہ تر عبادات اور ذکر الہٰی ہی میں مصروف رہتی تھیں۔ اکثر روزے سے رہتیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی غمگسار تھیں، ان کی ہمیشہ مدد فرماتی تھیں۔ انھوں نے اپنے گھر میں ایک جگہ عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔[1]

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں:

[illegible]

''رسول اللہ ﷺ صبح فجر کی نماز کے بعد میرے پاس سے نکلے۔ اس وقت میں اپنی نماز والی جگہ پر موجود تھی، پھر آپ ﷺ چاشت کے بعد واپس آئے تو میں اسی حالت میں بیٹھی ہوئی (ذکر کر رہی) تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ابھی تک ویسے ہی (بیٹھی) ہو جیسے میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''میں نے تمھارے (پاس سے جانے کے) بعد تین بار چار ایسے کلمے کہے ہیں کہ اگر انھیں تمھارے صبح سے اس وقت تک کے کہے ہوئے کلمات کے ساتھ تولا جائے تو وہ (چار کلمے) ان سے بھاری ہوں گے:

[illegible]

''پاکیزگی ہے اللہ کی، اس کی حمد کے ساتھ، اس کی مخلوق کی تعداد کے مطابق، عین اسی طرح جیسے اسے پسند ہو، اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کو لکھنے والی سیاہی کی مقدار کے مطابق۔''[2]

صحیح بخاری میں ان کی ایک حدیث اس طرح ہے: ام المؤمنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جمعے کے دن رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو وہ روزے سے تھیں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا

[1] الطبقات لابن سعد، 119/8. [2] صحیح مسلم، حدیث: 2726.

تم نے (گزشتہ) کل بھی روزہ رکھا تھا؟'' انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: ''کیا تم کل کا روزہ رکھو گی؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم روزہ افطار کر لو۔''[1]

صرف جمعے کے دن کا روزہ رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص محض جمعے کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ ایک دن پہلے یا بعد (بھی) رکھے۔''[2]

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو پوچھا: ''کیا کھانے کے لیے گھر میں کوئی چیز موجود ہے؟'' عرض کیا کہ میری خادمہ کو صدقے کا جو گوشت دیا گیا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے آؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اسے پہنچ چکا ہے۔''[3]

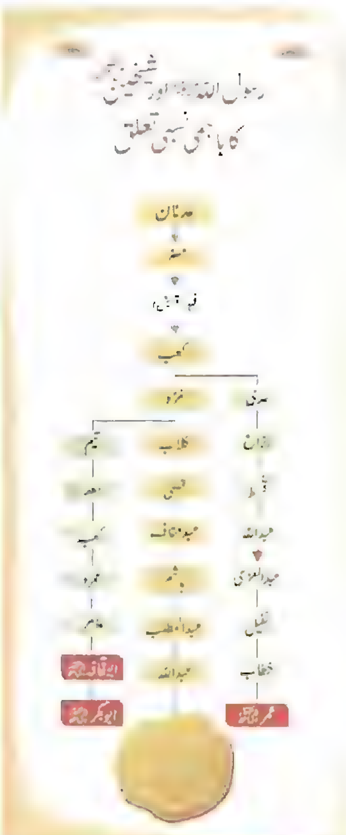
رسول اللہ ﷺ کا عطیہ

نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو 80 وسق کھجوریں اور 20 وسق جو عطا فرمائے تھے۔[4] یہی راشن آپ ﷺ نے باقی ہر زوجہ محترمہ کو بھی عطا فرمایا تھا۔

صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا عمل

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اخراجات کے لیے انھیں مناسب رقم فراہم کیا کرتے تھے۔ ان کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وظیفہ 12 ہزار درہم مقرر فرمایا لیکن ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث، سیدہ میمونہ بنت حارث اور سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہن کا وظیفہ چھ چھ ہزار درہم مقرر کیا تو ان عظمت مآب خواتین نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے وظیفہ دینے میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ہجرت فرمائی تھی۔ انھوں نے کہا:



1 صحیح البخاری 1986 2 صحیح البخاری 1985 3 صحیح مسلم 1073 4 الطبقات لابن سعد 8/119

جی نہیں! اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ آپ نے ازواج النبی ہونے کی حیثیت سے ان کے مقام و مرتبہ کو ہمارے مرتبے سے اونچا قرار دیا ہے۔

اس موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ انھوں نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ ہر چیز ہم میں برابر برابر تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ بات سن کر امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وظیفہ 12 ہزار درہم مقرر فرما دیا۔ مسند احمد میں 10 ہزار درہم کا ذکر ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح امن عامہ کا سبب بن گیا

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ مشہور رہزن اور ڈکیتی پیشہ شخص تھا۔ وہ مسلمانوں سے خاص طور پر بڑی عداوت رکھتا تھا۔ بنو مصطلق کا مشہور طاقتور اور جنگجو قبیلہ جو مختلف گھاٹیوں پر چھپا ہوا تھا، اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تزویج سے پیشتر ہر ایک جنگ میں جو مسلمانوں کے خلاف ہوئی، اس قبیلے نے التزاما شرکت کی۔ لیکن اس نکاح کے بعد یہ نابود ہو گئیں۔ تمام قبیلہ قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی بسر کرنے لگا اور پھر مسلمانوں کے خلاف کبھی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوا۔

وفات حسرت آیات

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بعمر 65 سال ربیع الاول 50 ھ میں امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔ مدینے کے گورنر مروان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔ بعض روایت میں ان کی عمر 70 سال بتائی گئی ہے اور سن وفات بھی 55 یا 56 ھ بیان کیا گیا ہے۔[2]

روایات کی تعداد

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً چوالیس سال زندہ رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے سات احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث صحیح بخاری میں اور دو احادیث صحیح مسلم میں ہیں۔ ان سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مثلا: سیدنا ابن عباس، سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور عبید بن سباق، طفیل، ابوایوب یحییٰ بن مالک ازدی، سیدہ کلثوم بنت مصطلق، کریب اور عبداللہ بن شداد رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔[3]

1 السنن الکبریٰ للبیہقی: 350/6، مسند احمد: 475/3۔ 2 الطبقات لابن سعد: 120/8۔ 3 اسد الغابة: 243/5، سیر اعلام النبلاء: 261/2 و 263

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش اسدی کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ وہاں جا کر خاوند عیسائی ہوگیا اور انھیں چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے خاوند کے عیسائی ہو جانے کے باوجود ان کے اسلام پر قائم رہنے کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دیں۔

آپ ﷺ کے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے مفصل حالات و واقعات اور سیدہ ام حبیبہ کا نسب نامہ اور فضائل و مناقب سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/224-233 میں ملاحظہ فرمائیں۔

ام حبیبہ کے لیے جنت کی بشارت

ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ کے پاس ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس چلے تو رسول اللہ ﷺ نے آواز دی، فرمایا: ''معاویہ! آؤ، ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔'' وہ واپس آئے اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری دلی تمنا ہے کہ میں اور ام حبیبہ اکٹھے جام طہور نوش کریں۔'' اس فرمان میں سیدہ ام حبیبہ کے لیے جنت کی بشارت ہے۔[1]

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا باپ ابوسفیان عمائد قریش میں سے تھا اور قوم کا نشان جنگ اسی کے گھر میں رکھا رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر نکالا جاتا تو قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں۔ احد اور حمراء الاسد، بدر الاخریٰ، احزاب وغیرہ کی جنگوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لیے ہوئے قریش کی قیادت کرتا نظر آتا تھا۔ اس تزویج مبارکہ کے بعد ابوسفیان کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آیا بلکہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد بذات خود اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا۔

1 تاریخ دمشق لابن عساکر: 150،149/69

ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام "زینب" تھا۔ موصوفہ جنگ خیبر کے مال غنیمت میں رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آئی تھیں۔ عرب میں دستور تھا کہ غنیمت کا جو حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا اسے "صفیہ" کہا جاتا تھا، اس لیے سیدہ زینب بھی "صفیہ" کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ امام زرقانی کی تحقیق ہے۔[1]

ابن زید نے لکھا ہے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام "حبیبہ" تھا۔ بعد میں "صفیہ" کے نام سے مشہور ہوئیں کیونکہ یہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص کر دی گئی تھیں۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان کی کنیت "ام یحییٰ" تھی۔[3]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے:

صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب بن سعیہ بن عامر بن عبید بن کعب بن خزرج بن ابی حبیب بن نضیر بن نحام بن ینحوم۔[4]

والدہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن سعد، ابن عبدالبر، ابن اثیر اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام "برہ بنت سموال" بیان کیا ہے۔ وہ رفاعہ بن سموال کی بہن تھی جو بنو قریظہ کا رئیس تھا۔[5]

علامہ قسطلانی نے ان کی والدہ کا نام "ضرہ" بیان کیا ہے۔[6]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں کی طرف سے سیادت حاصل تھی۔ والد حُیی بن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ والدہ رئیس بنو قریظہ کی بہن تھی۔ یہ قبیلہ بھی حضرت ہارون علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھا۔ یہ دونوں خاندان بنو قریظہ و بنو نضیر بنی اسرائیل کے تمام قبائل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔[7]

1 شرح الزرقانی علی المواہب 4/428. 2 المنتخب لابن زید، ص 54. 3 فتح الباری 4/353. 4 الطبقات الکبریٰ لابن سعد 8/120. 5 الطبقات لابن سعد 8/120؛ الاستیعاب، ص 899. 6 شرح الزرقانی 4/429. 7 الاصابہ 8/210.

حب نبی ﷺ

میاں بیوی کی باہمی محبت گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ نبی اکرم ﷺ جب بیمار ہوئے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کی تیمارداری کے لیے تشریف لائیں تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں۔ انھوں نے بے ساختہ کہا:

[illegible]

''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میری خواہش ہے کہ آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔''

اس پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! صفیہ سچ کہتی ہے (یعنی اس میں تصنع کا کوئی شائبہ نہیں ہے)۔''[1]

دنیا سے بے رغبتی

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ تشریف لائیں تو ان کے کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں۔ ان میں سے کچھ انھوں نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تحفے میں دے دیں اور جو بچ گئیں، وہ دوسری خواتین میں تقسیم کر دیں۔[2]

اسلام پر پختگی

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب سے مسلمان ہوئیں، اسلامی احکامات وتعلیمات پر بڑی پابندی سے عمل پیرا رہیں۔ انھوں نے اپنے والدین کو بھلا دیا۔ گھر بار چھوڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ پر فدا ہو گئیں۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''تیرے والد زندگی بھر تمام یہودیوں سے بڑھ کر میرے دشمن رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قتل کر دیا۔''

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے معا عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں یہ ارشاد نہیں فرماتا: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ ''کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''[3]

1 الطبقات لابن سعد 128/8. 2 الطبقات لابن سعد 127/8. 3 بنی اسرائیل 17: 15

لم أحبب السبت منذ أبدلني الله به الجمعة، ولي في اليهود رحم فأنا أصلها

''جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جمعے کا دن عطا فرمایا ہے، میں نے ''یوم السبت'' کو کبھی پسند نہیں کیا۔ ہاں! یہودیوں میں میرے رشتے دار ہیں، ان کے ساتھ صلہ رحمی ضرور کرتی ہوں۔''

اس کے بعد انھوں نے اس لونڈی سے پوچھا: تم نے میری شکایت کیوں کی؟ اس نے کہا: شیطان کے اکسانے پر۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں، پھر فرمایا: جاؤ، تم آزاد ہو۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خدمت گزار رہے۔ جب بلوائیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا، اسباب رسد بند کر دیے اور پہرہ بٹھا دیا تاکہ کوئی اندر آ سکے نہ باہر جا سکے تو اس موقع پر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ان کی امداد کے لیے نکلیں۔ خچر پر سوار ہو گئیں اور ان کے مکان کی طرف چل پڑیں۔ ان کے ساتھ ان کا غلام کنانہ بھی تھا۔ اشتر نخعی کو معلوم ہو گیا۔ اس نے خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ اس کا یہ ذلت آمیز رویہ دیکھ کر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا برہم ہو گئیں اور اشتر سے فرمایا: مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میرا خچر چھوڑ دو، مجھے واپس جانے دو۔ پھر سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان سے فرمایا: آپ میرے گھر سے کھانا لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچایا کریں۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا اور پانی پہنچانے کا انتظام کر دیا۔[2]

ایک روایت کے مطابق حسن رضی اللہ عنہ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر تک کے مابین لکڑی کا ایک اونچا تختہ رکھ دیا جس کے اوپر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا اور پانی پہنچایا جاتا تھا۔[3]

سانحۂ ارتحال

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں رمضان المبارک 50 ھ میں وفات پائی۔ بعض نے سن وفات 52 ھ لکھا ہے۔ اس وقت ان کی عمر 60 سال تھی۔[4] انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔[5]

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا متمول خاتون تھیں۔ انھوں نے ایک لاکھ درہم مالیت کی اراضی اور جائیداد ترکہ میں

1 الإصابة 8/211، 212. 2 الإصابة 8/212. 3 الطبقات لابن سعد 8/128. 4 البداية والنهاية 8/46. 5 الطبقات لابن سعد [illegible] 8/212

چھوڑی۔ اور وصیت فرمائی کہ ایک تہائی حصہ ان کے بھتیجے کو دے دیا جائے۔ وہ یہودی تھا۔ مسلمانوں نے اس وصیت کے مطابق مال ادا کرنا مناسب نہ جانا۔ یہ مسئلہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اس وصیت پر عمل کرو۔

جوں ہی لوگوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد سنا، وہ پیچھے ہٹ گئے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پوری کر دی گئی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے نے 33 ہزار سے زیادہ درہم وصول کیے۔[1]

علم و فضل

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام خاتون تھیں۔ انھیں قرآن مجید کی آخری سورتیں زبانی یاد تھیں، وہ مداومت سے ان کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان و فیضان کی بدولت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں بڑی بصیرت اور بلند نظری پیدا ہوگئی تھی۔ وہ انتہائی باوقار اور عقلمند خاتون تھیں۔ رسوخ فی الدین کا یہ عالم تھا کہ استفسارات کے جواب میں فتوی بھی دیتی تھیں۔ لوگ دور دراز سے ان کی خدمت میں مسائل دریافت کرنے حاضر ہوتے تھے۔ ان کا مکان عورتوں کے لیے دارالعلوم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

ایک خاتون صہیرہ بنت جیفر کا بیان ہے کہ ہم چند خواتین حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ گئیں اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں پہلے ہی سے کوفے کی خواتین بیٹھی ہوئی ہیں، چنانچہ ہم نے ان سے زن و شوہر سے متعلق مختلف مسائل اور حیض و نبیذ کے احکام دریافت کیے۔[2]

متداول کتب حدیث میں ان سے دس احادیث مروی ہیں اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام زین العابدین، کنانہ، یزید بن معتب اور اسحاق بن عبداللہ بن حارث خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے مفصل احوال سیرت انسائیکلوپیڈیا، 423/8-427 میں ملاحظہ فرمائیں۔

1 الطبقات الکبریٰ 128/8 ، 2 مسند احمد 337/6 ، 3 الاصابۃ 212/8

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا اصلی نام "برہ" تھا۔ ان کے والد کا نام حارث تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام "برہ" تبدیل کر کے "میمونہ" رکھا۔[1]

میمونہ "یمن" سے مشتق ہے۔ اس کے معنی "برکت" کے ہیں اور میمونہ کا مطلب "بابرکت" ہے۔

والد کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

آپ کی والدہ کا نام ہند تھا۔ وہ قبیلہ "حمیر" سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش۔[2]

آپ کی والدہ ہند کے متعلق علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: [illegible] "سارے روئے زمین پر ہند بنت عوف سے بڑھ کر کوئی خاتون اپنے دامادوں کے لحاظ سے قابل عزت نہ تھی۔"[3]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کی مکمل تفصیلات سیرت انسائیکلو پیڈیا: 9/23-30 میں گزر چکی ہیں، لہٰذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرصہ رفاقت

11ھ میں نبی اکرم ﷺ نے سفر آخرت فرمایا اور اس طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا صرف تین سال تک آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آخری ام المومنین تھیں۔[4]

فضل و کمال

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ، عابدہ، زاہدہ اور نہایت دانشمند خاتون تھیں۔ اس بات کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی

1 اسد الغابہ: 7/262. 2 طبقات ابن سعد: 8/132. 3 معارف ابن قتیبہ، ص: 60. 4 طبقات ابن سعد: 8/132.

لگایا جا سکتا ہے: ایک مرتبہ ایک عورت بیمار پڑ گئی۔ اس نے نذر مانی کہ میں شفایاب ہو گئی تو بیت المقدس کا سفر کروں گی اور وہاں نماز پڑھوں گی۔ وہ عورت چند دنوں بعد تندرست ہو گئی اور بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگی۔ اسی دوران وہ رخصت ہونے کے لیے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو انھوں نے فرمایا:

اجلسي فكلي ما صنعت، وصلي في مسجد الرسول ﷺ، فإني سمعته يقول: [illegible]

[illegible]

''تم یہیں رہو اور جو کھانا تم نے تیار کیا ہے، اسے کھاؤ اور مسجد رسول ﷺ ہی میں نماز پڑھ لو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہاں نماز پڑھنے کا ثواب سوائے بیت اللہ کے دوسری تمام مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔''[1]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اخلاص کی پیکر، غریبوں کی ہمدرد اور معاون تھیں۔ کبھی کبھی غرباء و مساکین کی مدد کی خاطر لوگوں سے قرض بھی لے لیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے خاصی رقم قرض لے لی۔ کسی نے پوچھا: آپ یہ رقم کس طرح ادا کریں گی؟'' فرمایا:

[illegible]

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص کسی سے قرض لیتا ہے اور وہ اسے ادا کرنے کی نیت بھی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کرا دیتا ہے۔''[2]

وہ ہمیشہ شریعت کے احکام کی تبلیغ کے لیے کوشاں رہتی تھیں۔ اگر کوئی کام ذرا بھی رسول اکرم ﷺ کی شریعت کے خلاف ہوتا تو اس کی بڑی شدت سے مخالفت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کا ایک رشتے دار ان کے مکان پر آیا۔ تو انھوں نے اس شخص سے شراب کی بو پائی۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اُسے بڑی سختی سے جھڑک دیا اور انتباہ فرمایا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔[3]

فطری رحمدلی کی بنا پر انھیں غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک لونڈی آزاد کی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر نہ ہوئی۔ اپنی باری والے دن انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ تمھیں اجر عطا فرمائے! ہاں اگر تم یہ لونڈی اپنے اخوال (ننھیال) کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ملتا۔

[1] صحیح مسلم: 1396، مسند احمد: 6/333. [2] مسند احمد: 6/332. [3] الطبقات لابن سعد: 8/139

یعنی صلہ رحمی کا اجر بھی ملتا جو اس سے زیادہ ہے۔"[1]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو احکام نبوی کی تعمیل کا بے حد اشتیاق رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی کنیز بدیہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی، دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے الگ الگ دور دور بچھے ہیں۔ خیال آیا کہ شاید کوئی رنجش ہوگئی ہے لیکن معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اہلیہ کے ایام مخصوصہ میں ان کے بستر سے الگ رہتے ہیں۔ انھوں نے یہ بات سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انھیں جا کر کہہ دو:

أرغبة عن سنة رسول الله ﷺ؟ لقد كان رسول الله ﷺ ينام مع المرأة من نسائه الحائض وما بينهما إلا ثوب ما يجاوز الركبتين.

"کیا تم رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے دور رہنا چاہتے ہو؟ نبی اکرم ﷺ تو اپنی بیویوں کے ساتھ ان کے ایام کے دوران بھی اس طرح سوتے تھے کہ درمیان میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جو گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔"[2]

ایک سال مدینہ منورہ میں مختلف علاقوں سے وفود آئے۔ ان میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنو ہلال کے لوگ بھی تھے۔ ان کا بھانجا زید بن عبداللہ بن مالک ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر آیا۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ گھر پر تشریف فرما نہ تھے۔ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو ایک اجنبی کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: حضور! یہ میری بہن کا بیٹا ہے اور وفد بنو ہلال کے ساتھ آیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے لیے دعا کی۔[3]

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حسنات و برکات

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن نجد کے ایک سردار کے گھر میں تھی۔ اس نکاح کی برکت سے ملک نجد میں صلح، امن اور اسلام کے فروغ کے دروازے کھل گئے اور لوگ بڑی تیزی سے مسلمان ہوتے چلے گئے، حالانکہ قبل ازیں اہل نجد کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ انھیں لوگوں نے ستر قراء صحابہ کو اپنے ہاں بلا کر دھوکے سے قتل کیا تھا۔ اہل نجد ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے کئی بار امن پامال کیا اور فساد انگیزی کی۔

زندگی کے آخری لمحات

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حج کے لیے تشریف لے گئیں تو وہاں بیمار ہوگئیں۔ فرمانے لگیں: مجھے یہاں سے لے چلو، میں

1 مسند احمد 332/6. 2 مسند احمد 332/6. 3 الطبقات لابن سعد 309/1، 310

نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ میری موت مکہ مکرمہ میں واقع نہیں ہوگی۔ وہاں ان کا کوئی قریبی عزیز بھی نہ تھا، چنانچہ وہاں سے واپسی پر جب مقام سرف پہنچیں تو موت کا فرشتہ آپہنچا۔ آپ ؓ نے اسی مقام پر آخری ہچکی لی جہاں شادی کی پہلی رات بسر کی تھی۔ یہ سیدنا امیر معاویہ ؓ کا دور حکومت تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ یزید کا دور حکومت تھا۔

یزید بن اصم ؓ کہتے ہیں کہ ہم نے سیدہ میمونہ ؓ کو اس درخت کے سائے میں دفن کیا جہاں رسول اللہ ﷺ کے لیے عمرۃ القضاء کے موقع پر خیمہ لگایا گیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی تدفین کا انتظام ان کے بھانجوں عبداللہ بن عباس ؓ، یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد نے کیا۔ ان تینوں کے ساتھ عبیداللہ خولانی نے بھی قبر میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ سیدہ میمونہ ؓ نے ان کی بحالت یتیمی پرورش فرمائی تھی۔ وفات کے وقت سیدہ میمونہ ؓ کی عمر 80 یا 81 سال تھی۔[1]

سیدہ میمونہ ؓ فوت ہوئیں تو سیدہ عائشہ ؓ نے تعزیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: [illegible] ”میمونہ ؓ ہم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور ہم سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔“[2]

مرویات کی تعداد

ام المومنین سیدہ میمونہ ؓ کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ اگرچہ ان کو صرف تین سال نبی اکرم ﷺ کی صحبت میسر آئی تاہم وہ جو حدیث سنتیں فوراً یاد کر لیتی تھیں۔ ازواج مطہرات ؓ میں سب سے زیادہ روایات سیدہ عائشہ ؓ سے مروی ہیں۔ ان کے بعد سیدہ ام سلمہ ؓ اور ان کے بعد سیدہ میمونہ ؓ کی روایات ہیں۔ سیدہ میمونہ ؓ کی کل روایات کی تعداد 76 بیان ہوئی ہے۔[3]

سیدہ میمونہ ؓ سے روایت بیان کرنے والوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: 1 عبداللہ بن عباس ؓ 2 عبداللہ بن شداد 3 عبید بن سباق 4 یزید بن اصم 5 عبدالرحمن بن سائب ہلالی 6 عبیداللہ خولانی 7 سلیمان بن یسار 8 عطاء بن یسار[4]

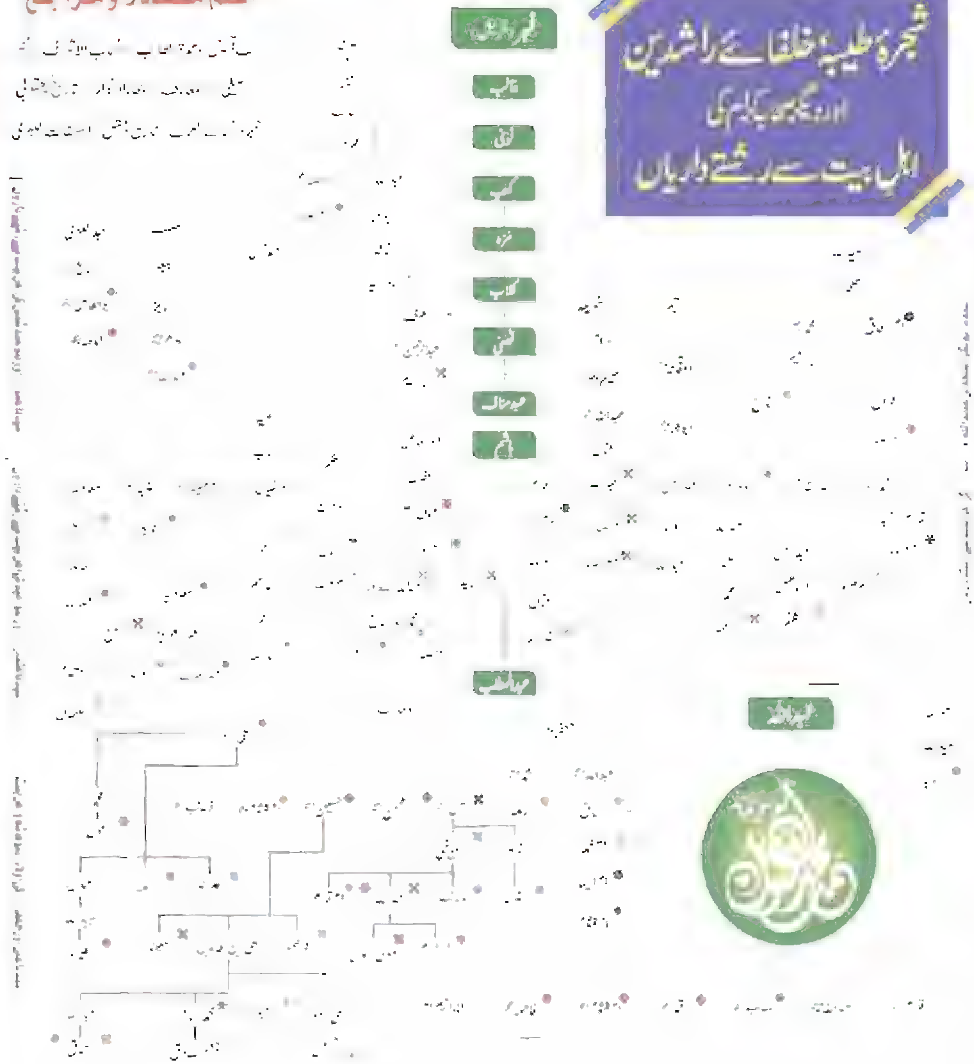
1 الاصابۃ: 8/324، الطبقات لابن سعد: 8/139، 140 2 المستدرک للحاکم: 4/32، الطبقات لابن سعد: 8/138
3 تاریخ الذہبی: 2/342، 4 سیر اعلام النبلاء: 2/239

شجرہ طیبہ خلفائے راشدین

اور دیگر صحابہ کرام کی

اہل بیت سے رشتے داریاں

اہم مصادر و مراجع



[illegible]

[illegible]

- [illegible] بنت حسین [illegible] عبداللہ بن عمرو بن عثمان [illegible] حسن مثنیٰ بن حسن [illegible] پیدا ہوئیں۔
- [illegible] بنت حسین [illegible] زید بن عمرو بن عثمان [illegible] عبداللہ بن حسن [illegible] مصعب بن زبیر (شہید) [illegible] عبداللہ بن عثمان [illegible] عمر بن عبدالعزیز [illegible] شادی ہوئی۔

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

نام اور جائے پیدائش

آپ کا نام ماریہ بنت شمعون قبطیہ تھا۔ آپ کے والد قبطی اور والدہ رومی تھیں۔ وہ مصر میں ''حفن'' نامی بستی میں پیدا ہوئیں۔ وہ سرخ و سفید رنگ کی خوبصورت خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بچپن کا زمانہ ''حفن'' میں گزارا تھا۔ وہ ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ رومی بطریق (Patriarch) نے جس کا لقب مقوقس تھا، انھیں اور ان کی بہن سیرین کو اپنے محل کے لیے پسند کیا تھا۔

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے بادشاہ کے محل میں رہتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر سن لی تھی۔ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ آخری رسول ہیں، عرب میں پیدا ہوئے ہیں اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے شاہ مصر و اسکندریہ کے نام سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے دعوتی خط ارسال فرمایا، جس کی تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا: 8/259-266 میں گزر چکی ہے۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، البتہ کچھ تحائف آپ کی خدمت میں روانہ کیے جن میں دو لونڈیاں بھی شامل تھیں۔ یہ لونڈیاں ماریہ اور سیرین کے نام سے معروف تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس رکھا اور سیرین کو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔[1]

1 الطبقات لابن سعد: 8/214.



اسکندریہ (مصر)

سیدہ ماریہ ؓ کا قبولِ اسلام

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ ؓ سیدہ ماریہ اور سیرین کو اپنی نگرانی میں مدینہ منورہ لائے۔ وہ مصر سے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ تک راستے بھر ان دونوں بہنوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔ دونوں بہنیں دعوت اسلام سے بہت متاثر ہوئیں اور انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اکثر سیرت نگاروں کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ ؓ سے نکاح کر لیا۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ماریہ ؓ کو پہلے مسجد نبوی کے قریب سیدنا حارثہ بن نعمان ؓ کے گھر ٹھہرایا، بعد ازاں عالیہ کے علاقے میں بھیج دیا۔ اس علاقے کو اس زمانے میں ''مشربہ ام ابراہیم'' کہا جاتا تھا۔[1]

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

اس واقعے نے پرانی یادیں تازہ کر دیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے جد امجد سیدنا ابراہیم ؑ کی زوجہ ''ہاجرہ'' بھی مصر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھیں بادشاہ مصر نے سیدنا ابراہیم ؑ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسی طرح مقوقس نے اپنے شاہی محل سے دو دوشیزائیں ماریہ قبطیہ اور سیرین قبطیہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

سسرالی تعلق

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قبطیوں (مصر کے عیسائیوں) کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔''

امام زہری ؒ فرماتے ہیں: ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل ؑ کی والدہ اور رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم ؓ کی والدہ دونوں اسی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم ؓ کی پیدائش

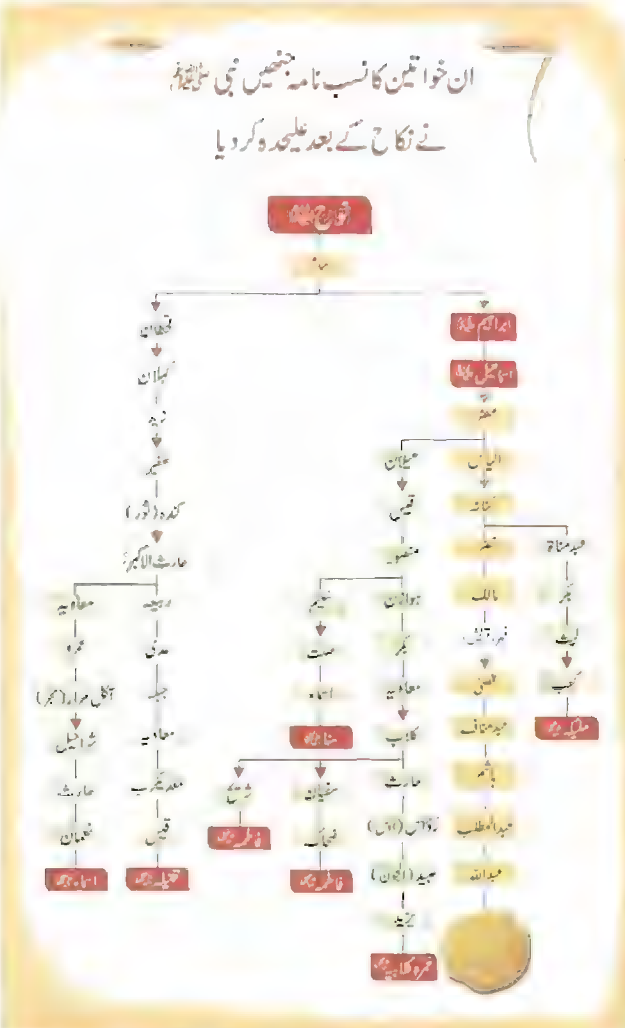
6ھ میں سیدہ ماریہ قبطیہ ؓ نبی اکرم ﷺ کے حرم میں آ گئیں۔ اس کے دوسرے سال ماہ ذوالحجہ 8ھ میں ان کے ہاں ابراہیم ؓ پیدا ہوئے۔ ابراہیم سترہ یا اٹھارہ ماہ زندہ رہے، پھر انتقال کر گئے۔

1 الطبقات لابن سعد: 8/212. 2 المستدرک للحاکم: 2/553، الطبقات لابن سعد: 8/214.

نبی اکرم ﷺ اپنے لختِ جگر ابراہیم کی وفات پر بے حد غمگین تھے اور بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سیدہ ماریہ ؓ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی بے حد غمزدہ اور پریشان تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''ابراہیم میرا بیٹا ہے۔ وہ دودھ پیتا ہوا فوت ہو گیا ہے۔ اس کے لیے دو آیائیں ہیں، وہ جنت میں اس کو بقیہ مدت تک دودھ پلائیں گی۔''[1]



سانحۂ ارتحال

سیدنا ابراہیم ؓ کی وفات کے سال بھر سے زیادہ عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ اب سیدہ ماریہ ؓ بالکل گوشہ نشیں ہو گئیں۔ زیادہ وقت عبادت میں گزارتیں۔

سیدہ ماریہ قبطیہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پانچ سال تک زندہ رہیں۔ انھوں نے 16 ھ میں سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ سیدنا عمر ؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔[2]

1 صحیح مسلم، 2316۔ 2 الطبقات لابن سعد 216/8

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ام المومنین سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا یہود کے قبیلہ بنونضیر سے تعلق رکھتی تھیں اور بنوقریظہ میں بیاہی ہوئی تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ بن شمعون بن زید۔ بعض نے یہ نسب بیان کیا ہے: ریحانہ بنت شمعون بن زید بن خنافہ۔

نکاح

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح بنوقریظہ کے ایک شخص ''حکم'' سے ہوا۔ غزوۂ بنوقریظہ کے بعد جن یہودیوں کو قتل کیا گیا ان میں ''حکم'' بھی شامل تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کی قیدی عورتوں میں سے سیدہ ریحانہ بنت عمرو بن خنافہ کو اپنے لیے منتخب کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں سیدہ ام منذر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرایا۔[2]

قبول اسلام

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

1 نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اسلام قبول کر لو اور چاہو تو اپنے مذہب پر قائم رہو۔'' انھوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنے کو ترجیح دی۔ اس پر آپ ﷺ کو رنج ہوا۔ تاہم آپ ﷺ نے انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔

سیدنا ثعلبہ بن سعیہ رضی اللہ عنہ نے مسلسل کوشش کی، انھیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا اور خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت نبی اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے قدموں کی آہٹ سنی تو فرمایا:

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 129/8، الاصابۃ: 146/8 2 الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 129/8

"یہ ثعلبہ بن سعیہ (ابن سعید) ہیں۔ وہ مجھے ریحانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری دینے آئے ہیں۔"

انھوں نے خدمت اقدس میں آکر بتایا کہ وہ مسلمان ہوگئی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ بے حد خوش ہوئے اور انھیں ام منذر سلمی بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر سے لانے کا حکم صادر فرمایا۔

2 ایک اور روایت ہے کہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا قیدی ہو کر آئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انتخاب کروگی تو اللہ کا رسول تمھیں اپنے لیے منتخب کرلے گا۔"

چنانچہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند کرلیا۔

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میں مسلمان ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کرکے مجھ سے شادی کرلی اور بارہ اوقیہ حق مہر ادا کیا۔ یہ مہر اتنا ہی تھا جتنا باقی سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مرحمت فرمایا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے میری باری بھی مقرر کردی اور مجھے پردہ کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ ان سے انتہائی محبت و شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے مدینے سے باہر علاقہ قیس بن فہد میں مستقل رہائش کا انتظام فرما دیا۔[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی وفات تک آپ کی "ملک یمین" (لونڈی) رہیں۔ جبکہ ابن سعد نے واقدی سے کئی طرق سے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے 6 ھ میں انھیں آزاد کرکے ان سے شادی کرلی تھی۔[2]

وفات

نبی اکرم ﷺ جب حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو کر انتقال کر گئیں۔ آپ ﷺ نے خود ان کا جنازہ پڑھایا اور انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا۔[3]

1 الطبقات لابن سعد: 8/129، 131 2 الطبقات لابن سعد: 8/129،130، شرح الزرقاني على المواهب: 4/462
3 الاصابة: 8/164

رسول اللہ ﷺ کی اولاد

اللہ رب العزت کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو بھٹکنے کے لیے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے سید البشر محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے سے زمانے اور زندگی کے ہر دور اور ہر شعبے میں تا ابد چراغ ہدایت روشن کر دیا۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کس طرح کرنی چاہیے؟ یہ سبق سیکھنا ہو تو زینب، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن کے والد گرامی ﷺ کو دیکھیے۔ اولاد اللہ کو پیاری ہو جائے تو قاسم، عبداللہ اور ابراہیم کے پدر بزرگوار کے وقار اور صبر جمیل کو نمونۂ عمل بنائیے۔ اسی حکمت و مشیت الٰہی کے پیش نظر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔

آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں اور تین بیٹے آپ کی حیات طیبہ ہی میں انتقال کر گئے۔ انتہائی غم و اندوہ کے ان مواقع پر آپ ﷺ نے جس وقار سے صبر جمیل کا مظاہرہ فرمایا، وہ اولاد کے لیے صبر و شکیب کے مراحل سے گزرنے والوں کے لیے تا ابد عملی نمونہ بن گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اولاد نرینہ سے بھی نوازا اور بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔ مگر آپ کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئی جس پر آپ نے صبر جمیل اختیار کیا۔

اہل عرب بیٹیوں کی ولادت اور ان کی پرورش کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دینا ان کا پرانا شیوہ تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی ساری بیٹیاں حیات رہیں اور شادی شدہ ہونے کے بعد فوت ہوئیں۔ آپ نے ان سے بڑی محبت کی اور بڑے اچھے اور کریمانہ انداز سے ان کی تربیت فرمائی۔ بلکہ آپ ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

«مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ» وَضَمَّ أَصَابِعَهُ

''جو دو بیٹیوں کی پرورش کرلے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گے۔'' یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔''[1]

آئیے رسول اللہ ﷺ کی اولاد رضی اللہ عنہم کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں۔

1 صحیح مسلم: 2631

رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے

رسول اللہ ﷺ کے تین بیٹے تھے: قاسم، عبداللہ اور ابراہیم، جبکہ بیٹیاں چار تھیں: سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم، سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ ان میں سب سے آخر میں سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ باقی ساری اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی۔ قاسم اور عبداللہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے، البتہ تمام صاحبزادیوں نے زندگی پائی۔ ان کی شادیاں بھی ہوئیں اور وہ اپنے شوہروں کے گھر میں بہت خیر وخوبی اور خوشی سے رہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تینوں بیٹیاں رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں

رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں پر تمام سیرت نگاروں، علمائے انساب، محدثین اور متقدمین علماء کا اتفاق ہے۔ لیکن بعض لوگ تعصب کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک ہی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حقیقی بیٹی شمار کرتے ہیں اور باقی کو لے پالک صاحبزادیاں قرار دیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ﴾

”تم ان (اولادوں) کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ یہی اللہ کے ہاں بہت انصاف کی بات ہے۔“[1]

تمام انسانوں کے لیے فرمانِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد کو ان کے آباء ہی کی طرف منسوب کیا جائے۔ غیر آباء کی طرف ہرگز منسوب نہ کیا جائے۔ چہ جائے کہ سرورِ دو عالم رسول اللہ ﷺ کی حقیقی بیٹیوں کو دوسرے آباء کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی بیٹیوں کے ساتھ انتہائی غلط اور ناروا سلوک ہے اور آپ ﷺ کو بدترین انداز میں ایذا پہنچانے کی جسارت ہے۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی ﷺ کی صرف ایک ہی حقیقی بیٹی تھی اور باقی بیٹیوں کا انکار کرنا، امت میں افتراق و انتشار کے اسباب میں سے ایک ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ سید الکونین محمد ﷺ کی مقدس بیٹیوں پر بہت بڑا ظلم اور انتہائی سنگین بہتان ہے۔ ذرا غور کریں کہ یہ الزام ان عظیم ہستیوں کے فرمین کے بھی صریحاً خلاف ہے جنھیں یہ لوگ ائمہ معصومین گردانتے ہیں۔ ان سب حضرات نے چاروں صاحبزادیوں کو رسول اللہ ﷺ کی حقیقی بیٹیاں قرار دیا ہے۔

[1] الأحزاب 33:5

قرآن مجید میں صراحتاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ پردے کے احکام نازل فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ

"اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی تو پھر نہ ستائی جائیں گی۔"[1]

اس آیت میں پہلے ازواج، پھر بنات اور پھر نساء کے الفاظ استعمال ہوئے۔ یہ تینوں صیغے جمع کے لیے ہیں اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بیویوں کو ایک سے زائد شمار کیا جائے، مومنوں کی عورتوں کو جمع سمجھا جائے لیکن بنات سے صرف ایک ہی بیٹی مراد لی جائے؟!

علامہ ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

كان أول من ولد لرسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة قبل النبوة القاسم وبه كان يكنى، ثم ولد له زينب، ثم رقية، ثم فاطمة، ثم أم كلثوم، ثم ولد له في الإسلام عبد الله فسمي الطيب والطاهر، وأمهم جميعا خديجة بنت خويلد.

"نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کی مناسبت سے آپ ﷺ کی کنیت "ابو القاسم" تھی، پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، پھر رقیہ، پھر فاطمہ، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہن اور پھر اسلام کے دور میں آپ ﷺ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ انھی کو طیب اور طاہر کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی اس ساری اولاد کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں۔"[2]

البتہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[3]

اگلے صفحات میں نبی اکرم ﷺ کے ہر بیٹے اور بیٹی کا الگ الگ تذکرہ کیا جا رہا ہے اور ان کے مختصر حالات آپ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

1 الاحزاب 33: 59۔ 2 الطبقات لابن سعد 133/1۔ 3 الاستیعاب، ص: 64۔

سیدنا قاسم ؓ

رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ ؓا سے ہوئی سوائے سیدنا ابراہیم ؓ کے جو ماریہ قبطیہ ؓا سے پیدا ہوئے۔ سیدہ خدیجہ ؓا سے آپ ﷺ کے دو صاحبزادے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سب سے پہلے نمبر پر قاسم ؓ ہیں۔ سیدنا ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں مکہ میں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کی ابوالقاسم کنیت اسی بیٹے قاسم کی وجہ سے ہے۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ کسی شخص نے ابوالقاسم کہہ کر آواز دی۔ آپ نے پلٹ کر دیکھا تو اس شخص نے کہا کہ میں نے تو کسی اور شخص کو بلایا ہے۔ آپ نے اس وقت سے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھنے کی ممانعت فرما دی اور فرمایا: «تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي» ''تم لوگ بے شک میرا نام رکھو مگر میری کنیت نہ رکھو۔''[2]

سیدنا قاسم ؓ دو برس کی عمر میں اعلان نبوت سے قبل انتقال فرما گئے۔[3] عمر مبارک کے سلسلے میں اور بھی روایات ہیں۔ ایک روایت تو یہ بھی ہے کہ وہ اتنی عمر تک پہنچے کہ سواری پر بیٹھ سکتے تھے۔[4] بہرحال اس بات پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد میں سے سب سے پہلے سیدنا قاسم ؓ نے انتقال فرمایا۔

سیدنا عبداللہ ؓ

عبداللہ ؓ کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ سیرت نگاروں کے مطابق سیدنا عبداللہ کی ولادت اعلان نبوت کے بعد ہوئی اور یہی مکہ مکرمہ میں انتقال کرنے والے رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صاحبزادے تھے، چنانچہ ان کے انتقال پر دشمن اسلام عاص بن وائل نے کہا: آپ کی مزید اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، لہٰذا آپ تو ''الابتر'' (نسل بریدہ) ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل کی جس میں فرمایا: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ ''بے شک آپ کا دشمن ہی نسل بریدہ ہوگا۔''[5]

نبی ﷺ کے تیسرے صاحبزادے ابراہیم ؓ کا تذکرہ ماریہ قبطیہ ؓا کے ضمن میں آگے آرہا ہے۔

1 الطبقات لابن سعد: 133/1. 2 صحیح البخاري، 2120. اس مسئلے کے متعلق مزید دیکھیے: اللؤلؤ والمرجان، ... 121،120/2. 3 الطبقات لابن سعد: 133/1. 4 زاد المعاد: 102/1. 5 الطبقات لابن سعد: 133/1.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نام ونسب

رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام ''زینب'' تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زَيْنَبُ بِنْتُ سَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ الْقُرَشِيَّةُ الْهَاشِمِيَّةُ هِيَ أَكْبَرُ بَنَاتِهِ

''زینب سید ولد آدم محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔''[1]

والد گرامی ﷺ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔[2]

پیدائش

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وُلِدَتْ قَبْلَ الْبِعْثَةِ بِمُدَّةٍ قِيلَ إِنَّهَا عَشْرُ سِنِينَ ''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے بہت پہلے، کہا جاتا ہے کہ دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔''[3] اس سے معلوم ہوا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 30 سال تھی۔ اس بات کا ذکر ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''اسد الغابۃ'' میں کیا ہے۔[4]

نکاح

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی زیر نگرانی تربیت پائی۔ وہ نوعمری ہی میں امور خانہ داری کی ماہر اور اعلیٰ اخلاق کی پیکر بن چکی تھیں۔ ان کی صفات حمیدہ کے باعث قریش کے گھرانوں کی طرف سے ان

1 الإصابة: 151/8 2 طبقات ابن سعد: 31/8 3 الإصابة: 151/8 4 أسد الغابة: 298/5

کے لیے رشتے آنے شروع ہو گئے۔

سب سے پہلے ابو العاص بن ربیع نکاح کا پیغام لے کر آئے۔ ابو العاص زینب ؓ کی اچھی صفات سے واقف تھے کیونکہ وہ سیدہ زینب ؓ کے خالہ زاد تھے اور اکثر اپنی خالہ سے ملنے آتے تھے۔ آپ ﷺ اور خدیجہ ؓ بھی ابو العاص ؓ کی اچھی عادات و صفات سے واقف تھیں بلکہ سیدہ زینب ؓ بھی ان کی صفات عالیہ سے واقف ہو چکی تھیں، لہٰذا آپ ﷺ اور سیدہ خدیجہ ؓ نے خوشی سے یہ رشتہ قبول کر لیا اور سیدہ زینب ؓ نے بھی ہاں کر دی۔ سیدہ زینب ؓ کی کم عمری ہی میں ابو العاص بن ربیع سے شادی ہو گئی۔[1]

ابو العاص کا نام و نسب

ابو العاص ان کی کنیت تھی۔ نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: بعض نے ان کا نام لقیط لکھا ہے۔ کسی نے زبیر نام بتایا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا نام مِقسم، یا مِہشَم تھا۔[2]

والد کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو العاص ابن ہالہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی، یہ عبد مناف پر جا کر ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔[3]

سیدہ خدیجہ ؓ نے شادی کے موقع پر اپنی بیٹی کو تحفے میں اپنا عقیق کا ایک بیش قیمت قیمتی ہار دیا جو ماں کی ممتا کی ایک انمول نشانی تھی۔[4]

"امین" کی صاحبزادی امین کے گھر

رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی زینب ؓ سے بہت خوش تھے اور ان سے ملاقات کے لیے ابو العاص بن ربیع کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر بڑی خوشی تھی کہ آپ کا داماد ابو العاص بھی آپ ہی کی طرح مکے میں "امین" کے لقب سے مشہور تھا۔[5]

قبول اسلام

جب رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا اور اسلام کی دعوت دی تو سیدہ زینب ؓ بھی اسی وقت اپنی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ ؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ امام زرقانی ؒ لکھتے ہیں کہ ایمان لے آنے

1 [illegible] 2 [illegible] 207/7 3 [illegible] 34/8 4 [illegible] 160/9
5 الاصابہ: 207/7

تھیں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کی فہرست میں بیٹیوں کا نام نہیں لیا جاتا، حالانکہ وہ تو بعثت سے پہلے ہی اپنے فخرِ انسانیت والدِ محترم ﷺ کے اسوۂ مبارک سے بے حد متاثر تھیں۔[1]

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ ؓا نے فرمایا:

[illegible]

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا تو خدیجہ اور آپ ﷺ کی بیٹیاں فوراً مسلمان ہوگئیں۔''[2]

جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو زینب ؓا کے شوہر ابوالعاص تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے دورانِ سفر ہی میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں خبریں لی۔ مکہ مکرمہ آکر تصدیق ہوئی۔ سیدہ زینب ؓا نے انھیں بتایا کہ میں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ ابوالعاص نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گئے۔ سیدہ زینب ؓا بہت پریشان ہوگئیں۔ ابوالعاص ؓ بہت سمجھدار انسان تھے۔ سیدہ زینب ؓا کو بڑی امید تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے لیکن وہ بغیر جواب دیے گھر سے چلے گئے تو انھیں بڑا صدمہ ہوا۔

ابوالعاص سیدھے بیت اللہ گئے۔ وہاں سے گھر آگئے۔ اپنی بیوی زینب ؓا سے کہا: میں نے بعثت کا سنا، آپ کے ابا جان سے ملا، انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ سیدہ زینب ؓا کے تصور میں بھی نہ تھا کہ ان کا خاوند اپنے دنیاوی مفادات کے تابع ہو جائے گا اور ایمان کی دولت سے محروم رہے گا۔

ابوالعاص نے زینب ؓا سے کہا: مجھے تم پر حیرت ہے! تم نے اسلام قبول کرنے میں بڑی تیزی دکھائی ہے۔ زینب ؓا نے اسے حیران دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے عظیم المرتبت باپ کو جھٹلا نہیں سکتی۔ آپ بھی اس حقیقت سے خوب آگاہ ہیں کہ وہ سچے اور امین ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ سچے ہیں۔ میری ماں اور بہنیں، علی، ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان اور تمھارے ماموں زاد بھائی زبیر بن عوام ؓ بھی ایمان لا چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی میرے باپ کو نہیں جھٹلاؤ گے اور ان کی نبوت پر ایمان لے آؤ گے۔

ابوالعاص نے کہا: مجھے تمھارے والدِ محترم پر کوئی شک و شبہ نہیں۔ نہ میں انھیں جھٹلاتا ہوں بلکہ مجھے تو اس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں کہ میں تمھارے طریقے پر تمھارے ساتھ ساتھ چلوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ قوم کہے گی کہ میں نے بیوی کی خاطر اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیا۔

1 شرح الزرقانی علی المواہب 460/1 2 السیرۃ لابن ہشام 652/2

لہٰذا اس مرحلے پر انھوں نے اسلام قبول نہ کیا۔[1]

ابوالعاص نے کب اسلام قبول کیا؟ ان کے بارے میں مزید حالات و واقعات جاننے کے لیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 5/516، 523 ملاحظہ فرمائیں۔

نکاح جدید ہوا یا نہیں؟

اسلام قبول کر لینے کے بعد سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے دوبارہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو طرح کی روایتیں ہیں۔

ایک روایت تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ لَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا.

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد پہلے ہی نکاح پر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹا دیا اور نیا نکاح نہیں کیا۔''[2]

اس روایت کو امام احمد، حاکم، عبداللہ بسام اور حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی تمام سندوں کا جائزہ لیتے ہوئے ''سنین'' کے لفظ کے علاوہ باقی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

دوسری روایت عمرو بن شعیب کی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ.

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کو ابوالعاص بن ربیع کے پاس نیا نکاح کر کے واپس بھیجا۔''[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث کی سند عمدہ ہے لیکن عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔[4]

عمرو بن شعیب کی روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔[5]

شیخ عبداللہ بسام بھی اسے ضعیف کہتے ہیں جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے منکر کہا ہے۔[6]

پہلی روایت، جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف بغیر نکاح جدید کے لوٹا دیا، صحیح ہے۔ دوسری روایت جس میں جدید نکاح کا ذکر ہے، جمہور محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے، لہٰذا

1 نساء حول الرسول، ص: 130. 2 جامع الترمذي: 1143، سنن أبي داود: 2240. 3 سنن ابن ماجه: 2010. 4 جامع الترمذي: 1144. 5 جامع الترمذي للألباني: 1142. 6 توضيح الأحكام: 5/329، حديث: 874.

اس معاملے میں راجح موقف یہی ہے کہ اگر عورت مسلمان ہو جائے اور وہ عدت گزارنے کے لیے نئے نکاح کے اختیار کے باوجود نکاح نہ کرے اور پھر شوہر بھی مسلمان ہو جائے، چاہے کسی مدت کے بعد ہی سہی اور وہ دونوں اکٹھے رہنا چاہیں تو انھیں باہم مل کر زندگی بسر کرنے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔[1]

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ابوالعاص جب مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے نکاح ہی کی بنیاد پر زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کر دیا تھا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اس وقت تک کفار پر مسلمان عورتوں کے حرام کیے جانے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور جس حدیث میں آتا ہے کہ نکاح جدید کے ساتھ رخصت کیا گیا تھا یا یہ کہ چھ ماہ بعد رخصت کیا گیا تھا تو وہ حدیث معناً صحیح ہے نہ سنداً بلکہ دونوں لحاظ سے ضعیف ہے۔''[2]

اس کی مزید تفصیل کے لیے اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام، نیل الأوطار اور زاد المعاد کا مطالعہ کیا جائے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے صفوان بن امیہ اور ان کی بیوی فاختہ بنت ولید بن مغیرہ، عکرمہ بن ابی جہل اور ان کی بیوی ام حکیم، ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ، یعنی مسلمان ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چاہے ان کی بیویاں پہلے مسلمان ہوئیں یا خاوند پہلے مسلمان ہوئے اور ان کی بیویاں بعد میں مسلمان ہوئیں، ان سب کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا پہلا نکاح برقرار رکھا گیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جس نے اسلام لانے کی بنا پر لازماً نکاح کی تجدید کی ہو۔[3]

وفات

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا غزوۂ بدر کے ایک سال بعد 3 ھ میں مدینہ تشریف لائیں۔ تین سال بعد ان کا خاوند ان سے آن ملا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد تقریباً دو سال تک ان کی رفاقت میں رہیں۔ پھر آپ 8 ھ میں 31 سال کی عمر میں فوت ہوگئیں۔[4] سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فوت ہوئی تو آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ غسل دو، اگر مناسب سمجھو تو زیادہ مرتبہ بھی دے سکتی ہو۔ غسل پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ دینا اور آخر میں کافور کی آمیزش کر لینا۔ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔'' جب ہم غسل سے فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنی چادر دی اور فرمایا: ''اسے کفن کے اندر پہنا دو۔''[5]

1 فقہ الإسلام، شرح حدیث: 1009. 2 الرحیق المختوم، ص: 525. 3 زاد المعاد: 5/138، 139. 4 طبقات ابن سعد: 8/34، الإصابۃ: 8/152. 5 صحیح البخاری: 1253.

غسل دینے میں سیدہ ام ایمن، ام عطیہ، سیدہ سودہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن شریک تھیں۔[1] رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور خود انھیں قبر میں اترے۔ بعد ازاں اپنی لخت جگر کو سپرد خاک کیا۔[2]

اولاد

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے بعد ایک بیٹا علی رضی اللہ عنہ اور ایک بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا چھوڑی۔ علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے[3] لیکن عام روایت یہ ہے کہ وہ بلوغت کو پہنچے۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ردیف تھے۔ انھوں نے معرکۂ یرموک میں شہادت پائی۔[4] اور سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ روایت ہے کہ سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے امامہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں دے دیا تھا۔[5] رسول اللہ ﷺ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت کرتے تھے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رأيت النبي ﷺ يؤم الناس وأمامة بنت أبي العاص وهي ابنة زينب بنت النبي ﷺ على عاتقه فإذا ركع وضعها وإذا رفع من السجود أعادها.

"انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ لوگوں کی امامت فرما رہے تھے۔ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا جو آپ کی دختر زینب کی بیٹی تھیں، آپ ﷺ کے کندھوں پر تھیں۔ آپ رکوع کرتے تو اسے نیچے اتار دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے تھے۔"[6]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انھوں نے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو وصیت کی کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل سے کر لیں، چنانچہ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ مغیرہ کی طرف سے امامہ کے بطن سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا، پھر یہ نسل ختم ہو گئی۔[7]

1 الطبقات الكبرى لابن سعد 34/8، 2 مسند أحمد 209/5، 3 سير أعلام النبلاء 246/2، 4 تاريخ دمشق لابن عساكر: 7,8/46، ترجمة علي بن أبي العاص بن الربيع، 5 مجمع الزوائد 254/9، 6 صحيح مسلم 543، 7 أسد الغابة 218/5، الاستيعاب، وسير 254/8-256

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی کا نام سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ہے۔ والد گرامی کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: رقیہ بنت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی۔ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: رقیہ بنت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔

پیدائش

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے سات سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 33 سال اور سیدہ خدیجہ کی عمر 48 سال تھی۔ سیدہ رقیہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے تین سال چھوٹی اور سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے بڑی تھیں۔[1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے ایک دو سال بعد بنو ہاشم کے کچھ لوگ ابو طالب کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: آپ نے اپنی بڑی بیٹی کا نکاح ابو العاص رضی اللہ عنہ سے کر دیا ہے، بے شک وہ اچھا داماد اور شریف انسان ہے مگر آپ کے عم زاد کہتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن "ہالہ" کے بیٹے کا حق ہے، اسی طرح آپ پر ہمارا بھی حق ہے، حسب نسب اور شرافت میں ہم کسی طرح ان سے کم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: "معاملہ کیا ہے؟" انھوں نے کہا: ہم آپ کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔ آنے والوں میں ابولہب بھی تھا۔ وہی اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے رشتے کا خواستگار تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے چچا! مجھے قرابت داری اور رشتہ داری سے انکار نہیں لیکن آپ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔" رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ پہلے وہ تو اس رشتہ پر تیار نہ ہوئیں کیونکہ ان کے

[1] [illegible] 138/8.

سامنے ام جمیل (ابولہب کی بیوی) کا چہرہ تھا۔ وہ انتہائی بدتمیز اور بدزبان عورت تھی۔ سیدہ خدیجہ ؓ کو فکر یہ تھی کہ اس بدزبان عورت کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی بچیوں کا نبھاؤ کس طرح ہو گا؟ پورا مکہ اس عورت کی بدزبانی سے واقف تھا۔ دوسری طرف رشتے سے انکار کرنے میں یہ خوف لاحق تھا مبادا سارے بنو ہاشم غیظ وغضب کا شکار ہو جائیں۔ ابولہب اور ام جمیل سے ہرگز بعید نہ تھا کہ وہ حد سے زیادہ فتنہ انگیزی کریں۔ اس سے پہلے خدیجہ ؓ اپنی صاحبزادی کا رشتہ اپنے بھانجے سے کر چکی تھیں۔ بالآخر سیدہ خدیجہ ؓ کے مشورے اور بیٹیوں کی رضامندی سے سیدہ رقیہ ؓ کا نکاح عتبہ سے اور سیدہ ام کلثوم ؓ کا نکاح عتیبہ سے کر دیا گیا۔[1]

واضح رہے کہ یہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ سیرت نگار اور مورخ اسی بات کے قائل ہیں۔ طبقات ابن سعد میں بھی یہی ہے کہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔[2]

قبول اسلام

سیدہ رقیہ ؓ بعثت کے ساتھ ہی اسی وقت قبول اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں جب ان کی والدہ ماجدہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

[illegible]

''جب سیدہ خدیجہ ؓ اسلام لائیں تو سیدہ رقیہ ؓ نے بھی فوراً اسلام قبول کیا اور جب دوسری عورتوں نے بیعت کی تو سیدہ رقیہ ؓ نے بھی اپنی بہنوں سمیت رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قریب ترین لوگوں میں اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا تو قریبی حلقے میں سے خوش نصیب مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا جبکہ قریشی قبائل نے آپ کی بھرپور مخالفت شروع کر دی۔

طلاق دینے کا مذموم حربہ

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جب شرک کی مذمت بڑھتی گئی تو سرداران قریش نے آپ ﷺ کے تینوں دامادوں سے ملاقات کی اور انھیں کہا کہ تم محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دے دو، ہم تمھاری پسند کی لڑکیوں سے شادی

1 الطبقات لابن سعد: 36/8، 37، سید جو ل الرسول ﷺ، ص 137 2 الطبقات لابن سعد: 36/8 3 الطبقات لابن سعد: 36/8

سما دیں گے۔ ابو العاص نے طلاق دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ابولہب کے بیٹوں نے بھی ان کی بات نہ سنی لیکن جب ابولہب کی گستاخی رسول پر اس کے بارے میں سورۂ لہب نازل ہوئی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے بات کی اور فرداً فرداً دونوں سے کہا:

رأسي من رأسك حرام إن لم تطلق ابنته

''اگر تو نے اس (محمد ﷺ) کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا سر تیرے سر سے حرام ہے، یعنی میں کبھی تجھ سے بات تک نہیں کروں گا، نہ تیرے بارے میں کچھ اچھا سوچوں گا۔''[1]

ابولہب نے اس سورت کی خبر ام جمیل کو بھی دے دی۔ اس سورت کی وجہ سے ان دونوں کے چہروں پر غم واندوہ کی پرچھائیاں چھا گئیں، دونوں بڑے غصے میں تھے۔ دونوں نے مل کر اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کہا: دیکھو! محمد ﷺ نے ہمیں گالی دی ہے۔ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ندامت سے ہمارے سر جھک گئے ہیں۔ ابولہب نے بڑے غصے سے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا: محمد ﷺ کی بیٹی کو فوراً طلاق دے دو۔ اس نے اسی وقت طلاق دے دی اور شدید غصے سے کہا: میں اس (رقیہ) کے باپ (محمد ﷺ) کے سامنے جا کر اس کے رب کے بارے میں ایسی باتیں کہوں گا جن سے اس کو دلی صدمہ پہنچے گا۔ عتبہ بن ابی لہب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے سخت بدزبانی کرنے لگا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دینے کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بدزبانی پر صبر کیا اور بارگاہِ ربانی میں یہ دعا کی:

اللهم سلط عليه كلبا من كلابك

''الٰہی! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ عتبہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ دورانِ سفر اس پر جنگل کے ایک درندے (شیر) نے حملہ کیا اور اسے چیر پھاڑ کر کھا گیا۔[2] بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ درندے نے جسے ہلاک کیا تھا، وہ ان دونوں میں سے چھوٹا، یعنی عتیبہ تھا، رسول اللہ ﷺ سے بدزبانی بھی اسی گستاخ نے کی تھی۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح

ام جمیل اور ابولہب کا خیال تھا کہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو طلاق دینے سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں سخت پریشانی اور اضطراب پیدا ہو جائے گا لیکن انھی دنوں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نعمت اسلام سے سرفراز

1 الطبقات لابن سعد 8/36، 2 السيرة الحلبية 1/468، السنن الكبرى للبيهقي 5/211

فرما دیا۔ وہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی تحریک پر مسلمان ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان اموی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بہت خوبصورت اور مالدار نوجوان تھے۔ انھوں نے جب طلاق کا واقعہ سنا تو فوراً سیدہ رقیہ ؓ سے رشتے کی درخواست کی۔ اس رشتے کو قبول کر لیا گیا اور سیدنا عثمان ؓ کی شادی سیدہ رقیہ ؓ سے ہو گئی۔ یوں انھیں محسنِ انسانیت ﷺ کا داماد بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ والے حسد اور دشمنی کی وجہ سے شادی میں شریک نہ ہوئے۔ انھوں نے سیدنا عثمان ؓ کے خلاف بھی سازشوں کا جال بچھایا اور طرح طرح سے انھیں تنگ کرنے لگے لیکن سیدنا عثمان ؓ نے پامردی سے درپیش حالات کا مقابلہ کیا اور اپنی بیوی کے ساتھ وفا شعاری کا حق ادا کر دیا۔

سیدہ رقیہ ؓ کا نکاح وحیِ الٰہی سے ہوا

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ میں اپنی پیاری بیٹی کا نکاح عثمان بن عفان ؓ سے کر دوں۔''[1]

بے نظیر میاں بیوی

سیدنا عثمان ؓ اور سیدہ رقیہ ؓ نے باہمی محبت اور حسنِ معاشرت سے مثالی زندگی بسر کی حتی کہ یہ مبارک جوڑا ضرب المثل بن گیا۔ لوگ اس جوڑے کے بارے میں کہا کرتے تھے:

[illegible]

''لوگوں نے میاں بیوی کا جو سب سے اچھا جوڑا دیکھا ہے، وہ سیدہ رقیہ ؓ اور ان کے خاوند سیدنا عثمان ؓ کا جوڑا ہے۔''[2]

ہجرتِ حبشہ

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ظلم و ستم حد سے بڑھ رہا تھا۔ اس صورتحال میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت کی اور فرمایا: ''تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ بڑا عادل ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔'' یہ بھی فرمایا: [illegible] ''وہ سچائی

1 المعجم الأوسط للطبراني 4/17 یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 الإصابة 8/178

کی سرزمین ہے۔" مہاجرین کا پہلا قافلہ سولہ افراد پر مشتمل تھا جن میں دس مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔

اس ہجرت کے لیے سب سے پہلے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ (ایتھوپیا) جانے کے لیے تیار ہوئیں، پھر دوسرے مسلمان ان کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس قافلے کے امیر تھے۔[1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ جانے سے پہلے اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم، والدہ اور بہنوں سے الوداعی ملاقات کی تو ان سے لپٹ گئیں۔ انھیں اشک بار تھیں کہ نہ جانے دوبارہ ملاقات ہوگی یا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

[illegible]

"ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے (اللہ کی راہ میں) ہجرت کی ہے۔"[2]

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ ہجرت حبشہ کی تھی اور (دوسری مرتبہ) حبشہ سے واپس مکہ آنے کے بجائے مدینہ منورہ چلے گئے تھے، اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مدینہ تشریف لے جا چکے تھے۔ تاہم اکثر اہل سیر کا یہی کہنا ہے کہ سیدہ رقیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے حبشہ کی طرف صرف ایک مرتبہ ہجرت کی تھی، پھر مکہ آئے اور وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ اس طرح وہ دونوں ذوالهجرتين ہیں۔[3]

مکہ آمد پر غمناک خبر

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جب مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو ان کی والدہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شعب ابی طالب کے صدموں سے نڈھال ہو کر انتقال فرما چکی تھیں۔ والدہ ماجدہ کی وفات کی خبر پا کر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ پہنچا۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو مکہ میں رہتے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا، چنانچہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی۔ مدینہ پہنچ کر دونوں میاں بیوی سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے۔ وہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔[4] کچھ عرصے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ تشریف لے آئے۔

1 السيرة لابن هشام 323322/1 2 المستدرك للحاكم 46/4. 3 الطبقات لابن سعد 36/8، الإصابة 139/8.
4 المصنف لابن أبي شيبة: 469/1.

نبی کریم ﷺ کے نواسے کی پیدائش

پہلی ہجرت کے بعد حبشہ میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے سیدہ رقیہ کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ اس کا نام عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ تھا۔ انھی کے نام سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں عبداللہ کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عبداللہ ابھی چھ سال کے تھے کہ ایک دن مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی جس سے ان کا چہرہ سوج گیا اور تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ بالآخر اسی تکلیف کی وجہ سے عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ جمادی اولیٰ 4 ھ میں وفات پاگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔[1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا 2 ہجری میں بخار میں مبتلا ہوگئیں، مدینے کا بخار مشہور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ انھیں چیچک کی بیماری ہوئی تھی۔[2] رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے کہ انھی دنوں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری شدت اختیار کر گئی، اس لیے نبی ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا اور فرمایا:

[illegible]

''تمھیں بدر جانے والے ایک مجاہد کے برابر اجر بھی ملے گا اور غنیمت میں سے حصہ بھی۔''[3]

رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے پاس ٹھہر گئے۔ ادھر مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے بدر کے میدان میں فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔ آپ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اکیس سال کی عمر میں وفات پاگئیں، [illegible]۔ جس وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ پہنچے، اُس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔[4]

رحمتِ دو عالم ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر

رسول اللہ ﷺ کو جب اپنی لختِ جگر کی وفات کی اطلاع ملی تو نہایت غمگین ہوئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ مدینہ واپس آکر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے، دعائے مغفرت کی اور فرمایا: ''عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پہلے

1 أسد الغابة:286/5 2 أسد الغابة:286/5 3 صحيح البخاري:3130 4 أسد الغابة:286/5

بن اللہ کے پاس جا چکے ہیں۔ اب تم بھی اپنے بچا کے پاس چلی جاؤ۔'' سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے یہی فوت ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس جملے سے کہ تم بھی اپنے بچا کے پاس چلی جاؤ، عورتوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کوڑا مارنے کے لیے اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''رونے میں کوئی حرج نہیں لیکن نوحہ اور بین شیطانی حرکت ہے، اس سے بچنا چاہیے۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں قبر کے پاس آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھی رو رہی تھیں اور آپ ﷺ اپنے کپڑے سے ان کے آنسو پونچھ رہے تھے۔[1]



1 طبقات لابن سعد: 37/8

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی کا نام "ام کلثوم" تھا۔ ان کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔ [1]

پیدائش

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے چھ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ [2]

قبول اسلام

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابتدا ہی میں اپنی والدہ ماجدہ اور بہنوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ [3]

پہلا نکاح

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابھی سن شعور کو بھی نہیں پہنچی تھیں کہ مکہ مکرمہ کے رواج کے مطابق بنو ہاشم کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کا رشتہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے مانگ لیا۔ چنانچہ ان کا پہلا نکاح اعلان نبوت سے پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ کر دیا گیا لیکن ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اعلان نبوت کے بعد ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے انھیں طلاق دے دی۔ سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما کو بیک وقت طلاق دی گئی تھی۔ [4]

روح فرسا صدمہ

نبوت کے ساتویں سال قریش نے مسلمانوں کا سماجی بائیکاٹ کر دیا۔ محاصرے کے دوران میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنے عظمت مآب والدین کی بھرپور خدمت کی۔ شعب ابی طالب کے محاصرے کے اختتام پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس قدر کمزور ہو گئی تھیں کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ وفات پا گئیں۔ یہ رمضان 10 نبوی کا واقعہ ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

1 أسد الغابة 486/5. 2 الإصابة 461/8. 3 [illegible] 59:33. 4 أسد الغابة 486/5.

کو حجون کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔[1] سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی جدائی کا صدمہ صبر و استقامت سے برداشت کیا اور خانگی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے باقی بہنوں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

ہجرت

جب کفار نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سیدہ ام کلثوم، سیدہ فاطمہ اور ان کی سوتیلی ماں ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ ہی میں تھیں۔ ان کے علاوہ بھی خاندان کے باقی افراد موجود تھے لیکن ماں باپ کا احساس سب نے بانٹ لیا تھا۔ والد گرامی ﷺ مدینہ منورہ میں تھے اور والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ کے پاس جا چکی تھیں۔ ایک بہن اپنے شوہر کے گھر مکہ میں تھیں اور دوسری اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر چکی تھیں۔ مکہ میں دشمنوں کا غلبہ تھا اور بہت سے ان دیکھے اندیشے موجود تھے۔

چند ہی دنوں بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کو مدینہ منورہ لے آئیں، چنانچہ آپ ﷺ کے مبارک گھرانے کے باقی ماندہ افراد اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔[2]

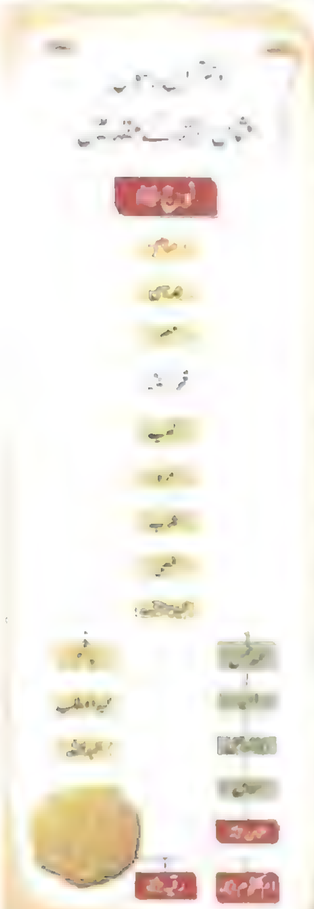
ان کے ساتھ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی مدینہ آئے۔[3] مدینہ میں انصار کی خواتین نے دختران رسول ﷺ سیدہ ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔

دلدوز سانحہ

2 ہجری میں رمضان کا مہینہ آیا تو ان کی ہمشیرہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ ادھر جنگ بدر پیش آ گئی۔ مجاہدین جنگ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ بدر کے معرکے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا لیکن اسی حالت میں دختر رسول ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ یہ بڑا عجیب منظر تھا، ایک طرف والد گرامی سرور دو عالم ﷺ کی سرکردگی میں تاریخ اسلام کی عظیم ترین جنگ غزوۂ بدر کی فتح کے پرچم لہرائے جا رہے تھے اور دوسری طرف جان سے زیادہ عزیز بہن اس دنیائے فانی کو چھوڑ گئی تھی۔ یہ وہی بہن تھی جو بچپن ہی سے ان کے ساتھ ایک روح دو قالب کی طرح

1 [illegible] /205، الطبقات لابن سعد: 8/48 2 [illegible] 2/152 [illegible] 4/5
3 [illegible] 2/152، الطبقات لابن سعد: 8/62

تھیں۔ دونوں مقدس ہستیاں ایک ساتھ پلیں، ایک ساتھ نکاح ہوا، ایک ساتھ طلاق ہوئی، ایک ساتھ شعب ابی طالب میں مصائب کا ایک دور مکمل کیا، دعوت اسلام کی جد و جہد میں سب ہستیوں سے کی زیادہ ... بنایا اور مدینہ منورہ میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہی رہیں۔ اسی لیے ان کی وفات کا انھیں ... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی محبوب اور مخلص بیوی کی جدائی کا صدمہ تھا۔



وہ نہایت وفا شعار اور آپ ﷺ سے بے حد محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی نہایت قابل رشک تھی۔ نبی ﷺ کو اپنے داماد سے کبھی کوئی شکوہ شکایت نہیں ہوئی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح

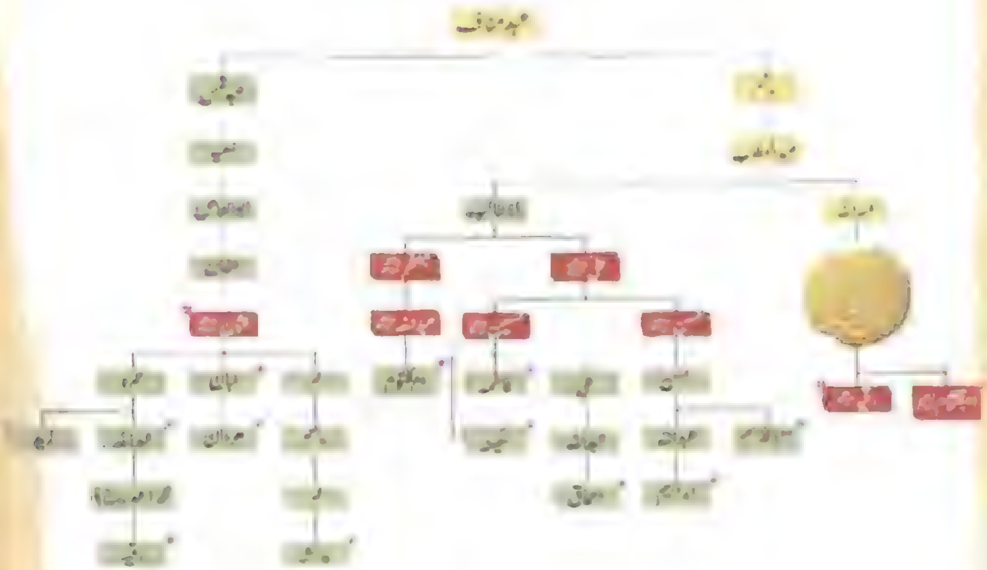
انھی دنوں حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے خاوند خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی چھوٹی عمر کی تھیں۔ اس زمانے کے رواج اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کی فوراً شادی ہو جائے۔ انھوں نے خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیں۔ انھوں نے کہا: میں غور کروں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کئی روز انتظار کیا، دوبارہ دریافت کرنے پر انھوں نے کہا: فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔

اس کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بارے میں اپنی دلی بات ظاہر کرتے ہوئے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے اپنی بیٹی حفصہ کی شادی کرنے کو تیار ہوں۔ انھوں نے اس پر کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کے اس رویے سے بڑا دکھ ہوا۔ وہ اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے رویے کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں:

[illegible]

"حفصہ سے وہ شادی کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان اس سے شادی کرے گا جو حفصہ سے بہتر ہے۔"[1]

1 [illegible]



اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "تم حفصہ کی شادی مجھ سے کر دو۔" سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عظیم الشان پیش کش کو دل و جان سے قبول کیا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی دوسری بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔[1]

وحی الٰہی کے ذریعے سے نکاح

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمانی وحی کے تحت کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"میں نے عثمان بن عفان کے ساتھ ام کلثوم کی شادی آسمانی وحی کے مطابق کی ہے۔"[2]

مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عثمان! جبرائیل علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دوں اور جتنا مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کا مقرر ہوا تھا، اتنا ہی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو اور ان کی مصاحبت اور رفاقت بھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی مصاحبت اور رفاقت کے مانند ہو۔"[3]

شادی کی تاریخ

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ربیع الاول 3 ھ میں ہوا تھا اور رخصتی چند ماہ کے بعد یعنی جمادی ثانیہ 3 ھ میں ہوئی۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ذوالنورین کا لقب

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی وجہ سے "ذوالنورین" ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو "ذوالنورین" کا یگانہ لقب دیا گیا۔ ہمارے علم میں نہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کو یہ اعزاز نصیب ہوا ہو کہ اس کی شادی کسی نبی کی دو بیٹیوں سے ہوئی ہو۔[5]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ اولاد آدم علیہ السلام میں کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔[6]

1 طبقات لابن سعد: 82/8. 2 الاصابة: 461/8، یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے: سلسلة الضعيفة، حديث: 4445.
3 مستدرك الحاكم: 49/4. 4 الاصابة: 460/8، سير اعلام النبلاء: 486/5. 5 معرفة الصحابة لابي نعيم: 62/1.
6 تاريخ الخلفاء، ص 105

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فقید المثال اعزاز

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے کرتا حتی کہ ایک بھی باقی نہ رہتی۔''[1]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا سفر آخرت

سیدہ ام کلثوم اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ سال تک میاں بیوی کی حیثیت سے نہایت خوشگوار زندگی بسر کی۔ بالآخر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا شعبان 9ھ میں وفات پا گئیں۔[2]

مولانا صدیق ہزاروی لکھتے ہیں کہ شیعہ کتب فروغ کتابوں کے مطابق سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا 7ھ میں فوت ہوئیں۔[3]

سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب، سیدہ ام عطیہ اور سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔[4]

لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دینے والیوں میں مجھے بھی شامل ہونے کا موقع ملا۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں کفن کا سامان دیتے رہے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے چادر (تہبند) دی، پھر کرتی دی، پھر دوپٹہ دیا، پھر ایک بڑی چادر مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ایک مزید کپڑے میں انھیں لپیٹ دیا گیا۔ (اس وقت) رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس کفن لیے کھڑے تھے اور ہمیں ایک ایک کر کے کفن کے کپڑے مرحمت فرماتے جا رہے تھے۔[5]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے: [illegible] ''تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو؟'' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تم قبر میں اترو۔''[6]

سیدنا ابوطلحہ، سیدنا علی، سیدنا فضل بن عباس اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے انھیں قبر میں اتارا۔[7]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے احوال سیرت انسائیکلو پیڈیا: 6/124، 125 میں بھی موجود ہیں۔

1 [illegible] 30/41 [illegible] یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 الطبقات لابن سعد 37/8. 3 حیات القلوب: 2/789، [illegible] 4 [illegible] 91. 5 [illegible] 38/8. [illegible] 157. 6 صحیح البخاری [illegible] 1342. 7 [illegible] 38/8.

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

سید الانبیاء ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینب، ان سے چھوٹی رقیہ، پھر ام کلثوم اور سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہ تھیں۔[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو [illegible] الحسنین [illegible] اور جگر گوشۂ رسول جیسے متعدد القاب حاصل ہوئے۔ یہ سارے القاب ان کے فضائل اور صفات عالیہ کے آئینہ دار ہیں۔

پیدائش

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سن ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بعثت سے ایک یا دو سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ دوسری روایت ہے کہ جس سال بیت اللہ کی تعمیر ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا اسی سال پیدا ہوئیں اور یہ واقعہ نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 35 سال تھی۔[2] تیسری روایت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بعثت والے سال ہی پیدا ہوئی تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے اکتالیسویں سال ان کی پیدائش ہوئی۔ ان میں سے آخری روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

تعلیم و تربیت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام بچیوں کی خصوصی اہتمام کے ساتھ تربیت کی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی ہونے کی بنا پر سب کی لاڈلی اور منظور نظر تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کبھی انھیں گود میں بٹھاتے، کبھی ہاتھوں میں اٹھا لیتے اور انھیں لوریاں دیتے۔

عرب میں رواج تھا کہ بچوں کو کھلی فضا اور صحت مند ماحول کے لیے آیا کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ وہ انھیں دودھ پلاتی اور ابتدائی تربیت کرتی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی آیا کے سپرد نہ کیا بلکہ ان سے اس قدر

1 الاصابۃ: 263/8. 2 الطبقات لابن سعد: 19/8، والاصابۃ: 263/8.

محبت تھی کہ پورا عرصہ خود ہی دودھ پلایا اور تربیت بھی بھرپور انداز میں خود ہی کی۔

سیدہ فاطمہ ؓ ابھی نو سال کی تھیں کہ والدہ محترمہ کے سایۂ محبت سے محروم ہو گئیں۔ 10 بعثت نبوی میں سیدہ خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد سیدنا علی ؓ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد اور ہمشیرہ ام ہانی ؓ نے ان کی بڑی توجہ سے پرورش کی۔ یہ دونوں خواتین بڑی تجربہ کار، خانہ داری اور تہذیبی امور کی ماہر، نہایت سلیقہ شعار اور سمجھدار تھیں۔ انھوں نے سیدہ فاطمہ ؓ کی ہر اعتبار سے بہت ارفع معیار کی تربیت کی۔

رسول اللہ ﷺ دن بھر کی تبلیغی مصروفیات سے فارغ ہو کر ان کے پاس تشریف لاتے، انھیں دلاسا دیتے، دانائی کی باتیں سمجھاتے اور والدہ کی وفات کا غم ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

دعوت اسلام کے دور میں سیدہ فاطمہ ؓ کی دلیری

سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریب ہی ابوجہل سمیت بڑے بڑے سردار بیٹھے تھے۔ اتنے میں ان میں سے کسی نے کہا: کون ہے جو بنی فلاں کی اونٹنی کی بچہ دانی کی جھلی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بدترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا، جھلی لایا اور انتظار کرنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں گئے تو اس بدبخت نے فوراً آپ ﷺ کی مبارک کمر پر جھلی رکھ دی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے مگر بے بس تھے، کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ان کے دل میں حسرت تھی کاش! مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں نبی ﷺ کو اس مذموم حرکت سے بچا لیتا۔

سیدنا ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ اس مذموم حرکت کے بعد مشرکین ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اٹھایا۔ اسی اثنا میں سیدہ فاطمہ ؓ دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے والد مکرم ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کی کمر مبارک سے یہ بوجھ ہٹا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے سر اٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا

[illegible]

''اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔''

جب آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے نام لے لے کر بددعا کی:

[illegible]

"اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا: میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے لیے تھے، ان سب کی لاشیں بدر کے گندے کنویں (قلیب بدر) میں پڑی ہوئی تھیں۔[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ابوجہل اور ابوسفیان کا جداگانہ سلوک

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے کسی بات پر طمانچہ مارا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا گھر آگئیں، والد محترم ﷺ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ بیٹی! ابوسفیان کو بتاؤ۔" سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوسفیان کو بتایا۔ ابوسفیان کافر تھا مگر اس میں خاندانی قدریں موجود تھیں۔ اس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا، ابوجہل کے پاس پہنچا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے اس کا بدلہ دلوایا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ واقعے پر قدرتی طور پر خوش ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی اور وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوگئے۔[2]

ایک موقع پر مشرکین کے سردار کعبہ میں اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ محمد ﷺ پر یک بارگی حملہ کر دیا جائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کمسن تھیں۔ انھوں نے یہ باتیں اپنے کانوں سے سن لیں اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی سازش کی اطلاع کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بیٹی! گھبراؤ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کر دے گا۔" یہ کہہ کر آپ ﷺ گھر سے نکلے اور مسجد حرام تشریف لے گئے۔ سازشیوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آنکھیں نیچی کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی بھر کنکریاں ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

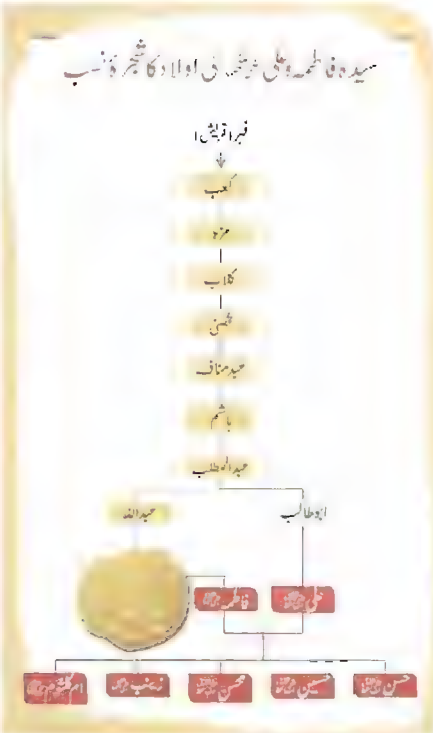
[illegible]

"چہرے بگڑ جائیں۔"

یعنی جس جس کافر پر پڑی، وہ جنگ بدر میں دوزخ کی نذر ہو گیا۔[3]

1 صحیح البخاری 240 2 [illegible] 14/5 3 [illegible] 3/13/1

سیدہ فاطمہ ؓ کا نکاح



خاندان نبوت کے ساتھ رشتہ اور تعلق داری بڑے اعزاز کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ؓ نے بھی سیدہ فاطمہ ؓ کا رشتہ طلب کیا مگر آپ ﷺ نے دونوں میں سے ہر ایک کو یہ جواب دیا:

"… فاطمہ کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔"[1]

سیدنا علی ؓ کو پیغام نکاح دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس کس نے بھیجا؟ اس سلسلے میں تین روایتیں اہم ہیں:

1 سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر ؓ نے مل کر سیدنا علی ؓ کو سیدہ فاطمہ ؓ سے شادی کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔[2]

2 ایک روایت یہ ہے کہ بعض انصار صحابۂ کرام ؓ نے سیدنا علی ؓ کو سیدہ فاطمہ ؓ سے نکاح کا پیغام دینے کی ترغیب دی۔ سیدنا علی ؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: … اور پھر خاموش ہو گئے۔ انصار باہر انتظار کر رہے تھے۔ سیدنا علی ؓ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کا جواب سنایا تو انھوں نے سیدنا علی ؓ کو مبارکباد دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا پیغام منظور فرما لیا ہے۔[3]

3 ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا علی ؓ کی ایک آزاد کردہ لونڈی نے ایک دن سیدنا علی ؓ سے پوچھا: کیا کسی نے سیدہ فاطمہ ؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا ہے؟ سیدنا علی ؓ نے فرمایا: معلوم نہیں۔ اس نے کہا: آپ پیغام کیوں نہیں بھیجتے؟ سیدنا علی ؓ نے فرمایا: بھلا میرے پاس کیا چیز ہے کہ میں عقد کروں؟ اس لونڈی نے سیدنا علی ؓ کو مجبور کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔[4]

1 الطبقات لابن سعد: 19/8. 2 المعجم الکبیر للطبرانی: 409/22، حدیث: 1021. 3 الطبقات لابن سعد: 21/8.
4 البدایۃ: 365/5

سیدنا علی ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ کو ان کی آمد کا مقصد معلوم ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''رشتے کے لیے آئے ہو؟'' انھوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے انھیں قرابت کی نوید سے سرفراز فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا انس ؓ کو حکم دیا کہ جاؤ! ابوبکر، عمر فاروق، عثمان، طلحہ اور دیگر مہاجرین وانصار ؓ کو بلا لاؤ۔ جب یہ سارے کبار صحابۂ کرام تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے مہاجرین وانصار کی جماعت! ابھی جبرائیل ؑ میرے پاس وحی لے کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں سیدہ فاطمہ ؓ کا نکاح سیدنا علی ؓ سے کر دوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور ایک زرہ کے عوض جس کی قیمت چار سو درہم تھی، سیدنا علی ؓ کا نکاح فاطمہ ؓ سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی اور پیارے داماد کے لیے یوں دعا فرمائی:

[illegible]

''اے اللہ! ان دونوں میں، ان دونوں پر اور ان دونوں کی نسل میں برکت عطا فرما۔''[2]

اس موقع پر حاضرین کی شہد کے شربت اور کھجوروں سے تواضع کی گئی۔

سیدہ فاطمہ کی رخصتی، حق مہر، ولیمہ اور شادی کے وقت آپ کی عمر اور دیگر احوال جاننے کے لیے سیرت انسائیکلو پیڈیا: 6/114-121 ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ فاطمہ ؓ کا مکان

سیدنا علی ؓ اپنی شادی سے قبل رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں رہتے تھے۔ شادی کے بعد الگ گھر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انھیں ایک گھر دے دیا گیا جو مسجد نبوی اور کاشانۂ رسول سے دور تھا۔ وہاں آنے جانے میں دقت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ اور سیدہ فاطمہ ؓ کی خواہش تھی کہ گھر قریب ہی ہوتا کہ آنے جانے میں آسانی رہے۔

حارثہ بن نعمان ؓ انصاری صحابی تھے۔ ان کے پاس مدینہ طیبہ میں کئی گھر تھے جن میں سے چند گھر مسجد نبوی کے قریب تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مختلف دینی مقاصد کے لیے یکے بعد دیگرے

1 تاریخ دمشق: 55/337. 2 الطبقات لابن سعد: 8/21، 22.



سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب

اللہ تعالیٰ نے خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جن فضائل و مناقب سے نوازا تھا، ان کی مثال نہیں ملتی۔ صداقت و راست گوئی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے امت محمدیہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں دیکھا۔[1] احادیث رسول میں سیدہ کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔''[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رو پڑیں، پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ ہنس پڑیں۔ میں نے ان رونے اور ہنسنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہ راز بتانے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد انھوں نے میرے اصرار پر بتایا رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ میں اس مرض میں فوت ہو جاؤں گا۔ یہ اندوہناک بات سن کر میں رو پڑی اور دوبارہ سرگوشی کے دوران فرمایا تھا کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھے ملو گی تو میں خوشی کے مارے ہنس پڑی۔[4]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر سال جبریل علیہ السلام میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کرتے تھے، اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقت آ پہنچا ہے اور اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ میں تمھارے لیے ایک اچھا آگے جانے والا ہوں۔ یہ بات سن کر میں رو پڑی۔ دوسری مرتبہ میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں:

1 المستدرک للحاکم: 161/3 2 مسند احمد: 391/5، صحیح الجامع الصغیر: 3711 3 صحیح البخاری: 3714، 3767 4 صحیح البخاری: 4433، صحیح مسلم: 2450

"کیا تم مومنوں کی یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو؟" یہ سن کر میں خوشی سے ہنس پڑی۔[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا اور "مباہلے" والی آیت نازل ہوئی جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: "یہ میرے اہل بیت ہیں۔"[2]

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "جس سے تم جنگ کرو اس سے میری بھی جنگ ہے اور جس سے تم صلح کرو اس سے میری بھی صلح ہے۔"[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک بزرگ تابعی نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ کسے محبوب رکھتے تھے؟ ام المومنین نے جواب دیا: عورتوں میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور مردوں میں سے ان کے شوہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو۔[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور حدیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتی ہیں: میں نے نشست و برخاست، عادات و خصائل، اسلوب گفتگو اور انداز کلام میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ زندگی کے تمام معاملات میں آپ ﷺ کی پوری پیروی کرتی تھیں۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ فرط محبت میں کھڑے ہو جاتے اور اپنی بیٹی کو بوسہ دیتے۔[5]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون) اور مریم بنت عمران علیہن السلام ہیں۔"[6]

سیدنا ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد نبوی میں دو رکعت نفل ادا کرتے، پھر اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے، ان کی خیریت دریافت کرتے، بعد ازاں اپنے گھر تشریف لے جاتے۔[7]

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر تھی۔ کہنے لگیں: یہ زیور مجھے ابو الحسن (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) نے ہدیہ کیا ہے۔ (اس موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے

[1] صحیح مسلم: 2450، [2] صحیح مسلم: 2404، [3] جامع الترمذی: 3870، یہ روایت ضعیف ہے۔ [4] جامع الترمذی: 3874، [5] جامع الترمذی: 3872، [6] مسند احمد: 293/1، صحیح ابن حبان ... 22/... [7] ... 155/3۔

فرمایا: ''فاطمہ بیٹی! کیا تمھیں یہ اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں: رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اس کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر!'' آپ ﷺ نے یہ فرمایا اور تشریف رکھے بغیر جلدی سے باہر تشریف لے گئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (والد گرامی کی یہ ناگواری دیکھی تو) فوراً اس ہار کو فروخت کرنے کے لیے بازار میں بھیج دیا۔ اس کی قیمت سے ایک غلام خریدا اور اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا: ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات عطا کر دی۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج خود کیا کرتی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیستی تھیں جس سے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں جس سے سینے پر نشان پڑ گئے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: دربار رسالت میں لونڈی غلام آئے ہیں، تم بھی جاؤ ایک خادمہ لے آؤ۔ اس طرح تمھیں اپنے کاموں کی مشقت میں آسانی ہو جائے گی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دربار نبوی میں حاضر ہوئیں مگر شرم کے مارے کچھ عرض نہ کر سکیں۔

دوسرے دن خود رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ پوچھا: ''بیٹی! آپ کل کیوں آئی تھیں؟'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ بول پڑے: حضور! چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں اور پانی ڈھو ڈھو کر سینے پر نشان اُبھر آئے ہیں۔ میں نے انھیں آپ کی خدمت میں خادمہ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''فاطمہ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنے رب کا فریضہ ادا کرو، اپنے گھر والوں کا کام کاج کیا کرو اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹنے لگو تو سبحان اللہ 33 بار، الحمدللہ 33 بار اور اللہ اکبر 34 بار پڑھ لیا کرو، یہ سو بار ہوا۔ یہ عمل تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔''[2]

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما رو رہے ہیں۔ پوچھا: یہ کیوں رو رہے ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر سے نکل پڑے۔ اتفاق سے بازار میں انھیں ایک دینار مل گیا۔ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور بتایا کہ فلاں جگہ سے یہ دینار ملا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فلاں یہودی کی دکان پر جایئے اور اس سے آٹا خرید لیجیے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ یہودی کی دکان پر پہنچے اور آٹا خریدا۔ یہودی پوچھنے لگا: کیا آپ انھی کے داماد ہیں جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

1 المستدرك للحاكم: 152/3. 2 سنن أبي داود: 2988، مزید دیکھیے: صحیح البخاري: 3113.

نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: دینار اپنے پاس رکھیے اور آٹا بھی لے جائیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آٹا گھر لے آئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساری بات بتائی۔ انھوں نے کہا: فلاں قصاب کے پاس جائیں اور ایک درہم کا گوشت لے آئیں۔ چنانچہ وہ گئے، اپنا دینار اس کے پاس رہن رکھا اور ایک درہم کا گوشت لے آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا تیار کیا اور نبی کریم ﷺ کو بھی کھانے پر بلایا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے سارا ماجرا سنایا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اسے جائز قرار دیں گے تو ہم کھائیں گے ورنہ نہیں کھائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔'' چنانچہ سب نے کھالیا۔ ابھی وہ اپنی جگہ پر بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوا آیا۔ وہ اپنا گمشدہ دینار ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اسے بلایا گیا۔ آپ ﷺ نے لڑکے سے اس کا مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا: میرا دینار بازار میں کہیں گر گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! اس قصاب کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: وہ دینار میرے پاس بھیج دو اور تمھارا درہم میرے ذمے ہے۔''

چنانچہ اس نے دینار بھیج دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دینار اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما سے اس قدر محبت تھی کہ آپ مختلف موقعوں پر ان کی تربیت فرماتے رہتے تھے۔ اس کی ایک جھلک اس واقعے سے عیاں ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ رات کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور میاں بیوی (علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما) سے پوچھا: ''کیا تم تہجد نہیں پڑھتے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ یہ جواب سن کر رنجیدہ خاطر ہوئے اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے لوٹ آئے۔ اس وقت آپ ﷺ فرما رہے تھے: ﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ''انسان بہت سی باتوں میں جھگڑالو واقع ہوا ہے۔''[2]

شفقت پدری سے محرومی کا ملال

رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ ان سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔ سفر آخرت کا آغاز ہوا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی جدائی کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھیں۔ ساری اولاد میں سے اب وہی باقی رہ گئی تھیں، اس لیے انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا صدمہ باقی لوگوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

---

[1] سنن أبي داود: 1716 [2] صحيح البخاري: 7347، صحيح مسلم: 775

ربیع الاول 11ھ میں رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی۔ آپ کبھی کبھی ہوش میں آجاتے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ اس میں اپنا ہاتھ ڈبو کر اپنے چہرۂ مبارک پر ملتے اور فرماتے تھے: [illegible] ''الٰہی! موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔''[1] سیدہ فاطمہ ؓ آپ ﷺ کی اذیت دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ فرمانے لگیں: [illegible] ''ہائے میرے باپ کی بے چینی!'' آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''آج کے بعد تمھارا باپ بے چین نہ ہوگا۔'' جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ نے انتہائی غمگین لہجے میں کہا:

[illegible]

''ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی۔ ہائے ابا جان! اب جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہے۔ ہائے ابا جان، ہم جبرائیل ؑ کو آپ کی موت کا غم سناتے ہیں۔''[2]

یہ سن کر لوگوں کے دل بے قرار ہو گئے۔ مدینے میں غم واندوہ کے بادل چھا گئے۔ سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا عباس بن عبدالمطلب ؓ اور ان کے دونوں بیٹے رسول اللہ ﷺ کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہو گئے۔ سیدنا علی ؓ نے آپ ﷺ کو غسل دینے کی ذمہ داری نبھائی۔

جب صحابۂ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو سیدہ فاطمہ ؓ نے سیدنا انس ؓ کو مخاطب کر کے پوچھا: [illegible] ''اے انس! کیا تمھارے دل اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر پر مٹی ڈالو؟''[3]

اسد الغابہ میں ہے کہ وفات النبی ﷺ کے بعد سیدہ فاطمہ ؓ جب تک زندہ رہیں، ان کے مقدس لب کبھی تبسم آشنا نہیں ہوئے۔[4]

سیدہ فاطمہ ؓ کا سفر آخرت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ ؓ دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس ؓ نے سب سے بڑھ کر ان کی تیمارداری کی۔ سیدہ فاطمہ ؓ ان پر بہت اعتماد کرتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے فرمایا: عورتوں کا جنازہ جس طرح تیار کیا جاتا ہے، اس سے ستر کے تقاضے کامل طور پر پورے نہیں ہوتے۔ یہ بات سن کر سیدہ اسماء ؓ نے کہا: کیا میں آپ کو وہ طریقہ نہ بتاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھا تھا؟

[1] سنن ابن ماجہ، 1023۔ [2] صحیح البخاری، 4462۔ [3] صحیح البخاری، 4462۔ [4] اسد الغابۃ 368/5۔

سیدہ فاطمہ ؓ نے فرمایا: ضرور بتائیے!

انھوں نے کہا کہ وہاں درخت کی ٹہنیوں سے کر انھیں خم دیا جاتا اور انھیں چارپائی کے چاروں کونوں پر باندھ دیا جاتا، پھر ٹہنیوں کے اوپر کپڑا ڈال دیا جاتا تھا۔ اس طرح چارپائی باپردہ ڈولی کی طرح بن جاتی تھی۔

سیدہ فاطمہ ؓ یہ سن کر بہت مسرور اور مطمئن ہو گئیں۔ انھوں نے اسماء ؓ کو وصیت فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے صرف آپ اور علی بن ابی طالب ؓ ہی غسل دیں۔ کوئی اور میرے قریب پھٹکنے نہ پائے۔ غسل کے بعد آپ ہی میرے جنازے کے لیے چارپائی کی ڈولی بنائیں اور اس پر پردے کا اہتمام کریں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کتنے عرصے بعد سیدہ فاطمہ ؓ کا انتقال ہوا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ستر دن، ستر دن، دو ماہ، چار ماہ، چھ ماہ، آٹھ ماہ۔ سیرت نگاروں نے ان اقوال میں سے چھ ماہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کو 6 ماہ گزرے تھے کہ 3 رمضان المبارک 11ھ بروز منگل سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ کی پاکیزہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر 29 سال تھی۔ بعض نے 30 سال اور بعض نے 35 سال بتائی ہے۔ لیکن پہلی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔[3]

تجہیز و تکفین

سیدنا علی، سیدہ اسماء بنت عمیس، سیدہ سلمٰی اور ام رافع ؓ نے سیدہ فاطمہ ؓ کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔ ان کا جنازہ رات کے وقت اٹھایا گیا۔ نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں: بعض کہتے ہیں کہ سیدنا علی ؓ نے پڑھائی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسی کا ذکر ہے۔[4] بعض نے کہا کہ سیدنا عباس ؓ نے پڑھائی۔[5] اور بعض مؤرخین کا، جن میں شیعہ بھی شامل ہیں، کہنا ہے کہ ان کا جنازہ سیدنا علی ؓ کے اصرار پر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے پڑھایا۔

کنز العمال میں امام جعفر صادق کے حوالے سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے سیدنا علی ؓ کو جنازہ پڑھانے کے لیے کہا تو انھوں نے فرمایا: آپ خلیفۂ رسول ﷺ ہیں، میں آپ سے آگے نہیں ہو سکتا۔ آپ ہی جنازہ پڑھائیں۔[6]

1 السنن الکبریٰ للبیہقی 4/34، حلیۃ الأولیاء 2/43۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ 2 الإصابۃ 8/267، أسد الغابۃ 5/366۔ 3 أسد الغابۃ 5/369۔ 4 صحیح بخاری 4240، 4241، صحیح مسلم 1759۔ 5 الطبقات لابن سعد 8/29۔ 6 کنز العمال 6/328

علامہ محب الدین طبری نے ''ریاض النضرۃ'' میں امام زین العابدین کے حوالے سے یہی روایت نقل کی ہے۔[1] ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھایا اور جنازے میں چار تکبیریں کہیں۔[2]

رات کی تاریکی تھی، مشعلیں روشن تھیں۔ تدفین کے لیے سیدنا علی، سیدنا عباس اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم قبر میں اترے اور انھیں سپردِ خاک کیا۔

انھیں بقیع الغرقد میں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان پہنچے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر کھڑے ہوکر یہ اشعار پڑھے:

لِكُلِّ اجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِيلَيْنِ فُرْقَةٌ   وَإِنَّ بَقَائِي بَعْدَكُمْ لَقَلِيلُ

وَإِنَّ افْتِقَادِي وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ   دَلِيلٌ عَلَى أَنْ لَا يَدُومَ خَلِيلُ

أَرَى عِلَلَ الدُّنْيَا عَلَيَّ كَثِيرَةً   وَصَاحِبُهَا حَتَّى الْمَمَاتِ عَلِيلُ

''دو دوستوں کو اکٹھے رہنے کے بعد جدائی ہونا پڑتا ہے۔ تمھارے بعد میری بقا کا عرصہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ میں یکے بعد ایک کو گم پاتا ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔ میں اپنے اوپر دنیا کی بہت بیماریاں (پریشانیاں) دیکھ رہا ہوں۔ ان بیماریوں میں مبتلا شخص موت تک بیمار ہی رہتا ہے۔''[3]

اولاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے صرف سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی رہی اور آج بھی حسنی، حسینی اور فاطمی، ساری نسبتیں انھی کی طرف ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تین بیٹے سیدنا حسن، سیدنا حسین اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہم اور دو بیٹیاں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہما تھیں۔

1 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ: یہ رمضان 3 ھ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''حسن'' رکھا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا، بال اتروائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما شکل و صورت میں اپنے نانا محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ انتہائی صابر، شاکر، عامل کتاب و سنت اور صلح پسند شخصیت تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

1 ریاض النضرۃ: 156/10۔ 2 الطبقات لابن سعد: 29/8، 30۔ 3 مختصر تاریخ دمشق: 162/4

کو زہر دیا گیا اور اسی سبب سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔

2 سیدنا حسین ؓ: یہ سیدنا حسن ؓ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ ان کی ولادت 4 ھ میں ہوئی۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ نہایت حسین وجمیل تھے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے۔ آپ ؓ 61 ھ میں میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

3 سیدنا محسن ؓ: یہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

4 سیدہ ام کلثوم ؓ: چونکہ ان کی شکل ان کی خالہ ام کلثوم سے ملتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بھی ام کلثوم ؓ ہی رکھا۔ ان کی شادی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق ؓ سے ہوئی۔ ان کی قبر دمشق میں ہے۔

5 سیدہ زینب ؓ: یہ سیدہ فاطمہ ؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی سیدنا علی ؓ کے بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ؓ سے ہوئی۔

سیدہ زینب ؓ حادثۂ کربلا میں آخر دم تک اپنے برادر مکرم سیدنا حسین ؓ کے ساتھ رہیں۔ انھوں نے سارا جدال وقتال اپنی آنکھوں سے دیکھا اور صبر جمیل کا مظاہرہ کیا۔ زینب ؓ نے کوفہ میں ابن زیاد اور دمشق میں یزید کے سامنے نہایت جرأت مندانہ تقریریں فرما کر انھیں لاجواب کر دیا۔[1]

مرویات حدیث

رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں میں سے تنہا سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ ہی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انھوں نے احادیث روایت کیں۔ امام ابن جوزی ؒ لکھتے ہیں:

لا نعلم أحدا من بنات رسول الله ﷺ روى عنه غير فاطمة.

''فاطمۃ الزہراء ؓ کے علاوہ دختران رسول ﷺ میں سے ہمیں کسی کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کی ہو۔''

سیدہ فاطمہ ؓ سے 18 احادیث مروی ہیں جو بخاری، مسلم، سنن اور مسانید میں مذکور ہیں۔ ایک حدیث متفق علیہ بھی ہے۔ ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں علی بن ابی طالب، سیدنا حسن، سیدنا حسین اور سیدنا انس ؓ شامل ہیں۔ امہات المومنین ؓ میں سے سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ ؓ اور دیگر صحابیات میں سے ام رافع سلمٰی ؓ نے ان سے حدیث روایت کی۔[2]

1 دیکھیے: سیر أعلام النبلاء: 119/2 2 دیکھیے: سیر أعلام النبلاء: 119/2 و 134

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ

ولادت

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ ﷺ ہاشمی قرشی کی والدہ ماجدہ سیدنا ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا، مقوقس فرمانروائے اسکندریہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں 7 ہجری میں بھیجی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو "عالیہ" (قبا) میں اس حصے میں اتارا جس کا نام "قف" تھا۔ یہاں ایک باغ تھا جو اب "مشربہ ام ابراہیم" کہلاتا ہے۔ مشربہ بالا خانہ کو کہتے ہیں، اس لیے قیاس یہی ہے کہ اس پُر فضا جگہ میں ایک دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اسی میں رہتی تھیں اور سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ وہیں پیدا ہوئے۔[1]

تاریخ طبری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین کے بعد جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم کرکے عمرہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔[2] واقدی کے قول کے مطابق آپ ذوالحجہ 8ھ کی آخری تاریخوں میں مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد انھی تاریخوں میں سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"رات میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔"[4]

نبی اکرم ﷺ کو صاحبزادے کی ولادت سے بڑی مسرت ہوئی، کیونکہ آپ کی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی تھی۔ جس وقت سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ نے آکر یہ بشارت سنائی، اس خوشخبری پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک غلام عطا فرمایا۔[5]

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی اور ان کی وفات و تدفین کا تفصیلی تذکرہ اسی جلد کے پہلے باب میں "رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت و وفات" کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔

---

1 الاستیعاب، ص: 65. 2 تاریخ الطبری: 355/2. 3 مغازی للواقدی: 356,355/2. 4 صحیح مسلم، 2315.
5 الطبقات لابن سعد: 212/8.

رسول اللہ ﷺ کے غلام، لونڈیاں اور خدام

سیرت انسائیکلوپیڈیا کی گزشتہ جلدوں میں رسول اللہ ﷺ کے غلاموں، لونڈیوں اور خادموں کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر گزر چکا ہے۔ تاہم ہم یہاں ان کا اجمالی تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے نبی ﷺ کے غلاموں، لونڈیوں اور خادموں کی ایک لمبی فہرست بیان کی ہے۔ لیکن ہم صرف ان میں سے مشہور و معروف کا ذکر کریں گے۔

نبی اکرم ﷺ کے غلام

کچھ شخصیات ایسی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس غلام بن کر آئیں لیکن پھر وہ لوگ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انھوں نے دنیا کی ہر چیز پر آپ کی غلامی ہی کو ترجیح دی۔ وہ اپنے قبیلوں اور علاقوں میں جانے کے بجائے ساری زندگی آپ ہی کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما	ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ
ابو رافع رضی اللہ عنہ	اسلم رضی اللہ عنہ
ابو عبدہ سفینہ رضی اللہ عنہ	ثوبان رضی اللہ عنہ
رباح نوبی رضی اللہ عنہ	صالح (شقران) رضی اللہ عنہ
مدعم رضی اللہ عنہ	یسار نوبی رضی اللہ عنہ
انجشہ رضی اللہ عنہ	کرکرہ رضی اللہ عنہ[1]
ابو مسرح انسہ رضی اللہ عنہ	سفینہ بن فروخ رضی اللہ عنہ
افلح رضی اللہ عنہ	عبید رضی اللہ عنہ

1 مدعم اور کرکرہ دونوں خیبر کے موقع پر مارے گئے تھے۔ ان کا خیبر کے مال غنیمت سے چادر چرانے کا واقعہ مشہور ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں جہنمی بتایا تھا۔ (مزید دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا (للمؤلفین) 406/8)

- طہمان (کیسان یا باذام یا ذکوان یا مہران یا ہرمز) رضی اللہ عنہ
- حنین رضی اللہ عنہ
- قسام رضی اللہ عنہ
- سندر رضی اللہ عنہ
- مابور قبطی رضی اللہ عنہ
- فضالہ یمانی رضی اللہ عنہ
- ابو واقد رضی اللہ عنہ
- واقد رضی اللہ عنہ
- ابو عسیب رضی اللہ عنہ

نبی اکرم ﷺ کی لونڈیاں

ذیل میں نبی اکرم ﷺ کی مختلف لونڈیوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

- ام رافع سلمٰی رضی اللہ عنہا
- میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا
- خضرہ رضی اللہ عنہا
- رضوی رضی اللہ عنہا
- رزینہ رضی اللہ عنہا
- ام ضمیرہ رضی اللہ عنہا
- میمونہ بنت ابی عسیب رضی اللہ عنہا
- ماریہ قبطیہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا
- ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

رحمۃ للعالمین ﷺ کے خدام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت کو اپنے لیے بہت بڑا شرف و اعزاز سمجھتے تھے۔ ہر صحابی اس جستجو میں رہتا کہ وہ اس سعادت سے بہرہ ور ہو۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جنھوں نے خود کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہ سفر و حضر میں آپ کی ضرورتوں اور آرام کا خیال رکھتے۔ انھیں اس بات کا انتظار رہتا کہ آپ کوئی کام کہیں تو وہ اسے فوراً کر دیں۔ ان میں سے مشہور خادم یہ ہیں:

- انس بن مالک رضی اللہ عنہ
- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
- عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ
- اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ
- بلال بن رباح رضی اللہ عنہ
- سعد رضی اللہ عنہ
- ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
- ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ [1]

1 زاد المعاد، 1/114-117.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلو پیڈیا

(جلد 10)

اعلام

رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ خاتون رملہ بنت حارث بن ثعلبہ بن حارث بن زید انصاریہ نجاریہ تھیں۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یہود بنو قریظہ کے مردوں کے قتل کا فیصلہ دیا تھا تو انھیں اور رملہ بنت حارث ہی میں قید کیا گیا تھا۔ ابن حبیب نے ان کا ذکر انصار کی ان خواتین میں کیا ہے جنھوں نے نبی ﷺ کی بیعت کی تھی۔ (اسد الغابہ، 5/286، 287)

اماکن

اثایہ: عرج سے دو میل پہلے ایک کنواں ہے، اس جگہ ایک مسجد ہے جس میں نبی ﷺ نے نماز پڑھی۔ یہاں کیکر کے درخت ہیں اور یہاں حجاز کی حد ختم ہوتی ہے۔

بحیرۂ طبریہ: اسے بحیرۂ گلیل (Galilee Sea) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین میں شام کی حدود پر نمکین پانی کی ایک جھیل ہے۔ اس میں سے دریائے اردن گزرتا ہے۔ جھیل کا رقبہ 175 مربع کلومیٹر ہے۔ لمبائی 20 کلومیٹر اور چوڑائی 10 کلومیٹر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی گہرائی 200 میٹر ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص 355) بحیرۂ طبریہ کے مغربی کنارے شہر طبریہ (Tiberias) آباد ہے۔

بیسان: وادی اردن کا یہ فلسطینی قصبہ جھیل طبریہ (بحیرۂ گلیلی) کے جنوب میں 30 کلومیٹر دور ہے۔ یہ شہر مسیح علیہ السلام سے 3 ہزار سال پہلے بھی آباد تھا۔ یہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں شامل تھا۔ یونانی اور رومی ادوار میں یہ سکیتھوپلس (Scythopolis) کہلاتا تھا۔ ذی قعدہ 13ھ / جنوری 635ء میں جنگ بیسان میں مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی۔ 492ھ تا 583ھ اس پر صلیبی قابض رہے حتی کہ صلاح الدین ایوبی نے اسے فتح کرلیا۔ ان دنوں اس پر اسرائیلی قابض ہیں اور یہ بیت شیان (Beit Shean) کہلاتا ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص 185)

جازان (جیزان): بحیرۂ احمر کے ساحل پر واقع جازان شہر سعودی صوبہ جازان کا دارالحکومت ہے۔ جازان سے پچاس ساٹھ کلومیٹر جنوب میں یمن کی سرحد ہے۔

ذی طویٰ: یہ مکہ کے شمال مغرب کی ایک وادی ہے جو جبل اذاخر اور حجون سے مغرب کی طرف بہتی ہے۔ آج کل یہ مکہ کی آبادی کے وسط میں ہے۔ اس کے محلے حنیہ اور جرول ہیں اور جرول میں بئر ذی طویٰ آج بھی معروف ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص 186، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص 188)

زغر: بحیرۂ مردار (البحر المیت) کے جنوب میں قوم لوط کے علاقہ سدوم (اردن) میں چار بڑے شہر تھے، ان میں سے ایک زغر تھا

شمار ہوتا ہے۔ بائبل میں صُغر یا صُوغر (Zoar) لکھا گیا ہے۔ زغر یا صغر کی جگہ ان دنوں غور الصافی قصبہ آباد ہے۔ (اطلس القرآن، ص: ...)

''لوط علیہ السلام اور قوم سدوم'' پیدائش (کتاب مقدس) باب 22، 23 میں لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام نے شہر ضغر میں پناہ لی تب اللہ تعالیٰ نے سدوم اور عمورہ پر آسمان سے گندھک اور آگ برسا کر انھیں تباہ کر دیا۔ (کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ، ص: 27)

عرق سیالہ: یہ مدینہ سے 47 کلومیٹر ایک مقام ہے جسے سیالہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اکثر سیلاب آتا ہے یا اس وجہ سے سیالہ کہا جاتا ہے کہ وہاں کانٹے دار درخت ہیں۔

ضمد (ضَمَد): جازان شہر کے شمال میں وادی ضمد سمندر میں گرتی ہے اور جازان شہر سے تقریباً 40 کلومیٹر شمال مشرق میں وادی ضمد پر قصبہ ضمد واقع ہے۔ معجم البلدان میں اسے الضَّمَد لکھا گیا ہے۔ (اطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203,15، معجم البلدان: 3/462)

العرج: مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے۔ یہ مدینہ سے 13 کلومیٹر جنوب میں ہے۔

عرق الظبیہ: یہ روحاء سے تین کلومیٹر پیچھے وادی سدارہ میں ایک پہاڑ کے نام کی وجہ سے معروف جگہ ہے۔ ان دنوں مقامی لوگ اسے ''ظرف ظبیہ'' بولتے ہیں۔

قبائل

بنو تغلب: یہ عدنانی قبیلہ تغلب بن وائل بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ سے منسوب ہے۔ یہ جزیرہ اور دیار ربیعہ (حجاز کے شمال) میں رہتے تھے۔ (معجم قبائل العرب: 1/120)

بنو تمیم: یہ عدنانی قبیلہ تمیم بن مر بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی اولاد ہے۔ یہ نجد اور بحرین میں آباد تھے۔ بنو تمیم کی شاخ حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم کا ذیلی قبیلہ الوہبہ ہے جس سے شیخ محمد بن عبدالوہاب تعلق رکھتے تھے۔ الوہبہ ہی سے المعاضید ہیں جن سے امرائے قطر ''آل ثانی'' تعلق رکھتے ہیں۔ (معجم قبائل العرب: 1/125، 126)

بنو حنیفہ: یہ عدنانی قبیلہ بنو ربیعہ میں بکر بن وائل کی شاخ بنو حنیفہ بن لُجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل سے منسوب تھا جبکہ دوسروں کے مطابق اسے حنیفہ بنت کاہل بن اسد بن جذیمہ سے نسبت تھی۔ اس کا وطن یمامہ تھا۔ (معجم قبائل العرب: 1/312)

بنو عامر بن صعصعہ: یہ عدنانی قیسی قبیلہ ہوازن کی شاخ تھا اور عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور سے منسوب تھا۔ یہ نجد میں رہتے تھے، کچھ نواح طائف میں آ بسے۔ (معجم قبائل العرب: 2/708، 709)

عبدالقیس: یہ عظیم قبیلہ عبدالقیس بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان سے نسبت رکھتا ہے۔ ان کا وطن تہامہ تھا، پھر یہ بحرین (مشرقی سعودی عرب) میں جا آباد ہوئے۔ (معجم قبائل العرب: 2/726)

مزینہ: یہ عدنانی مضری قبیلہ عثمان و اوس ابنائے عمرو بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر کی اولاد ہے۔ عثمان اور اوس کی والدہ کا نام مزینہ تھا، اس لیے وہ بنو مزینہ کہلائے۔ یہ فُرع، الروحاء، العمق اور وادی الفرع میں آباد تھے۔ (معجم قبائل العرب: 3/1083)

بنو محارب: یہ عدنانی قبیلہ محارب بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر سے منسوب تھا۔ (معجم قبائل العرب: 3/1043)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوامِ عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ اسی سلسلۃ الذہب کی دسویں جلد ہے۔ اس کے چار ابواب ہیں۔ پہلے باب میں آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے عرب قبیلوں کے وفود کی حاضری کا منظر دیکھیں گے۔ پھر حجۃ الوداع کا انقلابی باب پڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر مناسکِ حج سکھلائے اور نہایت اہم دینی اور سیاسی تعلیمات دیں۔ ارشاد فرمایا کہ تم پر کوئی نکٹا حبشی بھی امیر مقرر کر دیا جائے تو تم پر لازم ہے کہ اس کی بھی اطاعت کرو جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے صادر کرتا رہے۔

اگلے باب میں آپ رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت اور وفات کا الم انگیز حال پڑھیں گے۔ جانکنی کے موقع پر آپ ﷺ نے نماز کی پابندی اور عورتوں اور غلاموں کے حقوق کی خصوصی نگہداشت کی تاکید فرمائی۔ آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنی بصیرت اور استقامت سے ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی۔ اسی جلد کے آخری باب میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواجِ مطہرات، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے احوال کی بھرپور تفصیلات ملیں گی۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ISBN 9786035003698